حرفِ اول

یہ چند جملے لکھنے کی ضرورت صرف اس لئے پڑی کہ عین اس وقت جب کتاب پریس میں جانے کیلئے تیار تھی۔ ایک جانکاہ خبر نشر ہوئی کہ، عالمی استعمار، شیطانِ بزرگ، مظلوم و محروم قوموں خصوصاً مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن، خونخوار و بدمست امریکہ نے بندرعباس سے دوبئی کی طرف پرواز کرنے والے ایک مسافربردار جہاز کو میزائیل کا نشانہ بنا دیا جس کے نتیجہ میں دو سو نوّے (۲۹۰) افراد مرد، عورتیں اور بچے جاں بحق ہو گئے

سُپر پاور ہونے کا ڈھنڈورا پیٹنے والا جس کا یہ دعویٰ ہے کہ ہماری الکٹرونک آنکھیں دنیا کی ہر چیز پر نظر رکھتی ہیں۔ ایک جنگی اور مسافربردار جہاز میں تمیز پیدا نہ کر سکا اور پھر بھی بے شرمی کے ساتھ خلیج فارس میں امن و تحفظ کی برقراری کے بہانہ یہاں سے جانے کو تیار نہیں ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ یہ شیطان کسی بھی قانون اور حق کا پابند نہیں ہے اور اس کی سیاست اور منافع کے مقابلے میں ہر چیز بے قیمت ہے۔

ابھی ایک سال قبل اسی شیطان کے اشارہ پر حرم امن الٰہی میں رجعت پرست سعودی درندوں نے سیکڑوں حاجیوں کا قتل عام کیا تھا تاکہ اس کے اور اس کی ناجائز اولاد اسرائیل کے خلاف بلند ہونے والی آوازوں کو کچل دیا جائے مگر آج خود فلسطینی سرزمین پر فرزندان توحید اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور دنیا کی تمام آزاد قومیں "مرگ بر امریکہ اور مرگ بر اسرائیل" کے نعروں سے استعماری ایوانوں کو لرزہ بر اندام کئے ہوئے ہیں۔

ان حقائق کی روشنی میں ایرانی ایربس کا حادثہ اور اس میں سوار ۲۹۰ مسافروں کے ہمراہ زیر نظر کتاب کی مترجمہ محترمہ قرائی کی شہادت کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے کسی خونخوار سے اس کے علاوہ امید بھی کیا کی جا سکتی ہے ـــــ ہم تو ہر طرح کی شہادت قبول کرنے کیلئے تیار ہیں اس لئے کہ موجودہ حالات میں شہادت یقیناً انسان کی معراج ہے"۔

"ناشر"

چہل حدیث

منتخب

حضرت امام خمینی مدظلہ

دس حدیثیں

۳۰۷
سازمان تبلیغات اسلامی روابط بین الملل

کتاب دس حدیثیں (منتخب از چهل حدیث)
مولف حضرت امام خمینی مدظله
ترجمه سیده ماه لقا قرائی
ناشر سازمان تبلیغات اسلامی (روابط بین‌الملل)
تهران (اسلامی جمهوریه ایران)
مطبع کلینی تهران
تعداد 3000 (تین هزار)
تاریخ ذی‌الحجه 1407 هـ
کتابت نصیر احمد جسکانی، اشرف‌الزمان

فہرست

پیش لفظ ۱

حدیث اوّل ۲

پہلا مقام تأمل۔عزم وارادہ۔ جدّوجہد،محاسبہ و مشارطہ و مراقبہ۔ ذکر و فکر ۵، ۷، ۸، ۹، ۱۱

دوسرا مقام ۱۴

قوائے باطنی،جبلی میلانات کی تعدیل ۱۷، ۲۰

قوّت تخیّل کی تہذیب، احتساب ۲۲، ۲۳

ابن بابویہ، شیخ صدوق سے منقول حدیث ۳۱

اخلاقی امراض کا علاج۔اختتام ۳۴، ۳۷

حدیث دوم

ریاء اور اس کے روحانی اور نفسیاتی اثرات ۳۹

پہلا باب مذہبی عقائد میں ریاء ۴۱

علم و ایمان کا فرق ۴۳

ریاء سے پیدا ہونے والے خطرات ۴۶

ریاء کی بیخ کنی کا علمی طریقہ ۴۷

خلوص عمل

عمل میں ریاء ۵۷

وجود انسانی ناموس الٰہی ہے ۶۰

عبادت میں ریاء ۶۲

ریاء کا کس طرح مقابلہ کیا جائے ۶۴

نماز جماعت میں ریاء ۶۶

نماز جماعت کی صفوں میں ریاء ۶۸
اخلاص کی دعوت ۷۰
حضرت علیؑ کی ایک حدیث ۷۶
مراتبِ صفات اور اشخاص کے درجات ۷۸
سمعہ کیا ہے۔ ۸۰

حدیث سوّم

عُجب کیا ہے ۸۱
مفسدین کا عُجب ۸۶
شیطان کی حیلہ بازیاں اور نقشے ۸۹
عُجب سے پیدا ہونے والے مفاسد۔ دوسروں کی تحقیر ۹۱
ریاء کی ترغیب ۹۳
غرور کا باعث ہونا۔ حبِ نفس عُجب کا سرچشمہ ۹۴-۹۷

حدیث چہارم

تکبّر۔ غرور کے درجات اور مراتب ۱۰۷-۱۱۰
غرور کا مبداء۔ غرور سے پیدا ہونے والی روحانی اور سماجی برائیاں ۱۱۳-۱۱۸
تکبّر کے اسباب وعوامل ۱۲۵
افق فکری کی تنگی کا نتیجہ ۱۳۰
کِبر کا علاج ۱۳۱
غرور کے علاج کے طریقے ۱۳۴
عذابِ آخرت کا تجسّم ۱۳۵
رسولِ خداؐ کی تواضع اور فروتنی ۱۳۶
یقظہ انسانیت کی پہلی منزل ۱۴۰

اخلاقی صفات کی زاکتیں ۱۴۲

حدیث پنجم

حسد۔ محرّکات اور عوامل ۱۴۵

حسد کی تعریف۔ حسد کی قسمیں ۱۴۶-۱۴۷

حسد کے اسباب اور محرکات۔ حسد کے کچھ مفاسد ۱۴۷-۱۴۹

فشارِ قبر۔ مفاسد اخلاقی کی جڑ ۱۵۲-۱۵۶

حسد کا عملی علاج ۱۵۹

حسد کے رفع کرنے کے بارے میں حدیث ۱۶۰

حدیث ششم

حُبِّ دنیا ۱۶۳

حُبِّ دنیا کی افزائش کے اسباب ۱۶۸

حضرت علیؑ کا شوقِ وصال ۱۶۹

حدیث ہفتم

غضب کے بارے میں ۱۸۰

قوّۃ غضب کے فوائد ۱۸۲

غصّے کی زیادتی کی مذمّت ۱۸۴

غصّے سے پیدا ہونے والی اخلاقی خرابیاں۔ غصّے سے پیدا ہونے والی اعمال کی خرابیاں ۱۸۸

اشتعال کی حالت میں غصّے کا علاج ۱۹۰

غصّے کا بنیادی علاج اور اس کی بیخ کنی ۱۹۳

حدیث ہشتم

عصبیّت اور نخوت ۱۹۷

عصبیت کے مفاسد ۱۹۹
رسولِ خداؐ کی ایک حدیث ۲۰۱
عصبیت کی ملکوتی صورت ۲۰۲
اپنے نفس سے خطاب ۲۰۴
اہلِ علم کی عصبیت ۲۰۶

حدیث نہم

نفاق اور منافق ۲۰۹
نفاق کے مراتب ۲۱۰
نفاق کے آثار اور اثرات ۲۱۲
نفاق کا علاج ۲۱۴
نفاق کی قسمیں ۲۱۶

حدیث دہم

ہوائے نفس اور طولِ امل ۲۲۳
ہوائے نفس کی پیروی کرنے کی مذمت ۲۲۴
کلامِ خدا میں ہوس کی پیروی کی مذمت ۲۲۷
خواہشاتِ نفسانی کی تعداد کے بارے میں ۲۳۲
طولِ امل کی مذمت ۲۳۴

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علی محمد وآلہ اجمعین
ولعنۃ اللہ علی اعدائھم الی یوم الدین۔

پیش لفظ

خداوندا آئینہ دل کو اخلاص کے نور سے روشن کر اور لوحِ دل کو منافقت کے زنگ سے پاک کر۔ حیرت اور تاریکی کے بیابان میں بھٹکتے ہوئے بے بسوں کو سعادت اور نجات کی راہیں دکھا۔ ہمیں اخلاق کریمہ عطا فرما۔ تیرے وہ جلوے جو تو نے اپنے خاص بندوں اور اولیاء کے لئے مخصوص کئے ہیں، ہمیں بھی نصیب فرما۔ ہمارے دلوں سے شیطان اور جہالت کے لشکروں کو نکال باہر کر اور ان کی جگہ علم اور حکمت کی فوجیں اتار دے۔ دنیا میں ہمارے دلوں کو تو اپنی اور اپنے خاص بندوں کی محبت سے مالا مال رکھ۔ وقتِ مرگ اور اس کے بعد ہمارے حال پر مہربانی فرما اور آخرت میں ہم کو سعادتمند فرما۔

تالیفِ کتاب کا مقصد :- خدا کے اس کم طاقت بے بضاعت اور ناتوان بندے کی بہت دن سے یہ خواہش تھی کہ علماء رضوان اللہ علیہم کی مستند کتابوں سے اہل بیت اطہار علیہم السلام سے روایت کی ہوئی حدیثوں میں سے چالیس (۴۰) حدیثوں کا انتخاب کروں اور انھیں عام افراد کے حسبِ حال مناسب تشریح

کے ساتھ پیش کروں اسی وجہ سے یہ کتاب فارسی زبان میں لکھی گئی ہے تاکہ فارسی جاننے والے افراد بھی اسی سے فیض یاب ہو سکیں۔ انشاء اللہ تعالےٰ شائد مجھے بھی ان میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہو جن پر حضرت ختمی مرتبتؐ کی حسب ذیل حدیث صادق آتی ہے۔

مَنْ حَفِظَ عَلٰی اُمَّتِی اَرْبَعِیْنَ حَدِیْثاً یَنْتَفِعُوْنَ بِھَا بَعَثَہُ اللّٰہ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ فَقِیْھاً عَالِماً۔

میری امّت میں سے جو کوئی بھی میری چالیس حدیثوں کی حفاظت اس طور سے کرے کہ لوگ اس سے مستفید ہوں تو اللہ تعالےٰ قیامت کے دن اس کا شمار فقہاً اور علماء میں کرے گا۔

حدیثِ اوّل

عَنِ الشیخ الاجل ثِقَۃ الاسلام مُحَمَّدِ بن یَعقُوبَ الکُلینی صاحِبِ الکافی عَن عَلی بن ابراھیم عن ابیہ عَنِ النوفلی عَنِ السَّکُونی عَنْ ابی عبد اللّٰہ (ع) اِنَّ النَّبی صَلّی اللّٰہ عَلَیہ وآلہٖ بَعَثَ سَرِیَّۃً فَلَمَّا رَجِعوا قال:

"مَرحَباً بقَومٍ قضوا الجِھادَ الْاَصْغَر وبقی عَلیھِمُ الجِھادُ الْاَکْبَر" فَقیل یارسول اللّٰہ ما الجِھادُ الْاَکبَر قال، "جِھادُ النَّفْسِ"

ترجمہ:۔ شیخ الاجل ثقۃ الاسلام محمد بن یعقوب کلینی صاحب کافی نے علی بن ابراہیم سے انہوں نے اپنے والد سے، انھوں نے النوفلی سے، انھوں نے سکونی سے، انہوں نے حضرت ابو عبداللہ امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ جب نبی اکرم صلّی اللہ وعلیہ وسلّم نے روانہ کردہ سپاہیوں کو میدان جنگ سے لوٹتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ آفریں ہے ان لوگوں پر جنھوں نے جہاد اصغر کیا اور جنہیں ابھی جہاد اکبر انجام دینا ہے۔

جب سوال کیا گیا کہ یارسول اللہ جہاد اکبر کیا ہے تو رسول اکرم نے فرمایا " جہاد نفس "

شرح حدیث :- السَّرِیَّۃُ قِطعَۃٌ مِن الجیشِ یُقَالُ خَیرُ السَّرَایَا اربعمائۃ رَجُل۔

کسی فوج کے ایک حصّے کو سریّہ کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ بہترین سریّہ وہ ہے جو چار سو افراد پر مشتمل ہو۔ حدیث کے متن سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ انسان ایک ایسا عجوبہ ہے جس کی ایک زندگی میں دو زندگیاں اور جس کے وجود میں دو کائناتیں جمع ہیں۔ ایک تو وجودِ ظاہری، جو دنیوی طبیعی لمعات کے ساتھ اس کے بدن کی زندگی ہو۔ دوسرا وجودِ باطنی جو غیبی و ملکوتی ہے۔ یعنی اس کا روحانی وجود۔ اس کے کئی درجات ہیں جن کو عام طور پر کبھی سات درجوں میں تقسیم کیا جاتا ہے کبھی چار میں کبھی تین میں اور کبھی صرف دو درجوں میں۔ ہر درجہ میں اسکی مناسبت سے لشکر متعین کیے گئے ہیں۔ وہ لشکر جو اس کی روحانی اور عقلی صلاحیتوں کے رہنما ہیں اور اس کو عالم بالا کی طرف کھینچتے ہیں اور اس کو نیکی اور سعادت کی ترغیب دیتے ہیں۔ اس کے مقابل دوسری قوتیں ہیں جو جہل اور شیطانی قوتوں کی نمائندہ ہیں سفلی جذبات کو بھڑکاتی ہیں اور شقاوت (اخلاقی رذائل) کی طرف کھینچتی ہیں۔ ہر وقت ان دونوں قوتوں میں کشمکش اور جنگ کی کیفیت رہتی ہے انسان کا وجود ان دو قوتوں کے لیے ایک میدان جنگ و جدال کی حیثیت رکھتا ہے۔ جب رحمانی قوتوں کا غلبہ ہوتا ہے تو انسان صاحب سعادت و رحمت سمجھا جاتا ہے، فرشتوں کا رتبہ پاتا ہے اور اولیاء اور بندگان صالحین کے زمرے میں شامل ہوتا ہے۔ اگر جہل اور شیطانی قوتوں کا غلبہ ہو تو انسان ایک ظالم اور شقی فرد کہلاتا ہے وہ کافروں اور شیطانوں کا ہم قبیلہ ہوتا اور خدا کے حضور سے دھتکارے ہوئے ملامت زدوں کے زمرے میں شامل ہو جاتا ہے یہاں چونکہ ان صفحات میں اس موضوع کا تفصیل سے بیان ممکن نہیں، اس لیے صرف چند مقاماتِ

روحانی کے ذکر سعادت اور شقاوت کے اسباب و عوامل کی طرف اشارہ کرنے پر اکتفا کرتے ہوئے جہاد نفس کی کیفیتوں اور اس کے درجوں پر روشنی ڈالی جائے گی۔

مقام اوّل :

اس باب کی چند فصلیں ہیں۔

فصل ۱ : اس کا کمترین درجہ انسان کے ظاہری اور دنیاوی وجود سے عبارت ہے جس میں انوار غیبی، طبعی یا جسمانی عنصروں سے مل کر انسان کے زمینی اور محسوس کرنے والے جسم کو تابندہ کرتے اور اس کی زندگی کو وسعت بخشتے ہیں۔

یہی بدنِ محسوس وہ جگہ ہے جہاں نیکی اور بدی کی فوجیں متعیّن ہیں اور جہاں ان دونوں کا ٹکراؤ ہوتا ہے جسم کے قوائے ظاہری لشکر کا کام انجام دیتے ہیں۔ قوائے ظاہری سات ملکات سے عبارت ہیں یعنی کان، آنکھ، زبان، پیٹ، شرم گاہ، ہاتھ اور پاؤں۔ یہ نفس ہی ہے جو ان بکھرے ہوئے قوا کی شیرازہ بندی کرتا ہے اور ان پر حکومت کرتا ہے۔ ساتوں قوائے ظاہرہ انسانی تخیل کے احکام کے تحت کام انجام دیتے ہیں اگر انسانی تخیل اپنے ساتوں ملکات کو خودغرضانہ مقاصد کے لیے یا شیطانی اغراض کے لیے استعمال کریں تو یہ ملکات قوائے شیطانی میں تبدیل ہوجاتے ہیں اور انسان کے وجود کی ریاست شیطانی قوّتوں کے قبضے میں آجاتی ہے جس کی وجہ سے رحمانی اور عقلی قوّتیں کمزور پڑجاتی ہیں۔ وہ شکست کھاکر ناچار انسان کے وجود سے کوچ کرجاتی ہیں اور وجودِ انسانی مکمل طور پر شیطانی ریاست میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ اگر انسانی تخیل عقل کے احکام کی پابندی کرے اور عقل کے ساتھ مذہبی عقیدہ وجودِ انسانی میں کارفرما رہے اور انسان کی حرکات و سکنات عقل اور عقیدے کے زیرِ اثر کام کریں تو وجود انسانی ایک عقلانی اور رحمانی مملکت میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ شیطان اور شیطانی قوّتیں اپنا سامان

باندھ کر رخصت ہونے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ اسی لیے جہادِ نفس خدا کی راہ میں جہاد کرنے اور شہید ہونے سے برتر جہاد ہے یہ مقام فطری صلاحیتوں پر قابو پانے اور انھیں خالق عالم کے حکم کا تابعدار بنانے سے عبارت ہے۔ یہ نام ہے قلب کی مملکت کو شیطانی طاقتوں سے پاک کرنے کا۔

پہلا قدم : تأمّل۔ غور و فکر

خدا کی جانب حرکت کرنا اور اپنے بارے میں غور و فکر کرنا مجاہدۂ نفسی کی پہلی منزل ہے بعض علمائے اخلاقیات نے اسی عمل کو پانچویں درجے میں رکھا ہے، یہ ترتیب بھی اپنی جگہ صحیح ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اپنے روز و شب میں سے کم از کم تھوڑا سا وقت اس عمل کے لیے مختص کر لیں اور دل میں سوچیں کہ ہم پر اپنے پیدا کرنے والے اور پالنے والے کی طرف سے کیا فرض عائد ہوتے ہیں۔ اس خدائے متعال کے لیے جس نے ہمیں پیدا کیا اور ہم کو ہر طرح کی دنیاوی نعمتوں اور راحتوں سے مالا مال کیا جو انسان کے لیے نفع بخش ہیں اور جن کی کارگزاریاں بڑے بڑوں کی عقل کو حیرت میں ڈال دیتی ہیں۔ باوجود اتنی ساری نعمتوں سے نوازنے کے اس نے ہماری ہدایت کے لیے پیغمبروں کو بھیجا، ہماری رہنمائی کے لیے کتابیں نازل کیں اور ہم کو اپنی طرف دعوت دی۔ ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ اس شہنشاہوں کے شہنشاہ کے لیے ہم کیا کر سکتے ہیں۔ کیا یہ سب چیزیں صرف اس مقصد کے لیے عطا کی گئی ہیں کہ ہم اپنے حیوانی وجود اور اس کی خواہشات ہی کی تشفی کریں جن میں ہمارے ساتھ دوسرے حیوانات بھی شریک ہیں؟ یا ہماری زندگی کا کوئی اور مقصد بھی ہے؟ کیا انبیائے کرام، اولیائے عظام اور حکمائے عالی مقام نے ہر قوم و ملک کے افراد کو عقل و شعور کے اصولوں پر چلنے کی دعوت نہیں دی؟ کیا انھوں

نے انسانوں کو ہوس پرستیوں سے دور رہنے اور اس دنیائے فانی سے پرہیز کرنے کا سبق نہیں سکھایا ؟ کیا سب لوگ انسان دشمن تھے اور ہیں ؟ یا ہم نفسانی خواہشوں کے ہاتھوں مجبور بھٹکتے ہوئے انسان اپنی نجات کا راستہ نہیں جانتے ؟

اگر ہم عقل سے کام لے کر سوچنے سمجھنے کی کوشش کریں تو سمجھ میں آئے گا کہ ان سب نعمتوں اور رحمتوں سے بھرپور اس بساط کا مقصد کچھ اور ہے۔ یہ حیوانی زندگی خود اپنا مقصود نہیں عقلمند انسان کو اپنے اوپر غور کرنا چاہیے اور اپنے حال پر رحم۔ اسے اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہنا چاہیے " اے ظالم نفس ! تو نے برس ہا برس ہوس پرستی میں گنوا دیے اور سوائے حسرت و یاس کے کچھ حاصل نہ ہو سکا۔ اب بھی اپنے آپ پر رحم کر۔ خدائے بزرگ و برتر کے سامنے اپنے گناہوں پر شرم کر اور اس کے دکھائے ہوئے راستے پر قدم اٹھا، وہ راستہ جس پر چل کر حیاتِ جاودانی اور سعادت دائمی ہاتھ آتی ہے اور اس ابدی سعادت کو جو بڑی زحمتوں کے بعد نصیب ہوتی ہے، چند روزہ نفسانی خوشیوں پر جن سے کچھ حاصل ہونے والا نہیں قربان مت کر، اے خود غرض نفس ایک لمحہ کے لیے رک کر سمجھنے کی کوشش تو کر۔ دنیا والوں کے حال پر غور کر گذشتگان سے لے کر زمانۂ حال تک کے لوگوں کی زندگی کا جائزہ لے، دیکھ اور حساب کر کہ ان کی خوشیوں کے مقابلے میں ان کے غم اور پریشانیاں کتنی زیادہ ہیں۔ اس دنیا میں ہر ایک کو خوشیاں اور آرام میسّر ہیں؟ وہ جو تجھے نفسانی خوشیوں کی طرف بلاتا ہے دراصل انسان کی صورت میں شیطان ہے۔ وہ جو تجھے مشورہ دیتا ہے کہ مادّی زندگی کی حفاظت کر۔ ذرا اپنے حال پر غور کر اور اس سے سوال و جواب کر۔ اپنا احتساب کر اور دیکھ کہ کیا تو اپنے حال پر راضی ہے۔ کہیں تیرا حال اس شخص کا سا تو نہیں ہے جو خود بلا میں گرفتار ہے اور دوسرے کو بھی گرفتار کر لینا چاہتا ہے۔ تجھے چاہیے کہ ہر حال میں اپنے خدا سے عجز و گریہ و زاری کے ساتھ دعا کر کہ وہ کام وہ فرائض جو تجھ پر اس کی طرف سے عائد کیے گئے ہیں تجھ سے پورے ہو سکیں۔ تیرے اور

اس کے درمیان امید کا رشتہ قائم ہے۔ یہ امید شیطان سے مقابلہ کرنے اور اپنے نفسِ امّارہ کو مارنے کے ارادے میں مضمر ہے۔ تیرے لیے دوسرا راستہ (روحانی ترقی کا) کھلا ہوا ہے۔ خدا تجھے اس کشمکش میں کامیاب کرے اور تو مجاہدہ کی اگلی منزل تک پہنچ سکے۔

عزم وارادہ :

نفس کے جہاد میں اگلی منزل جو غور و فکر کے بعد مردِ مجاہد کو طے کرنی ہوتی ہے وہ عزم وارادہ کی منزل ہے یہ اس ارادہ سے بالکل مختلف ہے جس کا ذکر شیخ الرئیس نے "اشارات" میں عرفان کے اوّلین درجات کے زُمرے میں کیا ہے، ہمارے بعض مشائخ (خدا ان کی عمر طویل کرے) نے بھی عزم و ارادہ کو انسانیت کا جوہر اور انسانی آزادی کو ناپنے کا پیمانہ قرار دیا ہے۔ انسان کے درجات کی بلندی و پستی دراصل اس کے ارادہ کے درجات کے فرق کا نام ہے۔ وہ عزم وارادہ جو اس مقام کے لئے لازمی ہے وہ گناہوں سے پرہیز کرنے اور تمام واجبات کو انجام دینے کے عہد کا نام ہے۔ یہ عبارت ہے اس سے کہ جو کچھ کوتاہیاں اس سے زندگی میں سرزد ہوئی ہیں ان کا کفارہ ادا کرے اور آخر کار انسان اپنے ظاہر کو عقل اور شرع کے سانچے میں ڈھال لے۔ کیونکہ عقل و شرع کا حکم ہے کہ انسان ان کے مطابق عمل کرے۔ یعنی زندگی میں اس کا عمل شرع کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق ہونا چاہیے اور اس کا ظاہر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے عادات و اطوار کی تقلید پر مبنی ہو۔ وہ اپنی زندگی کو رسولؐ کی زندگی کے سانچے میں ڈھالے گا اور اس کے تمام اعمال، واجبات کی پابندی اور مکروہات کو ترک کرنے سے عبارت ہوں گے۔ وہ ان بزرگوارؐ کی پیروی کرنے کی حتی المقدور کوشش کرے گا۔ یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے، اس لیے کہ ظاہر میں سرورِ کونینؐ کی تقلید کرنا بندۂ خدا کے امکان میں ہے۔

یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ معارف الٰہی کا کوئی راستہ اس وقت تک طے نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ انسان پہلے قدم کے طور پر شریعت کے ظاہر کی پابندی سے آغاز نہ کرے۔ کوئی فرد اپنی روحانی زندگی کی قدروں کو نہیں پا سکتا جب تک وہ شریعت کے قوانین کی نیک نیتی سے پابندی نہیں کرتا وہ اخلاق حسنہ کی بلندیوں کو حاصل نہیں کر سکتا، نہ ہی یہ ممکن ہے کہ معرفتِ الٰہی کا نور اس کے دل میں جلوہ افگن ہو اور علم باطن کے اسرار اس پر منکشف ہوں۔ جب اسپر حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے اور اس کے دل میں معرفتِ الٰہی کے انوار اترتے ہیں تب بھی وہ شریعت کے ظاہری آداب کا پابند رہتا ہے۔ اس لحاظ سے بعض مدعیان کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ ظاہری پابندیوں کو ترک کرنے سے باطنی علوم کے دروازے کھلتے ہیں یا یہ کہ باطنی علم سے مشرّف ہونے کے بعد ظاہری آداب کی پابندیوں کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ یہ ایک گمراہی ہے جو عبادت کی فضیلتوں اور انسانیت کے درجوں کا علم نہ ہونے کی وجہ سے رونما ہوتی ہے اس کا ذکر ان شاء اللہ آئندہ اوراق میں کیا جائے گا۔

جدّوجہد :

اے بھائی۔ ارادہ و عزم کو قائم رکھنے کی کوشش کر، خدانخواستہ اگر تو اس دنیا سے ایک بے عزم و ارادہ انسان کی حالت میں کوچ کرے تو تو ایک بے مغز بیوقوف سے زیادہ نہ ہوگا اور دوسری دنیا میں تو غیر انسانی شکل میں محشور ہوگا۔ وہ عالم باطن کے اسرار کا انکشاف کرنے والا ہے۔ گناہ کرنے کی جرأت آہستہ آہستہ انسان کے ارادے کو کمزور اور کھوکھلا بنا دیتی ہے اور اس سے انسانیت کے قیمتی جوہر کو چھین لیتی ہے۔ استاد محترم دام ظلہٗ فرمایا کرتے تھے کہ سب سے زیادہ جو چیز انسان کے ارادہ اور عزم کو کمزور کرتی ہے وہ موسیقی ہے اس لیے میرے بھائی گناہوں سے کنارہ کشی کر اور سب کو چھوڑ کر اللہ تعالےٰ کی طرف ہجرت کرنے

کا عزم کر۔ اپنے ظاہر کو انسانی سانچے میں ڈھال لے۔ اپنے آپ کو اللہ والوں کے زُمرے میں شامل کرے اور خداوند تبارک و تعالےٰ سے دعا مانگ کہ وہ تجھے اس مقصد میں کامیاب کرے رسول اکرمؐ اور ان کے اہلِ بیت علیہم السّلام تیری شفاعت کریں اور خدا تجھے اس کام کی توفیق عطا کرے اور تیری مدد کرے۔ خدا تجھے آئندہ زندگی کی لغزشوں سے محفوظ رکھے جو نہایت کبھیر ہیں۔ اس کا امکان ہے کہ کسی آن کوئی بھی بھول چوک تجھے ہلاکت کے گہرے غار میں اس طرح سے گرادے کہ پھر کوئی تدبیر کام نہ آسکے اور کوئی بھی تیری مدد کرنے کے لیے آگے نہ بڑھے۔ یہی نہیں بلکہ شافعین کی شفاعت بھی تجھے میسّر نہ ہو ایسے حال سے خدا کی پناہ نعوذ باللہ منھا۔

محاسبہ ومشارطہ :

اپنے نفس کے ساتھ لڑنے والے مجاہد کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے اعمال کے بارے میں سوچ بچار کرے اور ان کا جائزہ لے۔ یہ امور مشارطہ، مراقبہ اور محاسبہ کہلاتے ہیں۔ مشارطہ یہ ہے کہ دن شروع ہوتے ہی کوئی اپنے آپ سے اس چیز کا عہد کرے کہ آج کے دن وہ خدا کے حکم کی کوئی خلاف ورزی نہیں کرے گا اور وہ اسی شرط پر مضبوطی سے قائم رہنے کی کوشش کرے۔ ایک دن کے لیے اس ارادہ پر عمل کرنا بہت ہی آسان ہے اور انسان بآسانی اس عہد پر قائم رہ سکتا ہے۔ یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ شیطان اور اس کے چیلے تمہاری نظر میں اسی کام کو ایک بہت مشکل کام بناکر پیش کریں لیکن یہ سب اس ملعون کے جعل و فریب ہیں۔ اس پر سچے دل سے لعنت بھیجو اور ان باطل خیالوں کو اپنے دل سے نکال باہر کرو۔ ایک دن اس کا تجربہ کرکے دیکھو تو تمہیں خود معلوم ہوگا کہ یہ کام کتنا آسان ہے۔

مراقبہ : جب انسان اپنے آپ سے نیکی کا عہد (مشارطہ) کرلیتا ہے تو مراقبہ کا

مرحلہ اس کے سامنے آتا ہے۔ اس عمل کے دوران انسانِ مجاہد کو ہر وقت اپنے عمل کے بارے میں چوکنا رہنا چاہیے اور اسے فرض سمجھنا چاہیے کہ اپنے عہد پر کاربند رہے۔ اگر خدانخواستہ تمہارے دل میں کوئی گمراہ کن خیال آئے جس پر عمل کرنا خدا کے حکم کی خلاف ورزی کرنے کے برابر ہے تو یہ سمجھ لو کہ یہ شیطان اور اس کے ہمنوا ہیں جو تم کو اپنے عہد سے ہٹانا اور اس پر عمل کرنے سے باز رکھنا چاہتے ہیں۔ ان پر لعنت بھیجو، ان کے شر سے خدا کی پناہ مانگو اور اس غلط خیال کو اپنے دل سے نکال پھینکو۔ شیطان سے کہہ دو کہ آج کے دن تم نے اپنے آپ سے خدا کی نافرمانی نہ کرنے کا عہد کیا ہے۔ کہہ دو کہ خدائے تعالےٰ میرا ولی نعمت ہے۔ اس نے برس ہا برس مجھے اپنی نعمتوں سے نوازا ہے، اس نے مجھے صحت، سلامتی اور امن و سکون کی دولت عنایت کی ہے۔ اگر میں شکر گذاری میں قیامت تک بھی اس کی خدمت کروں تب بھی اس کی ایک مرحمت تک کا حق ادا نہ ہوگا۔ یہ مناسب نہیں کہ ایک چھوٹی سی شرط بھی اس کے ساتھ وفا نہ کروں۔ ان شاء اللہ شیطان دفع ہوگا اور رحمانی قوتیں غالب آئیں گی۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ یہ کام تمہارے روزمرہ کے کسی کام جیسے سفر، کسب معاش، تحصیل علم وغیرہ میں رخنہ انداز یا مخل نہ ہوگا۔ دن گذرنے تک اسی کیفیت کو برقرار رکھو۔ رات جو اپنے اعمال کا حساب کتاب (محاسبہ) کرنے کا بہترین وقت ہے، اس وقت اپنے نفس سے حساب لو اور دیکھو کہ تم اپنے اس عہد کے، جو تم نے اپنے خالق سے باندھا تھا کہاں تک پابند رہے ہو۔ کہیں تم نے کچھ خیانت تو نہیں کی؟ اگر تم اپنے وعدے کی پابندی کرنے میں پوری طرح کامیاب رہے ہو تو اس توفیقِ خیر کے لیے اس کا شکر ادا کرو اور سمجھو کہ تم نے اس راہ میں ایک قدم آگے بڑھایا ہے اور اس کی توجہ کا مرکز بنے ہو۔ ان شاء اللہ خدا امورِ دنیا و آخرت میں تمہاری رہنمائی کرے گا اور اس کے فضل سے آنے والے دن کی مشکلیں تم پر آسان ہوں گی۔ اگر تم کچھ دن تک اس طرح سے کرو گے تو امید ہے کہ یہی تمہاری عادتِ ثانیہ بن جائے گی اور یہ کام تمہارے لیے بہت

آسان ہو جائے گا۔ بلکہ تم کو خدا کے احکام کی پابندی کرنے اور گناہوں کو ترک کرنے میں لذّت بھی محسوس ہونے لگے گی ۔ یاد رکھو کہ ہر عمل کی جزاء اسی دنیا میں ملنا ضروری نہیں ہے۔ پھر بھی نیک کام سے جو خوشی حاصل ہوتی ہے وہ خود ایک طرح سے اس کی جزاء ہے۔ خدائے تبارک و تعالےٰ اپنے بندوں کو ایسی ذمّہ داریوں سے کبھی زیر بار نہیں کرتا جن کی تکمیل انسان کے بس میں نہ ہو۔ کبھی وہ ایسا بوجھ ان پر نہیں لادتا جسے اٹھانا ان کی طاقت سے باہر ہو۔ یہ شیطان اور اس کی امّت کا کام ہے جو تمہاری نظروں میں کسی کارِ نیک کو مشکل اور سخت بنا کر پیش کرتے ہیں اگر خدانخواستہ تم نے اپنے محاسبے کے موقعہ پر کبھی یہ محسوس کیا کہ اب تم میں ایک قسم کی سستی آچلی ہے اور فساد رخنہ انداز ہونے لگا ہے تو خدائے بزرگ و برتر سے اس کے لیے معافی مانگو اور پھر سے عہد کرو کہ کل سے تم اور زیادہ استقامت و مردانگی کے ساتھ مجاہدہ کرو گے یہاں تک کہ خدائے تعالےٰ توفیق اور سعادتوں کے دروازے تم پر کھول دے اور تم کو انسانیت کے صراطِ مستقیم پر چلائے۔

ذکر و فکر :

یہ فصل ان امور کے بارے میں ہے جو نفس اور شیطان سے مجاہدے میں انسان کی مدد کرتے ہیں۔ مجاہدہ کرنے والے سالکِ راہِ خدا کو چاہیے کہ ان پر خصوصی توجہ کرے، ان میں سے ایک ذکر (یا تذکّر) ہے۔ اس مقام کو میں اسی تذکرے پر ختم کرنا چاہتا ہوں۔ ابھی اس ضمن میں بہت سے مطالب قابلِ ذکر رہ گئے ہیں۔ اس جگہ ذکر سے مراد ہے خدائے تعالےٰ کو یاد رکھنا اور انسان پر اس کی گوناگوں نعمتوں کا تذکّر۔ یہ جان لو کہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ اپنے محسن کا احترام و اکرام کرے۔ اگر کوئی انسان اپنی کتابِ ذات کا مطالعہ کرے تو وہاں ضرور یہ لکھا ہوا پائے گا کہ انسان کو اپنے اوپر احسان کرنے والے

اور نعمتیں عطا کرنے والے کا شکر گذار ہونا چاہیے۔ اسے یہ بھی پتہ چلے گا کہ عطا کی ہوئی نعمتیں جسقدر بڑی ہوں گی اور نعمتوں سے نوازنے والے کا احسان جتنا ہی بے غرض ہوگا، اسی مناسبت سے اس کا لحاظ و احترام فطرت کی نظر میں بڑھتا جائے گا۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص تمہیں کسی مخصوص غرض کے پیش نظر ایک گھوڑا عطا کرتا ہے تو اس کے احسان کا مقابلہ اس دوسرے فرد سے کرو جو بغیر کسی غرض کے تمہیں ایک پورا گاؤں بخش دیتا ہے۔ دونوں کے لیے شکر گذاری کے جذبات میں بڑا فرق ہوگا۔ یا مثال کے طور پر اگر کوئی ڈاکٹر تمہیں اندھے پن کے عذاب سے بچاتا ہے تو اس کے لیے تمہارے دل میں فطری طور پر عزت اور احترام پیدا ہوگا لیکن اس سے کہیں زیادہ عزت اور احترام اس شخص کے لیے ہوگا جو تمہیں موت کے چنگل سے نجات دلائے۔ اب تم خود غور کرو کہ مالکوں کے مالک اللہ جل شانہٗ نے نظر آنے والی اور نظر نہ آنے والی اتنی نعمتیں تمہیں بخشی ہیں کہ اگر تمام انسان اور جن چاہیں بھی تو سب مل کر اس کا ایک شمہ بھی فراہم نہیں کر سکتے، پھر بھی ہم ان سے بے پروا ہیں۔ مثال کے طور پر اس ہوا کو ہی لے لو جس سے ہم رات دن مستفید ہوتے رہتے ہیں اور جس پر ہماری اور دوسری ساری مخلوقات کی زندگی کا دارومدار ہے ہوا اگر پندرہ منٹ کے لیے بھی نہ رہے تو کوئی انسان یا جانور زندہ نہیں رہ سکتا۔ یہ خود کتنی بڑی نعمت ہے۔ اگر دنیا کے تمام انسان اور جن مل کر بھی چاہیں تو اس سے مشابہ کوئی چیز بھی بنانے سے معذور ہیں۔ اسی طرح خدا کی دوسری نعمات کے بارے میں سوچو مثلاً ظاہری جسم کی صحت و سلامتی جس کے ظاہری حواس و وسائل آنکھیں کان، حس ذائقہ وغیرہ ہیں جس کی اندرونی صلاحیتوں میں فکر، تخیل، عقل وغیرہ شامل ہیں ان میں سے ہر ایک قوت بے پناہ فائدے رکھتی ہے اور یہ سب ہمارے مالک نے بغیر مانگے ہمیں عطا کی ہیں۔ صرف ان ہی پر اکتفا نہیں کی بلکہ ہماری ہدایت کے لیے انبیاء اور پیغمبر بھیجے، کتابیں نازل کیں اور ہمیں بھلائی اور برائی کی راہوں میں تمیز کرنا سکھایا جنت اور جہنم، سعادت اور ضلالت کی راہیں روشن کیں۔ وہ ہر چیز جس کے ہم محتاج تھے، دنیا

اور آخرت ہیں ہمارے لیے مہیا کی۔ حالانکہ وہ عبادت و اطاعت کا محتاج نہیں اور ہماری اطاعت گذاری یا نافرمانی اس کی ذات کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ یہ تو ہماری ہی اچھائی کے لیے ہے جو اس نے ہم کو اچھائیوں پر عمل پیرا رہنے اور برائیوں سے بچنے کا حکم دیا۔ ہم پر لازم ہے کہ ان نعمتوں اور دوسری بے شمار نعمتوں کا جن کا شمار بھی انسان کے بس میں نہیں شکر ادا کریں۔ ان کی جزئیات تک تو پہنچنے کا سوال ہی انسان کے لیے پیدا نہیں ہوتا۔ اب ہم یہ فیصلہ کریں کہ ایسے منعم کا احترام کرنا ہماری فطرت کا تقاضا ہے یا اس کے احکام کی حکم عدولی کرنا ہمارے لیے جائز ہے؟ ایسے ولیٔ نعمت کا جتنا بھی شکر کیا جائے کم ہے۔ یہ انسانی فطرت کا حکم ہے کہ ہر بزرگ و عظیم شخصیت کا احترام کیا جائے۔ لوگ دنیا کے ثروت مندوں، بادشاہوں اور بڑوں کے جو بھی احترامات بجا لاتے ہیں وہ سب اس لیے ہیں کہ انھیں بزرگ اور عظیم سمجھا جاتا ہے۔ ان لوگوں کی بڑائی کا مقابلہ شہنشاہوں کے شہنشاہ اس مالک الملوک کی عظمت اور بڑائی سے کیا جا سکتا ہے؟ وہ صانع و خالق جس کی مخلوقات میں ہماری یہ دنیا حقیر ترین دنیا ہے اور اس کی کائنات کا سب سے چھوٹا جزو ہے، پھر بھی کسی موجود کی عقل اب تک اس کا احاطہ پوری طرح نہیں کر سکی۔ وہ اس عالم کا خالق عظیم ہے جس کی لامتناہیت کو ناپنا تو کجا اس کا تصور بھی کرنا انسانی عقل کے امکان سے باہر ہے۔ صرف اسی ایک نظام شمسی کو جو ان گنت منظومات شمسی میں سب سے چھوٹا اور غیر اہم ہے اس کے حدود کی وسعت کا دنیا کے بڑے سے بڑے ماہرین فلکیات بھی اب تک اندازہ نہیں کر سکے۔ کیا یہ رب العظیم جس نے صرف ایک اشارے سے ان تمام عالمین اور دوسرے ہزاروں ہزار مخفی عالموں کو خلق کیا ہے۔ ہماری عقل کی رو سے اور اس کتاب قدرت کی زبان کے اعتبار سے لائق احترام و عبادت نہیں ہے؟ یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ اگر کوئی کسی کی غیبت کر رہا ہو اور اسی وقت وہ شخص خود وہاں آجائے تو غیبت کرنے والا خاموشی اختیار کر لیتا ہے اور اس کے احترام میں اس کی غیبت کرنے

سے احتراز کرتا ہے۔ ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ خدائے تبارک و تعالےٰ ہر جگہ موجود ہے۔ وجود کے تمام دائرے اس کی نظر میں ہیں اس کا حکم ان پر چلتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ ہر جاندار اس کی نظر میں ہے۔ ہر عمل اس کے علم میں ہے۔ اس لیے اے نفس! اپنے آپ کو ہمیشہ اس کے مقدس وجود کے سامنے حاضر و ناظر سمجھ۔

کتنا بڑا ظلم اور کتنی عظیم معصیت ہو گی اگر اس کی دی ہوئی نعمتوں کا اس کے حضور کفران کیا جائے۔ اگر تمہارے دل میں شرم و حیا کا شائبہ بھی موجود ہے تو کیا تمہیں شرم سے پانی پانی نہ ہو جانا چاہیے؟ پس اے عزیز دوست! خدا کی عظمت اور اس کی عطا کی ہوئی نعمتوں کو اور رحمتوں کو یاد رکھ اور اس کے احکام کی نافرمانی کرنا چھوڑ دے اور اس عظیم جنگ میں شیطان اور اس کے لشکر پر فتح یاب ہو۔ اپنے دل کی مملکت کو ایک رحمانی اور حقانی مملکت میں تبدیل کر دے جہاں شیطان کی فوج کے بجائے حق تعالےٰ کے لشکر کی افواج کا ڈیرہ رہے تاکہ خدائے تبارک و تعالےٰ تجھے توفیق عطا کرے اور وہ تجھے ان خطرات سے محفوظ رکھے جو اپنے نفس کے ساتھ جنگ میں تجھے پیش آئیں گے دعا کر کہ اس ہولناک ترین جنگ کے میدان میں وہ تیری یاری کرے۔ یہ آنے والا امتحان جہادِ نفس ہے جو انسان کے اندرون میں برپا ہوتا ہے۔ یہ مجاہدے کی دوسری منزل ہے۔ جس کی طرف ہم آئندہ اشارہ کریں گے۔ دوبارہ اس بات کا ذکر ضروری ہے کہ ہرگز ہرگز یہ امید نہ رکھو کہ خدائے تعالےٰ کے علاوہ کوئی دوسرا تمہارے کام آ سکتا ہے۔ خود حق تعالےٰ سے تضرع و زاری کے ساتھ درخواست کرو کہ وہ اس مجاہدے میں تمہاری اعانت کرے اور تم اس کی مدد سے ان شاء اللہ نفس پر غالب آؤ۔ واللہ ولی التوفیق۔

دوسرا مقام : اس میں بھی کئی فصلیں ہیں۔

یہ جان لو کہ انسان کے نفس کی ایک علٰحدہ مملکت ہے، یہ باطن کی دنیا ہے جو ملکوت کے ظہور ونفوذ کی دنیا ہے۔ اس دنیا میں نفس کی قوتیں دنیائے ظاہر کے مقابلے میں کہیں زیادہ طاقت کے ساتھ کارفرما رہتی ہیں لشکر رحمانی اور لشکرِ شیطانی میں اسی جگہ ٹکراؤ زیادہ سخت ہوتا ہے اور اس مقابلے کی اہمیت بھی زیادہ ہے۔ دنیائے ظاہر میں جو کچھ نظر آتا ہے وہ اس دنیا کے اثرات ہی کا نتیجہ ہے۔ رحمانی اور شیطانی قوتوں میں سے جو بھی قوت وہاں غالب رہتی ہے اس عالم میں بھی اسی کو غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ علماء مشائخ اور اہل سلوک بھی اسی مقام کے جہاد کو زیادہ اہمیت کا حامل گردانتے ہیں اور اس کو تمام سعادتوں اور شقاوتوں اور انسانی بلندیوں اور گراوٹوں کا سرچشمہ بھی سمجھتے ہیں۔ اس مقام پر انسان کو بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہوتی ہے ورنہ خدانخواستہ ایسا نہ ہو کہ لشکر رحمانی کی ہار کی وجہ سے یہ مملکت اس کو نااہل شیطانی لشکروں کے حوالے کرنی پڑے اور انسانِ مجاہد کو دائمی موت کا خطرہ لاحق ہو۔ یہ وہ خطر ہے جس کی تلافی بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ اس حال کو پہنچے ہوئے انسان کو شافعین کی شفاعت سے بھی فیض حاصل نہ ہوگا۔ ارحم الراحمین غضب کی نگاہ سے اسے دیکھتا ہے، بلکہ ہو سکتا ہے کہ شفاعت کرنے والے بھی اس کے مخالف ہو جائیں۔ قابل افسوس ہے اس انسان کی حالت جس کی شفاعت کرنے والا ہی اس سے خفا ہو جائے۔ خدا ہی جانتا ہے کہ وہ کیسی سزا ہوگی جو اپنے ساتھ ایسے عذاب ایسے نذیر ایسی سختیاں اور بدبختیاں لائے جو غضبِ خداوندی اور اولیائے خدا کی دشمنی کی پاداش ہیں۔ ان کے آگے جہنم کی تمام آگ تمام زقوم اور تمام سانپ اور بچھو ہیچ ہیں۔ خدا نہ کرے ہمارے سر وہ عذاب پڑے جس کی اہلِ ریاضت و سلوک خبر دیتے ہیں اور جو ان سب مصیبتوں اور عذابوں سے جن کو ہم اپنے تصور میں لا سکتے ہیں سخت تر ہوگا۔ جن جہنموں کے بارے میں تم نے اب تک سن رکھا ہے وہ سب اس عذاب اور اس جہنم کے آگے رحمت اور بہشت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ جہنم اور بہشت جن کا بیان ہم اکثر کتابِ خدا اور انبیاء اور اولیائے خدا کی روایتوں میں

پڑھتے ہیں وہ صرف اعمال کے جہنم اور بہشت ہیں یعنی اچھے اور برے اعمال کی جزا و سزا کے لیئے ہیں۔ ان ہی کتابوں میں بعض مخفی اشارے اخلاق کی بہشت اور جہنم کی طرف بھی ملتے ہیں یہ اعمال کہ بہشت و جہنم سے کہیں زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔ کبھی جنتِ لقاء اللہ اور جہنم فراقِ الٰہی کا ذکر ملتا ہے جو سب سے زیادہ اہم ہے۔ لیکن یہ سب در پردہ اشارے ان کے لیے ہیں جو انھیں سمجھنے کے اہل ہیں۔ ہمارے تمہارے ایسے معمولی انسان ان اشاروں کو سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے، لیکن بہتر یہ ہے کہ ہم ان کا انکار نہ کریں جو کچھ خداوند تعالٰے اور اس کے اولیاء نے کہا ہے اس پر ہمیں ایمان لانا چاہیے۔ شائد یہ ایمانِ اجمالی ہی ہمارے لیے سودمند ثابت ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کا بغیر سوچے سمجھے، بے محل و بے جا انکار ہمارے لیے بہت نقصان دہ ثابت ہو۔ اس دنیا میں رہتے ہوئے ہم ان نقصانوں کو سمجھ نہیں سکتے۔ اگر تم سنو کہ فلاں حکیم یا فلاں عارف یا فلاں مرتاض ایسا کہتا ہے تو تم اسکو صرف اس لیے رد نہ کرو اور باطل نہ ٹھیراؤ کہ وہ تمہارے ذوق سے مطابقت نہیں رکھتا یا تمہارے سوچنے کے معیار پہ پورا نہیں اترتا۔ ممکن ہے وہ چیز قرآن سنّت یا عقل پر مبنی ہو جس سے تم ناواقف رہے ہو۔ یہ بات اس طرح ہو گی کہ ایک فقیہ دیات کے بارے میں فتویٰ دے جس کے بارے میں تم کچھ نہیں جانتے اور تم بغیر اس کے منابع کو جانے اس کو ردّ کر دو۔ اگر کوئی خدا رسیدہ سالک یا معارفِ الٰہیہ کا عارف جنّت اور جہنم کے بارے میں کچھ کہے اور تم اصل مدارک کو پڑھے بغیر اس کی بات ردّ کر دو تو یہ رویہ بھی پہلی مثال کا سا ہو گا۔ کسی کی توہین کرنا یا کسی کے ساتھ جسارت کرنا بہت آسان کام ہے۔ کیونکہ اس کے لیے کسی علم کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ سوچو کہ وہ شخص اس وادی کا شہسوار ہے اور اسی میدان کا مرد ہے۔ عین ممکن ہے اس نے کتابِ خدا یا ائمہ اطہار علیہم السلام کی احادیث میں یہ بات دیکھی ہو جو کہہ رہا ہے اور تمہاری ان منابع تک رسائی نہ ہو۔ اس صورت میں تم بغیر کسی معقول عذر کے رسولؐ کو جھٹلانے کے گنہگار ہو گے۔

بعد میں تم نہ کہہ سکو گے کہ تمہارا علم محدود تھا یا یہ کہ تم نے اہلِ منبر سے اس بات کے خلاف کچھ سنا تھا۔ یہ عذر قابلِ سماعت نہیں۔

جو کچھ بھی اچھے اخلاق اور نیکیوں کی بہشت اور برے اخلاق و کردار کے جہنم کے بارے میں کہا گیا ہے وہ ایسی مصیبتوں کی تفصیل ہے جن کے سننے کی طاقت بھی ہم میں نہیں ہے۔ پس اے عزیز دوست! فکر کر کوئی تدبیر سوچ، نجات کا راستہ اور اس عذاب سے چھٹکارہ پانے کا کوئی وسیلہ ڈھونڈھ! خدائے ارحم الرّحمین سے پناہ کا طالب ہو۔ راتوں کی تاریکی میں تضرع وزاری کے ساتھ اس ذاتِ مقدّس سے منّت سماجت کر کہ وہ اس جہادِ نفس میں تمہاری مدد گار ہو تاکہ تمہیں فتح مندی حاصل ہو اور تمہارے دل کی سرزمین شیطانی لشکر سے پاک ہو جائے تاکہ یہ گھر اپنے حقیقی مالک کے تصرّف میں آسکے تاکہ خدائے تعالےٰ تمہیں اپنی رحمتوں، سعادتوں اور بہجتوں سے مالا مال کرے جنّت اور اس کے محلّات اور حوروں کی تم نے جو تعریفیں سنی ہیں، اس سعادت و بہجت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہیں۔ یہ خدا کی وہ لامتناہی سلطنت ہے جس کی خبر ملّتِ بیضاء کے منتخب اولیاء نے دی ہے۔ یہ سلطنت بالاتر ہے تمام اور چیزوں سے اس کے متعلق کسی انسانی کان نے نہ کچھ سنا ہے اور نہ کسی قلبِ بشر میں اس کا گذر ہوا ہے۔

قوائے باطنی :

خدائے تبارک و تعالےٰ نے اپنی حکمت اور قدرت سے عالمِ غیب اور باطنِ نفس میں ایسی قوّتیں خلق فرمائی ہیں جن کے فوائد بے شمار ہیں۔ یہاں پر ہم ان میں سے تین کے بارے میں بحث کریں گے۔ یہ قوّتیں ہیں قوت واہمہ (تخیّل) قوّت غضبیہ اور قوّتِ شہویہ۔ ان میں سے ہر ایک بے شمار فائدوں کی حامل ہے۔ یہ انسانی ذات اور نسل کے تحفّظ اور دنیا و آخرت کے بنانے میں مدد دیتی ہیں۔ علماء نے ان کا تفصیلی ذکر کیا ہے جس

کی تفصیل میں جانے کی گنجائش نہیں ہے۔ یہاں پر ہمارے لیے صرف اس بات کا ذکر کرنا لازم ہے کہ یہ تین قوا ہمارے تمام اچھے اور برے اطوار کا سرچشمہ ہیں اور اسی لحاظ سے ہماری تمام غیبی اور ملکوتی شکلوں کا منشار اور مبدار۔ اس تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح خداوند تعالےٰ نے انتہائی کمال، خوبی اور نرالی ترکیب سے انسان کو اس دنیا میں ایک شکل وصورت عطا کی ہے، اسی طرح ہر ایک کے لیے ایک مخصوص شکل وصورت عالم غیب و ملکوت میں بھی خلق کی ہے۔ دنیا کے تمام فلسفی اور عالم ظاہر انسانی پیکر کو سمجھنے میں حیران ہیں۔ اس کے معنے علم الابدان وتشریح الاعضاء (انا ٹومی اور فزیالوجی) کی مدد سے بھی اب تک حل نہیں ہو سکے۔ اسی حسن ترکیب اور خوش جمالی کی بنا پر خدائے برتر و عظیم نے انسان کو سب مخلوقات سے ممتاز فرمایا ہے۔ اسی طرح انسان کی دوسری صورت بھی بنائی جو اس کی نفسی صلاحیتوں اور باطنی عادتوں کی تابع ہے۔ حیات بعد ممات ہو یا عالم برزخ، ہر فرد اسی صورت کے ساتھ محشور ہوگا۔

اگر کسی شخص کی اندرونی صلاحیتیں قوا اور میلانات انسانی ہیں تو اس کی صورت اور شکل بھی انسان جیسی ہوگی۔ لیکن اگر کسی شخص کے ملکات اور میلانات انسانی نہیں بلکہ غیر انسانی ہیں تو اس کی ظاہری صورت بھی دوسری دنیا میں انسان جیسی نہیں ہوگی بلکہ اس کے مخفی قوا، ملکات اور میلانات کے مطابق غیر انسانی ہوگی۔ مثلاً اگر شہوت و بہیمیت کی قوتیں اس کے باطن پر غالب رہی ہیں اور اس کی مملکت باطن پر ان کا حکم چلتا رہا ہو تو دوسری دنیا میں اس کی شکل وصورت ان بہائم کی ایسی ہوگی جو اس کی حالت کے مناسب ہوں اور اگر غیظ و غضب کی قوت اس کی شخصیت پر حاوی ہو اور اس کی دنیائے باطن اسی قوت کے زیر نگین ہو تو اس شخص کی صورت غیبہ ملکوتیہ غضبناک درندوں میں سے ایک کی ایسی ہوگی۔ اگر کوئی شخص واہمہ اور شیطانی تخیل کو اپنا ملکہ بنائے تو اس کا باطن شیطانی قوتوں کی آماجگاہ ہوگا اور وہ دھوکے بازی، بے ایمانی بہتان اور غیبت ایسے رذائل کا مرتکب ہوگا، جو شیطان کی خصوصیات ہیں۔ ان کی وجہ سے

اس کی شکل وصورت اسی مناسبت سے کسی ایک شیطان کی جیسی ہوگی۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی انسان میں دو یا دو سے زیادہ ملکات کا غلبہ ہو۔ اس صورت میں اس کی صورتِ ملکوتیہ دوسری دنیا میں کسی بھی حیوان کی سی نہیں ہوگی بلکہ وہ ایسی عجیب وغریب شکل اختیار کرے گا جو اتنی دہشتناک اور دہشت خیز ہوگی کہ اس دنیا میں اس کا تصور بھی محال ہے پیغمبرؐ خدا سے منقول ہے کہ قیامت کے دن کچھ لوگ اس طرح سے محشور ہوں گے کہ ان کے مقابلے میں بندروں اور گوریلوں کی صورتیں بہتر ہوں گی۔ بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ اس عالم میں ایک انسان کے کئی چہرے ہوں۔ کیونکہ وہ عالم اس دنیا کی طرح نہیں ہے کہ ایک چیز کی صرف ایک ہی شکل ہو۔ یہ بات نہ خلافِ عقل ہے نہ خلافِ فطرت۔ بعدِ مرگ انسان کی شکل کا دارومدار اسی کیفیت پر ہے جو کسی انسان کی روح کے نکلتے وقت اور اس کے عالم بالا اور برزخ میں داخل ہوتے وقت ہوگی جب روح جسدِ انسانی سے جدا ہوگی تو جو ملکات وصفات اس روح کے دنیا میں ہوں گے وہی ملکات آخرت میں مخصوص صورت اختیار کریں گے۔ اسی صورت میں برزخ کی آنکھیں اسے دیکھیں گی۔ جب وہ خود اپنی آنکھیں کھول کر خود اپنے کو دیکھے گا تو اسی صورت میں پائے گا بشرطیکہ اس کو آنکھیں ملی ہوں۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ جس شکل وصورت میں اور جس حال میں یہاں تھا وہاں بھی اسی حال میں جائے۔ خدای تعالےٰ فرماتا ہے اس کے بعض بندے حشر کے دن خدا سے پوچھیں گے کہ کیوں تو نے مجھے اندھا محشور کیا جب کہ میں دنیا میں آنکھیں رکھتا تھا۔ جواب میں خدا تعالےٰ فرمائے گا:

"چونکہ تو نے میری آیتوں کو فراموش کیا تھا اسی لیے آج تجھے فراموش کیا گیا۔"

اے بے چارے انسان! تو ظاہر بین آنکھیں رکھتا تھا لیکن تیری باطنی اور تیری ملکوتی آنکھ اندھی تھی۔ تو ایسی باطنی چشم بصیرت سے محروم تھا۔ جو خدا کی نشانیوں کو دیکھ سکتی۔ اے بے چارے شخص تو سیدھی قامت اور خوش شکل تو ضرور رکھتا ہے (لیکن یہ نہیں جانتا) عالمِ ملکوت و باطن کا معیار اس سے مختلف ہے۔ تجھے استقامت باطنی حاصل کرنی چاہیے تھی

تاکہ روزِ قیامت سیدھا کھڑا ہو سکے۔ اپنی روح کو روحِ انسانی کی حالت میں باقی رکھ تاکہ تیری صورت برزخ اور آخرت کے عالم میں انسانی صورت رہے۔ کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ عالم غیب اور باطن جو ازلی کے افشار ہونے اور حقیقی ملکات کے ظاہر ہونے کا مقام ہے۔ اسی ظاہری دنیا جیسا ہے جہاں ہر شک و شبہ ملاوٹ اور نیاوٹ چل سکتی ہے؟ تیری آنکھیں کان، ہاتھ پیر اور تمام اعضاء اپنی ملکوتی زبانوں سے، بلکہ ان میں سے بعض اپنی ملکوتی شکلوں سے تیرے افعال کی گواہی دیں گے۔ اے دوست اپنے دل کے کانوں کو کھول لے اور کمر کو دامنِ ہمت سے کس کر باندھ لے اور اپنی بدبختی پر رحم کھا! شائد اس طرح تو اپنے آپ کو انسانی شکل میں باقی رکھ سکے اور اس دنیا سے ایک انسان کی شکل میں رخصت ہو سکے تاکہ اہلِ نجات اور اہلِ سعادت میں تیرا شمار ہو۔ اس بات کا یقین کر لے ایسا نہ ہو کہ تو، یہ گمان کرے کہ یہ محض نصیحتیں اور موعظات ہیں۔ نہیں۔ یہ نچوڑ ہے بڑے بڑے حکماء کے دلائل اور اصحاب ریاضت کے کشف کا، جن کا ذکر اخبارِ صادقین و معصومین میں ملتا ہے (لیکن) ان اوراق میں دلائل کی تفصیل میں جانے اور اخبار و احادیث صادقین کو نقل کرنے کی زیادہ گنجائش نہیں۔

جبلّی میلانات کی تعدیل

یہ سمجھنا چاہیے کہ اس کا بھی امکان ہے کہ واہمہ (تخیّل)، غضب اور شہوت کی قوتیں لشکرِ رحمانی سے متعلق ہوں اور انسان کی سعادت اور خوش بختی کا سبب بن سکتی ہوں، بشرطیکہ ان کو عقلِ سلیم اور انبیائے کرام کے دکھائے ہوئے راستے کا پابند بنایا جائے۔ (اس کے برخلاف) یہ بھی عین ممکن ہے کہ یہ شیطانی قوتیں بن جائیں اگر ان کو آزاد چھوڑ دیا جائے اور واہمہ (تخیّل) کو دوسری دو طاقتوں پر حکمرانی کرنے کا موقع دیا جائے۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے کہ انبیائے

کرام میں سے کسی نے بھی کبھی شہوت، غضب اور واہمہ (تخیّل) کو پوری طرح کچلنے کی تعلیم نہیں دی اور کبھی بھی کسی پیغمبر خدا نے یہ تقاضا نہیں کیا کہ شہوت کو بالکل مار دیا جائے یا غضب کے دھارے کو بالکل روک دیا جائے یا واہمہ (تخیّل) کی قوت سے بالکل کام نہ لیا جائے بلکہ انھوں نے ہمیشہ ان جبلّی قوتوں کو لگام دینے، عقل کے مطابق کام کرنے اور قوانین الٰہی کے تابع رکھنے پر زور دیا ہے اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک قوت دوسری قوتوں کو زیر کر کے اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے کوشاں رہتی ہے۔ مثال کے طور پر درندہ صفت اور خود سر قوتِ شہویہ جب بے لگام ہو کر اپنا مقصد پانے پر کمربستہ ہوتی ہے تو محصنات (محرمات) کے ساتھ خانۂ کعبہ میں بھی زنا کا ارتکاب کرنے سے دریغ نہیں کرتی۔ اسی طرح غضب میں مبتلا اندھا اور سرکش نفس اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے انبیاء اور اولیاء تک کے قتل سے باز نہیں رہ سکتا۔ یہی حال واہمہ کا ہے۔ جب نفس شیطانی تخیّلات کی آماجگاہ بن جائے تو حصولِ مقصد کے لیے اس بات کی بھی پرواہ نہیں کرتا کہ اس کے عمل سے سارے عالم کا نظام درہم برہم ہو جائے گا اور دنیا میں فساد پھیل جائے گا۔

انبیائے کرام دنیا میں اس لیے بھیجے گئے اور ان پر آسمانی کتابیں نازل کی گئیں کہ دنیا میں اس طرح کی بے راہ روی کی روک تھام ہو سکے اور نفسِ انسانی کی تربیت قانونِ عقل و شرع کے تحت کی جائے تاکہ انسان عقل کے معیار اور شرع کے اصولوں پر چلے۔ خوش نصیب ہے وہ انسان جو اپنے آپ کو قوانین الٰہی اور عقلِ سلیم کی شرائط کے سانچے میں ڈھال لے۔ اسے نجات حاصل ہوگی اور اللہ تعالیٰ اس کو روزِ قیامت کی تمام سختیوں سے، بدبختیوں سے اور ان ہیبت ناک کریہہ صورتوں سے پناہ میں رکھے گا جو اس کو برزخ میں، قبر میں، قیامت میں اور جہنّم میں اس کے اخلاق فاسدہ کی پاداش میں نصیب ہونے والی ہیں۔

قوّتِ تخیّل کی تہذیب

اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرنے والے مجاہد کو اس مقام پر اور آئندہ دوسرے مقامات پر شیطان اور اس کے ہمراہیوں کو زیر کرنے کے لیے سب سے پہلے اپنے تخیّل کی اڑانوں کو قابو میں رکھنا سیکھنا چاہیے۔ انسانی تخیّل ایک پرندے کی طرح ہے جو ہر آن اڑنے کے لیے پر تولتا رہتا ہے اور چاہتا ہے کہ جلد از جلد اس جگہ پہنچ جائے جہاں وہ جانا چاہتا ہے۔ یہ اڑان اس کے لیے بدبختیاں بھی لا سکتی ہے۔ تخیّل شیطان کا آلۂ کار بھی بن سکتا ہے اسی وسیلے سے وہ انسان کو لاچار بنا سکتا ہے اور اس کو بدبختیوں کے اندھیرے میں دھکیل سکتا ہے۔

ایک انسانِ مجاہد جس نے اپنی اصلاح کرنے اور اپنے باطن کو شیطانی طاقتوں سے پاک کرنے کا عزم کیا ہے، اس کو اپنے تخیّل کی باگ ڈور مضبوطی سے تھامے رہنے کی ضرورت ہے اس کو چاہیے کہ اپنے خیالوں کی پرواز کو اپنے قابو میں رکھے اور اس کو اپنی من مانی کرنے کی اجازت نہ دے۔ جب بھی اس کے دل میں فاسد اور گناہ آلودہ خیالات سر اٹھائیں اس کو چاہیے کہ فوراً اپنے خیالات کا رخ اچھی سمت میں موڑ دے اور اچھی چیزوں کا تصوّر کرے۔ شروع شروع میں یہ کام ذرا مشکل معلوم ہوگا اس لیے کہ شیطان اور اس کے ساتھی ان چیزوں کو اس کی نظروں میں مشکل بنا کر پیش کریں گے۔ تھوڑی سی توجہ دینے سے یہ کام آسان ہو سکتا ہے۔ تجربہ کر کے دیکھو ممکن ہے کہ تھوڑی سی توجہ اور کوشش سے تمہارا تخیّل اِدھر اُدھر بھٹکنے کی عادت چھوڑ دے جب بھی یہ دیکھو کہ تمہارے خیالات پست اور چھوٹی چیزوں کی طرف جھک رہے ہیں، اپنی توجہ ان کی طرف سے ہٹا لو اور دوسری پاک اور اچھی چیزوں کی طرف متوجہ ہو۔ اگر تمہیں اپنی کوششوں میں کامیابی نصیب ہو تو اس نیک توفیق کے لیے اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کرو اور اپنی کوشش

جاری رکھو۔ اللہ چاہے تو تم پر رحمتوں کے دروازے کھل جائیں گے اور توفیقِ غائبانہ تمہیں انسانیت کے صراطِ مستقیم پر چلنے کی ہدایت کرے گی اور اللہ کے راستے پر چلنا تمہارے لیے آسان ہو جائے گا۔ انشاءاللہ اس راہ کی مشکلیں سہل ہو جائیں گی۔ یہ دھیان رکھو کہ شیطان فاسد خیالات اور باطل تصوّرات تمہارے دماغ میں پیدا کرتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس کے لشکر تمہارے باطن کی مملکت میں اچھی طرح قدم جما لیں۔ تم جو شیطان اور اس کی فوجوں سے جہاد کرنے چلے ہو اور اپنے دل کی مملکت کو رحمانی سلطنت بنانا چاہتے ہو، تم کو اس ملعون کی چال بازیوں سے ہوشیار رہنا چاہیے۔ اور وہ خیالات جو خدا کی مرضی کے خلاف ہیں انھیں اپنے آپ سے دور بھگانا چاہیے تاکہ انشاءاللہ تعالےٰ اس اندرونی جنگ میں یہ اہم چوکی شیطان اور اس کے ساتھیوں کے قبضے سے آزاد ہو جائے۔ یہ چوکی ایک سرحدی چوکی کا درجہ رکھتی ہے۔ اگر تم یہاں کامیاب رہے تو آئندہ کامیابیوں کی امید بھی رکھ سکتے ہو۔

اے عزیز دوست! ہر لمحہ خدائے تبارک و تعالےٰ سے مدد مانگو اور بصد عجز و نیاز اپنی حاجت طلب کرو۔ یوں کہو: اے خدا! شیطان ایک بہت بڑا دشمن ہے، جو تیرے انبیاء اور اولیاء کو بھی بھٹکانے کی طمع رکھتا تھا اور رکھتا ہے۔ اے خدا! تو اپنے اس کمزور بندے کی جو باطل اوہام اور پست خیالات کے جال میں گرفتار ہے، اعانت کر تاکہ وہ اس قوی دشمن سے عہدہ برآ ہو سکے۔ خدایا! تو اس میدان جنگ میں ایسے مہیب دشمن سے جو میری سعادت اور انسانیت کے لیے خطرہ ہے محفوظ رکھ! تو میرا ساتھ دے تاکہ شیطانی لشکر کو تیری اس خاص مملکت سے نکال باہر کروں! توفیق عطا فرما کہ وہ گھر جو تیرے لیے مخصوص ہے، اس تک اس غاصب کے ہاتھ نہ پہنچ سکیں۔

موازنہ (یا احتساب)

موازنہ ان چیزوں میں سے ہے جو راہِ سلوک میں

انسان کی مدد کرتا ہے اس کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے۔ ایک باعقل انسان کو چاہیے کہ شہوت وغضب اور واہمہ سے پیدا ہونے والی فاسد برائیوں کے نفع اور نقصان پر نظر رکھے، شیطان کی تابع ان برائیوں کے نفع اور نقصانات کا اچھی طرح حساب کرے اور ان کا موازنہ و مقابلہ اخلاقی خوبیوں اور فضائل سے کرے جو عقل اور شرع کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے سے حاصل ہوتی ہیں۔ ان دونوں طرح کے افعال کے بارے میں غور وخوض کرنے کے بعد اس کو یہ فیصلہ کرنا چاہیے کہ کونسا عمل بہتر ہے۔ مثال کے طور پر شہوت جو ایک بے لگام قوت ہے جو انسان پر غلبہ حاصل کرکے بہت ساری خرابیوں کو راہ دیتی ہے اور اس کے نتیجے کے طور پر دوسری بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور ایک طویل مدت کے اندر اس میں فسق وفجور کا رجحان مضبوط سے مضبوط تر ہو جاتا ہے، اس کے بعد انسان کسی بھی گناہ کا ارتکاب کرنے سے پیچھے نہیں ہٹتا اور کسی بھی طریقے سے ہر قیمت پر اپنی شہوانی خواہشوں کی تسلی چاہتا ہے، خواہ اس کے نتائج کتنے ہی برے کیوں نہ ہوں اگر قوت غضب کو نفس کے معاملات میں کھلی چھوٹ دے دی جائے تو اس سے بھی دوسری بہت ساری برائیاں پیدا ہوتی ہیں مثلاً یہی کہ جو بھی کوئی دوسرا آدمی اس کے ہاتھ پڑ جائے وہ اس پر ظلم اور ستم کرنے سے دریغ نہیں کرتا۔ جو لوگ اس کی مرضی کے خلاف ذرا سی مزاحمت کرتے ہیں انہیں زیر کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ذرا سی سختی پر بے آرامی اور شور وغل کرتا ہے اور ہر ممکن طریقے سے نقصان رساں اور ناملائم چیزوں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ ان ساری مخالفتوں کو جو اس کے مقاصد کی تکمیل میں مانع ہو سکتی ہیں، پوری طرح سے ان کو کچلنے کی کوشش کرتا ہے، چاہے اس کے نتیجے میں کتنا ہی بڑا فساد برپا ہو۔ یہی حال اس شخص کا ہوتا ہے شیطانی قوتِ واہمہ جس کی روح میں اپنا اثر قائم کر چکی ہوتی ہے۔ وہ کسی بھی شیطانی طریقے سے اپنے شہوت اور غضب کے میلانات کی تشفی کرنا چاہتا ہے اور ناجائز طریقے سے بندگانِ خدا پر تسلط جمانا چاہتا ہے، خواہ اس مقصد کے

حصول کے لیے ایک خاندان کو تباہ کرنا پڑے یا ایک شہر یا ملک کو اجاڑنا پڑے وہ کسی بات سے دریغ نہیں کرتا۔

یہ ان تینوں قوا کی کارگزاریوں کے نتائج ہیں جب کہ وہ شیطان کے زیر اثر ہوتے ہیں۔ اگر ہم صحیح انداز سے سوچیں اور اس طرح کے لوگوں کے حال پر غور کریں تو ہم یہ جان سکتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک اپنی تمام آرزوں اور تمناؤں کی تکمیل کے باوجود قانع نہیں ہوتا۔ دوسری ہزاروں خواہشیں اس کے دل میں سر اٹھاتی ہیں۔

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے میرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

تمام آرزوں اور خواہشوں کا پورا ہونا اس دنیا میں ممکن نہیں۔ یہ عالم ایک "دارِ مزاحمت" ہے۔ اس کے عوامل ہمارے ارادوں کے خلاف کام کرتے ہیں اور ہماری خواہشوں کی تشفی میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں۔ پھر ہماری خواہشیں اور آرزوئیں بھی لامحدود ہیں۔ مثلاً انسان کی قوتِ شہوانیہ اس طرح کام کرتی ہے کہ اگر اس کو ایک شہر کی عورتیں مل جائیں تو وہ دوسرے شہر کی عورتوں کی طرف مائل ہوتا ہے اور اگر ایک مملکت اس کے ہاتھ آجائے تو اس کو دوسری مملکت کی فکر لاحق ہوتی ہے۔ انسان ہمیشہ اس چیز کے پیچھے دوڑتا ہے جو اس کی دسترس میں نہیں ہوتی۔ حالانکہ یہ بات کہی گئی ہے کہ تمام خواہشوں کی تشفی محال اور خیالِ خام ہے۔ اس کے باوجود شہوت اور خواہش کا یہ تنور ہمیشہ دھکتا ہی رہتا ہے اور اس کی تپش نہ صرف کم نہیں ہوتی بلکہ ہر وقت بڑھتی ہی جاتی ہے اور انسان کبھی اپنی آرزو کو نہیں پہنچتا۔ قوتِ غضب بھی اسی طرح سے انسان کی فطرت میں خلق کی گئی ہے کہ اگر وہ ایک حکومت کا مالکِ مطلق بنا دیا جائے تو دوسری ایسی سلطنت کی طرف متوجہ ہوگا جو اس کو نہیں مل سکی اور جو کچھ وہاں سے مل سکے حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ جو کچھ بھی ہاتھ آئے وہ اس کی طلب کو

دن بدن بڑھاتا اور اکساتا ہی ہے، کم نہیں کرتا۔ اگر کسی شخص کو اس بات میں شک ہو تو وہ خود اپنے حال پر غور کرے اور ساتھ ہی اہل دنیا کے حالات کا جائزہ لے۔ غریب، امیر، طاقتور اور باحشمت ہر طرح کے لوگوں کی زندگیوں کو دیکھئے تو یقیناً اسے میرے خیال سے اتفاق کرنا پڑے گا۔ یہ بات بالکل صاف ہے کہ آدمی ہمیشہ اس چیز کی چاہت میں گرفتار رہتا ہے جو اس کی نہیں ہوتی اور اسے نہیں ملتی۔ یہ انسانی فطرت ہے جس کو اسلام کے مشائخ اور بڑے حکماء و فلاسفہ نے سمجھا اس ضمن میں خصوصیت سے ہمارے استاد اور معارف الٰہیہ کے خزانہ دار، عارفِ کامل آقائی مرزا محمد علی شاہ آبادی کے خیالات قابل ذکر ہیں، لیکن یہاں ان کی شرح کا موقع نہیں۔

بہرحال! اگر بفرضِ محال انسان اپنے تمام مقاصد پا بھی لے تو کیا اسے ان سے لطف اندوز ہونے کا موقع مل سکتا ہے؟ اس کی جوانی اور اس کی قوتیں کتنے دن کے لیے ہیں؟ جب زندگی کی بہار خزاں کے دن دیکھتی ہے تو اس کے دل میں زندگی کی امنگ اور اس کے بدن میں طاقت باقی نہیں رہ جاتی۔ نشاط انگیز چیزیں اپنی لذت کھو بیٹھتی ہیں۔ اس کی بصارت، سماعت، حسِ لمس اور دوسری صلاحیتیں ناکارہ ہو جاتی ہیں۔ مختلف امراض اس کو چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں۔ اس کا نظامِ ہاضمہ اور نظامِ تنفس وغیرہ ٹھیک سے اپنے کام انجام نہیں دے سکتے۔ سوائے آہِ سرد اور دردِ حسرت سے بھرے دل کے اس کے پاس کچھ باقی نہیں رہتا۔ انسان کو تمام جسمانی قوتوں سے کام لینے کی مہلت زیادہ نہیں ملتی! سن تمیز سے لے کر جب اس کو اچھے برے کی سوجھ بوجھ عطا ہوتی ہے، ان قوتوں کے تنزل تک طاقتور سے طاقتور انسان بھی تیس چالیس سال سے زیادہ ان سے حظ نہیں اٹھا سکتا۔ وہ بھی اس صورت میں کہ اس کو ان امراض اور بیماریوں سے سابقہ نہ پڑے جن کو ہم لوگ روز دیکھتے رہتے ہیں اور جلد ہی فراموش کر دیتے ہیں۔ اگر ہم یہ فرض کر بھی لیں کہ کوئی انسان ڈیڑھ سو

سال تک جیتا ہے اور ان تینوں قوتوں یعنی شہویہ، غضبیہ اور وہمیہ کو بغیر کسی تکلیف اور بغیر کسی رکاوٹ کا سامنا کیے کام میں لاتا ہے۔ تب بھی اس مہلت مختصرہ کے بعد جو ہوا کے جھونکے کی طرح گزر جائے گی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ملا؟ ان گریزاں لذتوں کو حاصل کر کے تم نے اس جاوداں زندگی کا سودا کیا تو کیا حاصل ہوا؟ تمہارے پاس کیا اثاثہ محفوظ ہے جو اس لاچارگی اور بے چارگی کے دن تمہارے کام آئے؟ کیا تم بالکل تنہا نہیں رہ گئے؟ کونسی چیز ہے جو برزخ میں قیامت میں تمہارے کام آئے گی؟ تم ملائکہ اولیائے خدا اور اس کے انبیاءؑ کے سامنے کیا پیش کر سکو گے؟ بے شک تم نے چند "اعمال قبیحہ" ممنوعات اپنے دامن میں جمع کیے ہیں جو برزخ اور قیامت کے وقت ایسی شکلوں میں نظر آئیں گے جسے خدا کے سوا کوئی اور نہیں جانتا ہے کہ کیا ہوں گی تم نے اپنے ساتھ بھی کوئی نیکی نہیں کی۔ تم نے آتش دوزخ' عذاب قبر اور قیامت وغیرہ کے بارے میں جو کچھ بھی سنا اسے آتشِ دنیا کے معیاروں سے سمجھنے کی کوشش کی۔ سمجھ لو کہ تم غلطی پر ہو اور غلط قیاس آرائی کر رہے ہو۔ اِس دنیا کی آگ اُس دنیا کی آگ کے مقابلے میں بہت ہی ہلکی اور دھیمی ہے۔ اس دنیا کی سختیاں اور مصیبتیں اُس دنیا کے عذابوں کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ تمہاری سمجھ بوجھ عالم آخرت کے بارے میں بہت ہی ناقص اور ناتمام ہے۔ یہ سمجھ لو کہ اگر اس دنیا کی تمام آگ ایک جگہ جمع کی جائے تب بھی وہ ایک انسانی روح کو جلانے میں ناکام رہے گی اور وہ آگ نہ صرف انسانی جسم کو جلا کر خاک کر دے گی بلکہ روح اور دل کو بھی بھسم کر دے گی۔ تم نے اب تک جس جہنم کے بارے میں سن رکھا ہے وہ تمہارے اپنے اعمال کا جہنم ہے جو تمہیں حقیقت بن کر وہاں نظر آئے گا۔ خدائے تبارک و تعالےٰ فرماتا ہے:

فَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا۔ (سورہ کہف۔ آیت ۴۹)

(انھوں نے اپنے اعمال کو وہاں حاضر پایا)

تم نے اس دنیا میں جو کچھ بھی کیا ہے تمہیں اس کی سزا وہاں بھگتنی ہے۔ اگر تم نے یتیم کا

مال ہڑپ کیا ہے اور مزے اٹھائے تو خدا ہی بہتر جانتا ہے اس صورت کے بارے میں جو تمہیں اس عالم میں اس جہنم میں نصیب ہوگی۔ وہ لذتیں جن کے مزے تم نے یہاں لوٹے، کیا حقیقت رکھتی ہیں؟ یہاں تم نے اپنے سخت و سست الفاظ سے بندگانِ خدا کے دل دکھائے، خدا ہی جانتا ہے کہ وہ اس کی کیا سزا دے گا۔ کیا تم وہیں جاکر دیکھنا چاہتے ہو کہ تم نے اپنے لیے کیسے عذاب کا انتظام کر رکھا ہے؟ جب تم کسی کی غیبت کرتے ہو تو ملکوتی شکل جو تمہیں عطا کی گئی تھی، تم سے واپس لی جاتی ہے اور اس کے بجائے تم کو نئی صورت سے دردناک عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

یہ اس جہنم کی بات ہے جو برے اعمال کا دوزخ ہے۔ یہ نسبتاً سرد، آسان ملائم اور گوارا ہوگا۔ یہ ان گنہگاروں کو نصیب ہوگا جو ملکات فاسدہ اور رذیلہ جیسے طمع، حرص، ذخیرہ اندوزی اور جھگڑالوپن کے شکار اور دنیوی چیزوں کی محبت میں گرفتار اور دوسری اخلاقی پستیوں کا شکار تھے۔ خود اس دوزخ کا بھی تصور نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں عذاب کی صورتیں ایسی ہوں گی جنہیں ہمارا اور تمہارا ذہن تصور بھی نہیں کر سکتا۔ حالانکہ یہ خود نفسی کی گہرائی سے ظاہر ہوں گے۔ اہل جہنم ان کے عذاب سے گریزاں ہوں گے اور وحشت کریں گے۔ بعض روایات موثقہ میں ہے کہ جہنم میں ایک وادی جو متکبروں کے لیے محفوظ رکھی گئی ہے اس کا نام "سقر" ہے کہا جاتا ہے کہ ایک بار "سقر" نے خدائے تعالیٰ سے گرمی کی شدت اور حرارت کی شکایت کی اور خدا سے تھوڑی سی مہلت مانگی تاکہ وہ سانس لے سکے۔ جب اسے امان ملی اور اس نے سانس لی تو اس کے اثر سے جہنم بھی تپ اٹھا۔

بعض ملکات اپنے برے نتائج سے انسان کو جہنم میں داخلے کا مستحق بناتے ہیں۔ کیونکہ وہ انسان سے اس کا ایمان چھین لیتے ہیں مثلاً حسد جس کے لیے روایات صحیحہ میں آیا ہے کہ ایمان کو حسد اس طرح سے ختم کر دیتا ہے جیسے ایندھن کو آگ کھا جاتی ہے۔ روایاتِ صحیحہ

کے مطابق دنیا، اقتدار اور دولت کی ہوس کی مثال ایمان کے لیے ایسی ہے جیسے دو بھیڑیوں کو ایسے گلّے میں چھوڑ دیا جائے جس کا کوئی رکھوالا نہ ہو۔ ایک ان بھیڑوں پر سامنے سے حملہ آور ہو اور دوسرا پیچھے سے تو جلد انھیں ہلاک نہیں کرتے اور بہت جلد سب بھیڑوں کا خاتمہ کر دے۔ دنیاوی چیزوں کی لالچ اور محبت انسان کا ایمان سلب کر لیتی ہے اور اس کی یہ برائیاں خدانہ کرے اس کو برے اخلاق اور گنہگاریوں کے ایسے راستے پر لے جائیں کہ اس کا ایمان ختم ہو جائے اور وہ ایک کافر کی موت مرے اور اسے کافروں اور باطل عقائد کے جہنّم میں ڈالا جائے۔ یہ جان لو کہ عقائد باطلہ کا جہنّم دوسرے جہنّموں سے زیادہ سخت زیادہ گرم اور زیادہ تاریک ہے۔

اے دوست! یہ بات سائنس کے ذریعے بھی ثابت ہو چکی ہے کہ شدّت کے درجے لامتناہی ہیں۔ جتنا تم تصوّر کر سکتے ہو اور جس قدر دوسروں کا تصوّر پہنچ سکتا ہے۔ جہنّم کے عذاب کی شدّت ان سب تصوّرات سے بڑھ کر ہوگی۔ کیا تم نے حکماء کے دعوں کے بارے میں نہیں سنا؟ کیا اہلِ ریاضت پر جو چیزیں منکشف ہوئی ہیں ان پر تم یقین نہیں رکھتے؟ خدا کے فضل سے تم ایک مومن ہو اور انبیائے صلوات اللہ علیہم پر یقین رکھتے ہو۔ تم ان تمام حدیثوں اور اخبارِ معتبرہ کو جن پر امامیہ فرقے کے تمام علماء ایمان رکھتے ہیں صحیح جانتے ہو اور ائمہ علیہم السّلام کی مناجات اور دعائے ابو حمزہ ثمالی کو پڑھ چکے ہو۔ ذرا ان کے مضامین پر غور کرو اور ان کے جملوں کا مطلب سمجھنے کی کوشش کرو۔ کسی طویل دعا کو تیزی سے اس کے معانی پر غور کیے بغیر ایک دفعہ میں پڑھنا ضروری نہیں۔ میرے اور تمہارے ایسے لوگوں کو امام سجاد علیہ السّلام جیسی خصوصیات عطا نہیں کی گئی ہیں کہ اتنی طویل دعاؤں کو ایک بار میں پڑھ لیں۔ ہر رات ایک تہائی یا ایک چوتھائی دعا اس کے معنوں پر غور کرتے ہوئے پڑھ لیا کرو۔ اس کو پڑھتے ہوئے ممکن ہے کہ تم پر ایک کیفیت طاری ہو

جائے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ ضروری ہے کہ قرآن کی آیتوں پر غور کرو اور دیکھو کہ اہل جہنم کے لیے کس طرح کا عذاب مخصوص کیا گیا ہے۔ وہ لوگ خدا سے موت کی دعائیں مانگتے ہیں لیکن افسوس کہ موت بھی ان کے دکھ کا مداوا نہیں کرتی۔ دیکھو خدائے تعالیٰ کیا فرماتا ہے:

یٰاحَسْرَتٰی علی ما فَرَّطْتُ فِی جَنْبِ اللّٰہِ وَاِنْ کُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِیْنَ - (الزُمر آیت ۵۶)

حسرت ہے میرے حال پر کہ میں خدا سے بے خبر تھا اور میں بے شک مذاق اڑانے والوں میں تھا۔

یہ کس قماش کی حسرت اور افسوس ہوگا جس کا ذکر اللہ تعالےٰ اس طرح سے کر رہا ہے اس طرح کی آیتوں پر غور و تأمل کیے بغیر تیزی سے مت گزر جاؤ:

یَوْمَ تَرَوْنَھَا تَذْھَلُ کُلُّ مُرْضِعَۃٍ عَمَّا اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ کُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَھَا وَتَرَی النَّاسَ سُکٰرٰی وَمَا ھُمْ بِسُکٰرٰی وَلٰکِنَّ عَذَابَ اللّٰہِ شَدِیْدٌ (س-حج آیت ۲)

ترجمہ: اس روز تم دیکھو گے ہر عورت جو دودھ پلا رہی تھی، اس نے اپنے بچے کو پریشانی میں چھوڑ دیا اور ہر حاملہ عورت نے اپنا بوجھ ہلکا کر دیا (یعنی حمل گرا دیا)، اور تم دیکھو گے مردوں کو نشے کے عالم میں کبھی انھیں نشہ نہ ہوگا کیونکہ اللہ کا عذاب شدید ہوگا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کا نقشہ کھینچ رہا ہے، اے دوستو! ذرا تو خیال کرو کہ قرآن کریم نعوذ باللہ کوئی قصہ کہانی کی کتاب نہیں ہے اور تم سے مذاق تو نہیں کر رہا ہے۔ دیکھو تو قرآن کیا کہتا ہے۔ یہ ایسا عذاب ہوگا کہ لوگ اپنے عزیزوں کو بھول جائیں گے۔ اور حاملہ عورتوں پر سے ان کا بوجھ اتار دیا جائیگا۔ وہ کس طرح کا عذاب ہوگا، اسے خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ ہم جیسے انسانوں کی عقل، اس کے تصور سے قاصر ہے۔ اگر آئمہ اہل بیت اطہار علیہم السلام کی احادیث

اور ان کی کتابوں کو پڑھا جائے اور ان پر غور و فکر کیا جائے تو بات سمجھ میں آئے گی کہ اُس دنیا کا عذاب کا منظر اس دنیا کے عذابوں سے بالکل مختلف ہوگا۔ اُس عالم کے عذابوں کا اپنی موجودہ دنیا کے کوائف سے قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

ابن بابویہ شیخ صدوق سے منقول حدیث

میں یہاں پر شیخ صدوق کی روایت کی ہوئی ایک حدیث نقل کرتا ہوں تاکہ اس بات کا اندازہ ہو کہ یہ معصیت کس قدر سخت ہوگی۔ یہ حدیث انسانی اعمال کے جہنم سے متعلق ہے جو سب سے زیادہ سرد ہے۔ میں یہاں اس بات کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ شیخ صدوق وہ ہستی ہیں کہ تمام بڑے علماء ان کے سامنے اپنے چھوٹے ہونے کا اعتراف کرتے ہیں۔ ان کی پیدائش امام علیہ السلام کی دعا سے ہوئی تھی اور انھیں امام زمان عجل اللہ فرجہ بھی بہت عزیز رکھتے تھے امامیہ فرقے کے بہت سے علماء مختلف واسطوں سے شیخ صدوق سے احادیث نقل کرتے ہیں۔ ہمارے اور شیخ علیہ الرحمتہ کے درمیان جتنے بزرگ راوی ہیں سب ثقات میں شمار ہوتے ہیں۔ یہاں ان کی سند سے ایک حدیث نقل کی جاتی ہے۔ جو بھی اہل ایمان میں سے ہوگا ضرور اس حدیث پر عقیدہ رکھے گا۔

روی الصدوق باسنادہ عن مولینا الصادق علیہ السلام، قال بینا رسول اللہ (ص) ذات یوم،

قاعداً اذ أتاہ جبرئیل، وھو کئیب، حزین، متغیر اللون،

فقال رسول اللہ یا جبرئیل - مالی اراک کئیباً حزیناً؟ فقال

یا محمد وکیف لا اکون کذلک وانما وضعت منا فیخ

جهنم اليوم، فقال رسول الله وما منافيخ جهنم يا جبرئيل؟
فقال ان الله تعالى امر بالنار فأوقد عليها الف عام - حتى احمرت،
ثم امر بها فأوقد عليها الف عام حتى ابيضت، ثم امر بها
فأوقد عليها الف عام حتى اسودت وهي سوداء مظلمة فلو أن
حلقة من السلسلة التي طولها سبعون ذراعا وضعت على الدنيا
لذابت الدنيا من حرها ولو ان قطرة من الزقوم والضريع
قطرت في شراب اهل الدنيا لماتوا من نتنها، قال
فبكى رسول الله (ص) وبكى جبرئيل فبعث الله اليهما
ملكا فقال ان ربكما يقرأ كما السلام
ويقول انى قد آمنتكما من ان تذنبا
ذنبا اعذبكما عليه -

ترجمہ: شیخ صدوق حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت نے فرمایا کہ ایک روز رسول اکرم (ص)، بیٹھے ہوئے تھے کہ جبرئیل امین افسردہ اور محزون چہرہ کی رنگت اڑی ہوئی رسول خدا (ص)، کے حضور وارد ہوئے۔ رسول ؐ نے فرمایا کہ اے جبرئیل کیا سبب ہے کہ میں تمہیں اس وقت افسردہ و محزون دیکھ رہا ہوں؟ کہنے لگے کہ اے محمدؐ کیوں میں افسردہ نہ ہوں جب کہ میں نے آج دیکھا ہے کہ جہنّم کی سانسوں کو پوری طرح بھڑکا دیا گیا ہے۔
حضرت رسول ؐ نے سوال کیا "جہنّم کی سانسوں سے کیا مراد ہے؟" جبرئیل امین نے عرض کیا اس سے مراد وہی آگ ہے جو خدائے عزّوجل کے حکم سے دھکائی گئی تھی، ایک ہزار سال تک وہ سرخ رہی، اس کے بعد حکم ہوا اور دھکاؤ! تب وہ ایک ہزار سال تک سفید رہی۔ اس کے بعد اللہ تعالےٰ نے حکم فرمایا کہ ایک ہزار سال تک اس کو اور دھکایا جائے کہ وہ سیاہ

ہوجائے۔ اب جب کہ وہ سیاہ اور تاریک ہے۔ اس کی بلندی ستر ذراع ہے۔ اگر اس آگ کا صرف ایک شعلہ اس دنیا پر گرایا جائے تو وہ ساری کائنات کو پگھلا کر سیال بنا دے گا۔ اگر اس کے زقوم (جہنم کا ایک درخت جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے) اور ضریع (ایک نہایت کڑوی اور گرم شئے جو جہنمیوں کی غذا ہوگی) کا ایک قطرہ اس دنیا کے تمام خزانہ ہائے آب میں ٹپکا دیا جائے تو اس کی بدبو سے تمام انسان (اور جاندار) مرجائیں گے۔ یہ سنکر رسول خداؐ رونے لگے اور جبرئیل پر بھی ان کے ساتھ گریہ طاری ہوا۔ یہ نظارہ دیکھ کر خدائے تعالےٰ نے ان کے پاس ایک فرشتہ بھیجا۔ اس نے نازل ہوکر ان دونوں سے کہا کہ "خدا نے تمہیں سلام بھیجا ہے اور فرمایا ہے کہ تم دونوں کو گناہوں سے نجات دی اور نتیجہ کے طور پر اس عذاب سے بھی امان دی ہے۔"

میرے عزیز دوست! اس حدیث شریف کی طرح بہت ساری حدیثیں موجود ہیں۔ جہنم کا وجود اور اس کا دردناک عذاب دنیا کے تمام مذاہب میں بہت صراحت سے بیان ہوا ہے اور اس کی حقیقت اس دنیا میں بھی سبھی اصحابِ مکاشفہ اور اربابِ دل پر کشف ہوچکی ہے۔ اگر کوئی ٹھیک سے تصوّر کرے اور اس حدیث کے حوصلہ شکن مضمون پر غور کرے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ دیوانہ وار جنگل کی طرف بھاگ نکلے۔ آخر کیا بات ہے کہ ہم لوگ اس طرح خوابِ غفلت میں مگن اور جہالت کی دنیا میں گم ہیں۔ کیا رسولِ خداؐ اور جبرئیل کی طرح ہم پر بھی فرشتہ نازل ہوا ہے۔ اور ہم کو عذابِ خدا سے امان کا مژدہ سنایا گیا ہے؟ حالانکہ خود رسولِ خداؐ اور تمام اولیائے اللہ خوفِ خدا سے آخر دم تک بے تاب رہے۔ وہ اس خوف سے کھانا پینا اور سونا تک بھول گئے تھے۔ امام معصوم حضرت علی ابن الحسین علیہ السّلام کی مناجاتیں، آہ وزاری، عجز و نیاز پڑھنے والے کے دل کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کو کافی ہیں۔ آخر ہمیں کیا ہوگیا ہے جو کسی طرح کی حیا محسوس نہیں ہوتی؟ صد افسوس ہم پر کہ ہم خدا کے حضور میں دعا مانگتے وقت بھی اس کے قوانین اور اس کے محرّمات اور نوامیس کی اس قدر ہتک کرتے ہیں۔ افسوس ہم

پر اور ہماری غفلت پر! ہم پر اور سکراتِ موت کی شدّت پر افسوس! صد افسوس اس حال پر جو برزخ میں ہمارا ہوگا۔ وائے ہو وہاں کی سختیوں پر! افسوس قیامت کے دن اور اس کے اندھیروں پر! صد افسوس جہنّم میں ہماری حالت پر اور وہاں کے عذاب اور سختیوں پر!

اخلاقی امراض کا علاج

اے عزیز دوست! خوابِ غفلت سے بیدار ہو۔ اپنی کوتاہیوں سے ہوشیار رہو اور اپنے آپ میں ہمّت پیدا کرو اور اس مہلت سے فائدہ اٹھاؤ۔ جب تک کہ زندگی باقی ہے جب تک کہ تمہارے قوا تمہارے بس میں ہیں، جب تک کہ جوانی قائم ہے، اس فرصت کو غنیمت جانو۔ اس سے قبل کہ اخلاقِ فاسدہ اور ملکات رذیلہ تم پر غلبہ پالیں کچھ ان کے علاج کی تدبیر نکالو۔ اخلاقی فسادوں اور برائیوں کو دور کرنے کا کوئی راستہ تلاش کرو شہوت اور غضب کے شعلے کو بجھانے کی کوئی سبیل نکالو۔ بہترین علاج جو ماہرینِ اخلاق اور اہلِ سلوک نے اخلاقی برائیوں کو دور کرنے کے لیے تجویز کیا ہے وہ یہ ہے کہ جب بھی اپنے آپ میں تمہیں ان اخلاقی برائیوں میں سے کوئی برائی نظر آئے اس کے خلاف مردانہ وار جدوجہد کرو اور اپنے نفس کے خلاف کچھ دن تک مسلسل جہاد کرو اور اس گمراہ کی خواہشات کو کچلتے رہو۔ اپنے خدا سے مدد مانگو کہ وہ تمہیں اس مجاہدے میں ثابت قدم رہنے کی طاقت عطا فرمائے۔ کچھ مدّت کے بعد دیکھو گے کہ وہ عادتِ بد دور ہو گئی ہوگی اور شیطان اور اس کا لشکر اس محاذ سے فرار ہو چکا ہوگا اور خدائی اور رحمانی قوّتیں اس کی جگہ لے چکی ہوں گی۔

اخلاقی برائیوں میں سے ایک برائی جو انسان کی ہلاکت کا سبب بن سکتی ہے اور جو فشارِ قبر کا باعث ہوتی اور انسان کو دونوں جہان کے عذاب میں مبتلا کرتی ہے وہ بدسلوکی

ہے۔ اپنے گھر والوں کے ساتھ، اپنے پڑوسیوں کے ساتھ، اپنے رفقاء کے ساتھ، دکانداروں اور محلّے والوں کے ساتھ یہ بدخلقی شہوت اور غضب کی پیداوار ہے۔ انسان مجاہد کو چاہیے کہ مسلسل اس کے سدِ باب کی کوشش کرے اور اپنے غیظ و غضب کے جذبات کو قابو میں رکھنے کی کوشش کرے۔ جب بھی اسے غصّہ آئے اور اس کے دل و دماغ سے غصّے اور طیش کے شعلے لپکنے لگیں جو اسے بدگفتاری اور تند زبانی پر اکسائیں تو انسانِ مجاہد کو چاہیے کہ وہ اپنے نفس کے ہیلان کے خلاف قدم اٹھائے اور برائی کے خراب نتائج اور اپنی عاقبت کی خرابی کے بارے میں سوچے اور غصّے اور بدزبانی کے بجائے نرمی کو کام میں لائے۔ اپنے دل میں شیطان پر لعنت بھیجے اور خدا سے پناہ مانگے۔

میرے دوست! میں یقین دلاتا ہوں کہ اگر تم اس طرح سے عمل کرتے رہے اور کئی بار اس عمل کو دھراتے رہے تو یہ عادت بالکل ختم ہو جائے گی اور تمہارا مزاج بالکل تبدیل ہو کر خوش مزاجی اور خوش خلقی اختیار کرنے لگے گا۔ نیک خلقی تمہاری فطرت بن جائے گی، لیکن اگر تم نے اپنی مرضی کے مطابق عمل کیا تو یہ سمجھ لو کہ اس دنیا میں بھی تمہارے لیے تباہی اور نابودی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ میں اس غضب سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں جو اگر کسی انسان میں پیدا ہو، ایک پل میں اس کی دونوں دنیائیں تباہ کر ڈالتا ہے۔ غصّہ روح کے قتل کا باعث ہوتا ہے۔ اس کا اندیشہ ہے کہ شاید کبھی کوئی فرد غصّے کی شدّت میں خدائی قوانین کے متعلق کوئی اول فول بک دے، جیسا کہ میں نے اکثر لوگوں کو غصّے کی حالت میں کفر بکتے سنا ہے۔

حکماء اور فلاسفہ نے کہا ہے کہ وہ کشتی جو سمندر کی خطرناک موجوں میں گھری ہوئی ہو اور جس کا کوئی کھینے والا نہ ہو اس کی نجات آسان ہے بہ نسبت اس شخص کے جو غصّے کے عالم میں ہو۔ اگر خدانخواستہ تمہارا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو علمی مباحثوں میں جھگڑا کرتے

ہیں اور آپے سے باہر ہو جاتے ہیں، جیسا کہ طلباء میں سے کئی اس بری عادت کے شکار ہیں تو تمہیں اپنے غصّے کا مقابلہ کرنا چاہیے اپنے میلانِ نفسی کے خلاف کچھ دن تک عمل کرو، خاص طور سے ان جلسوں کے موقعہ پر جہاں علماء اور عوام یکجا ہوتے ہیں۔ اگر تم یہ دیکھو کہ جو شخص تمہاری مخالفت کر رہا ہے، وہ سچائی پر ہے تو اپنی غلطی کا اعتراف کر لو اور اپنے مخالف کی صداقت کی تصدیق کرو امید ہے کچھ دنوں میں تمہیں اس برائی سے چھٹکارہ مل جائے گا خدا نہ کرے کہ بعض اہل علم اور اربابِ کشف کا وہ قول تم پر صادق آئے جس میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ ہمارے مکاشفات میں سے ایک میں یہ کشف ہوا ہے کہ اہلِ جہنّم کا وہ جھگڑا جس کی اطلاع خداوند تعالےٰ نے دی ہے، دراصل علماء اور محدثوں کا جھگڑا ہے۔ اگر تمہیں اس بیان کی صحت کا احتمال بھی ہے تو تمہیں چاہیے کہ پوری کوشش کرو کہ اس بری خصلت سے نجات پاؤ۔ ذرا ذیل کے بیان کو توجہ سے پڑھو:

روی عن عدۃ من الاصحاب انّھم قالوا: خرج علینا رسول اللّٰہ (ص) یوماً ونحن نتماری فی شیءٍ من امر الدّین فغضب غضباً لم نشاھد مثلہ الی ذلک الیوم وقال: لقد ھلک الّذین من قبلکم لدنّھم لم یترکوا المراء، ان المؤمن لا یماری ولا یجادل فانّ المماری قد تمّت خسارتہ ذروا المراء فانّ المماری لا اشفع لہ یوم القیامۃ ذروا المراء فانّی زعیم ببثلث أبیات فی الجنّۃ وریاضھا واوسطھا واعلاھا لمن ترک المراء وھو صادق، ذروا المراء فانّ اوّل ما نھانی عنہ ربّی بعد عبادۃ الاوثان المراء۔

ترجمہ :

"رسولِ خداؐ کے اصحاب میں سے کچھ لوگوں کی یہ روایت ہے کہ ایک روز رسول خداؐ ایسے وقت میں ہماری مجلس میں وارد ہوئے جب کہ ہم امورِ دین میں سے کسی مسئلہ پر آپس میں جھگڑے کی حد تک بحث و تکرار کر رہے تھے۔ پیغمبر اسلامؐ اس قدر غضبناک ہوئے کہ اس وقت تک کبھی ہم نے انھیں اتنے غصّے میں نہیں دیکھا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ تم سے پہلے کے لوگ اس لیے ہلاک کیے گئے تھے کہ انھوں نے بحث جدال کی عادت ترک نہیں کی تھی۔ مرد مومن کبھی جھگڑا نہیں کرتا۔ . . . . . اس جدال کی عادت کو چھوڑ دو۔ میں کسی جھگڑالو انسان کی شفاعت نہیں کروں گا اور خدائے متعال نے بت پرستی سے منع کرنے کے بعد کسی چیز سے منع کیا ہے تو وہ اسی طرح کی جدال ہے۔ اس کے بعد رسولؐ نے فرمایا کہ کوئی مُومن ہرگز حقیقت کو نہیں جان سکتا جب تک کہ بحث و جدال کی عادت ترک نہ کرے، خواہ وہ کتنا ہی حق پر کیوں نہ ہو۔"

اس بارے میں بہت ساری حدیثیں آئی ہیں۔ کتنی بری بات ہے کہ ایسی معمولی سی چیز کے لیے، جس سے نہ کوئی فائدہ ہو اور نہ جس کی کوئی اہمیّت، ایک شخص اپنے آپ کو رسول اکرمؐ کی شفاعت سے محروم کرے۔ اگر نیک ارادے سے علمی مذاکرہ کیا جائے تو افضل ترین عبادتوں اور طاعتوں میں سے ہے اگر یہ عبادت گناہِ اعظم میں تبدیل ہو جائے تو انسان کی ساری ریاضت بے کار ہے۔ اس لیے انسان کو اپنی ہر اخلاقی برائی پر توجہ کرنی چاہیے اور اپنے نفس کی مخالفت کے ذریعے ان خباثتوں کو اپنی روح کی مملکت سے نکال باہر کرنا چاہیے جب زبردستی قابض ہونے والا غاصب نکال دیا جائے تو صاحبِ خانہ اپنے گھر کو بسالے گا۔ اس میں زیادہ زحمت کی ضرورت بھی نہیں۔

اختتام : چونکہ اس مقام پر پہنچ کر مجاہدۂ نفس کا بیان مکمّل ہو گیا۔ اس

مرحلے پر انسان ابلیسی طاقتوں کو اپنی مملکت سے نکال باہر کرنے میں کامیاب ہوگیا، جس کے نتیجے میں اس کی روح کی مملکت خدا کے فرشتوں کا مسکن اور عباد الصالحین کا معبد قرار پاتی ہے، اس لیے اس کے بعد سلوک الی اللہ کے تمام کام آسان ہوجاتے ہیں اور انسانیت کی راہِ مستقیم پوری صاف اور اور روشن نظر آنے لگتی ہے۔ اب تمام جنتوں اور برکتوں کے دروازے اس پر کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے تمام در اور دریچے اس پر بند کیے جاتے ہیں۔ اب خدائے تبارک و تعالےٰ اپنے بندے کو لطف و کرم کی نظر سے دیکھتا ہے اور اس کا شمار اپنے ایمان والے بندوں، اہلِ سعادت اور اصحاب یمین میں کرتا ہے۔ معارفِ الٰہیہ کا راستہ جو تمام جن و انس کی خلقت کی غائیت اور مقصد ہے اس کے لیے ہموار ہو جاتا ہے اور اس پُرخطر راستے میں خدائے تبارک و تعالےٰ اس کی دستگیری کرتا ہے۔

میں یہ چاہتا تھا کہ مجاہدۂ نفس کے تیسرے مقام کا ذکر کروں جو شیطان کی جعل سازیوں اور اس کے سنہرے جال سے بچنے کی کوشش پر مشتمل ہے، لیکن میں نے غور و خوض کے بعد اس جگہ یہ ذکر مناسب نہیں سمجھا۔ خدائے تبارک و تعالےٰ سے خواستگار ہوں کہ وہ اس موضوع پر الگ سے ایک رسالہ لکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حدیث دوم

ریاء اور اس کے روحانی اور نفسیاتی اثرات

باسنداالمتصل الی محمّد بن یعقوب عن علی بن ابراھیم عن ابیہ عن ابن ابوعمیر عن ابی المغراعن مسمل بن خلیفہ قال، قال ابوعبداللہ سلام اللہ علیہ "کلّ ریاءٍ شرکٌ انّہ من عمل للنّاس کان ثوابہ علی النّاس و من عمل للّٰہ کان ثوابہ علی اللّٰہ۔ (الکافی، ج ۲، ص ۲۹۳، باب الرّیاء، ح ۳)

سند متصل کی رو سے "یزید بن خلیفہ" نے حضرت امام صادقؑ سے روایت کی ہے کہ فرمایا حضرت نے کہ "ہر ریاء شرک ہے اور ہر وہ کام جو لوگوں کے لیے ہوگا اس کا ثواب لوگوں سے ملے گا اور جو کام خدا کے لیے ہوگا اس کا ثواب خدا دے گا

ریاء نام ہے ظاہر کرنے اور نمائش کرنے کا۔ نمائش ان باتوں اور ان چیزوں کی جو اعمال حسنہ میں سے یا خصال پسندیدہ میں سے ہیں یا سچے عقائد میں شمار ہوتی ہیں تاکہ اس طرح عوام کے درمیان قدر و منزلت حاصل ہو اور ان میں اس فرد کی اچھائی، شرافت، نیکی اور دیانت کا چرچا ہو۔ ان خوبیوں کا مقصد قرب و خوشنودی الٰہی نہیں بلکہ محض اشتہار ہے۔ اس عمل کے مختلف درجات ہیں۔

پہلا مقام دو درجوں پر مشتمل ہے:

اوّل : پہلا درجہ یہ ہے کہ کوئی سچے مذہبی عقیدوں اور الٰہی تعلیمات پر کاربند ہونے کا اعلان کرتا ہے تاکہ وہ اس طرح اپنی دین داری کا پروپیگنڈہ کر کے لوگوں کے دلوں میں قدر و منزلت حاصل کرے۔ مثلاً یہ کہتے ہوئے کہ وہ خدا کے سوائے کسی اور کو بااثر نہیں مانتا یا یہ کہ وہ سوائے خدا کے کسی پر توکّل نہیں کرتا، وہ اشاروں اور کنایوں میں اپنے آپ کو سچے مذہبی عقائد کا حامل ظاہر کرتا ہے۔ مذہبیت اور راسخ العقیدگی کی نمائش کا ایک اور طریقہ ہے جو زیادہ رائج ہے۔ مثلاً جب کبھی توکّل یا مرضیٔ خدا پر راضی برضا رہنے کی بات نکلتی ہے تو ریاکار شخص اس طرح آہ بھرتا اور اثبات میں گردن کو جنبش دیتا ہے کہ لوگ اس کے راضی برضا ہونے کا یقین کرلیں اور اس کا شمار ایسے مومنوں کے زمرے میں ہو۔

دوم : دوسرا درجہ اس مقام میں یہ ہے کہ واقعی باطل عقائد سے اپنے آپ کو پاک و صاف کیا جائے اور اپنے نفس کا پوری طرح تزکیہ کیا جائے مگر اس نیّت سے کہ اس عمل کی مدد سے لوگوں کے دل میں جاہ و منزلت کا مقام حاصل ہو۔ یہ عمل کھلم کھلا بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی بالکل ظاہر ہو اور چھپا ڈھکا بھی۔ اشارے کنائے میں ہو۔

دوسرا مقام : یہ بھی دو درجات پر مشتمل ہے۔

ایک یہ کہ کوئی خصائل حمیدہ اور اخلاقی نیکیوں کا مظاہرہ کرتا ہے۔ دوسرے یہ کہ ایک شخص خود کو ان تمام برائیوں اور رذائل سے بَری ظاہر کرے۔ جو ان خصائل حمیدہ اور ملکات فاضلہ کی اضداد ہیں۔ اس اظہار کا مقصد بھی نیکیوں کی شہرت و نمائش

ہی ہے۔

تیسرا مقام : یہ وہ مقام ہے جو فقہاء رضوان اللہ علیہم کی نظر میں ریاء کی ایک بہت ہی عام شکل ہے۔ یہ بھی دو درجات پر مشتمل ہے۔

پہلا درجہ یہ ہے کہ ایک شخص اعمال اور عبادات شرعی کی پابندی کرتا ہے یا احکام و میلانات عقلی پر سختی سے کاربند ہوتا ہے اور دونوں صورتوں میں نیت یہی ہوتی ہے کہ لوگ دیکھیں اور ان کی توجہ اپنی طرف کھینچی جائے۔ بعض صورتوں میں اصل عمل ریاء کاری کا مظہر ہوتا ہے اور بعض صورتوں میں عمل کے کچھ خاص اجزاء کو دکھانے کے لیے اس طرح بجا لایا جاتا ہے جس طرح ان کی تشریح فقہ کی کتابوں میں کی گئی ہے۔

دوسرا درجہ اس مرحلے میں یہ ہے کہ کوئی شخص ایک خاص عمل کو اسی مقصد کے تحت ترک کرتا ہے۔ ہم ان صفحات میں ان تینوں مقامات کے مفاسد کے بارے میں بحث کریں گے اور مختصر طور پر ان کے علاج کا ذکر کریں گے۔ پہلے مقام کے کئی ابواب ہیں۔

پہلا باب : مذہبی عقائد میں ریاء :

ریاء کے جملہ اقسام میں سے بدترین ریاء وہ ہے جو مذہبی تعلیمات اور عقائد کے معاملے میں برتی جائے۔ اس کی سزا عاقبت میں سب سے سخت اور اس کے برے اثرات کسی بھی قسم کی ریاء سے زیادہ شدید اور تاریک ہیں۔ اگر کوئی شخص ایسے عقائد اور تصورات کا سچے دل سے معتقد نہ ہو جن کا اظہار وہ محض دوسروں کو دکھانے اور متأثر کرنے کے لیے کرتا ہے تو اس کا شمار منافقین میں کیا جائے گا، اس کی سزا جہنم کی آگ ہے اور اس کے لیے سوائے

ابدی ہلاکت کے اور کوئی راستہ نہیں ہے اور اس کے لیے سب عذابوں میں شدید ترین عذاب کا انتخاب کیا جائے گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ دل سے کسی بات کا معتقد ہے مگر لوگوں کے دلوں میں رتبہ اور منزلت حاصل کرنے کی خاطر اس کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اس صورت میں اگرچہ کہ وہ شخص منافقین میں شمار نہیں کیا جائے گا لیکن یہ ریاء اس کے دل سے ایمان کا نور سلب کر لینے کا باعث بنتی ہے اور روشنی کی جگہ کفر کی تاریکیاں اس کے دل میں گھر کر لیتی ہیں۔ ایسا شخص بنیادی طور پر مشرک ہے لیکن اس کا شرک خفی ہے۔ مذہبی عقائد اور تصورات کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ بالکل خالص ہوں۔ یعنی صرف اور صرف خدا اور اس کی ذاتِ مقدّس کے لیے مخصوص ہوں۔ لیکن ریاء کی اس قسم کا مرتکب اپنے عقائد کو انسانوں کی تحویل میں دینے کا گنہگار ہوتا ہے۔ غیروں کو ان میں شریک کرتا ہے اور اس طرح اپنے عقائد کو شیطان کے تصرّف میں دے دیتا ہے۔ کیونکہ اس کا دل خالصاً خدا کے لیے مخصوص نہیں تھا۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے، ایمان کا تعلق قلب کے اعمال سے ہے۔ اس کے لیے محض علم کافی نہیں ہے۔ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ "ہر ریاء شرک ہے"، لیکن یہ ریاء سب ریاؤں سے بدتر اور تمام تاریکیوں کا مبداء ہے۔ یہ بری خصلت انسان کو تباہی کی اس منزل تک پہنچا دیتی ہے کہ اس کا دل غیرِ خدا کے لیے مخصوص ہو جاتا ہے۔ اس خصلتِ رذیلہ کی ظلمت اس چیز کا سبب بنتی ہے کہ انسان اس حال میں دنیا سے رخصت ہوتا ہے کہ ایمان اس کے ساتھ نہیں ہوتا جس فرضی ایمان کو وہ اپنے دل میں بزعم خود بسائے ہوئے تھا وہ ایک بے معنی چیز تھی، محض جسم بے روح اور محض چھلکا جس کے اندر مغز نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسا ایمان خدائے تعالےٰ کے لیے قابلِ قبول نہیں ہو سکتا جیسا کہ اصول کافی میں ایک حدیث نقل کی گئی ہے جسے علی بن سالم نے بیان کیا ہے:

عدّة من اصحابنا عن احمد بن محمّد بن خالد عن عثمان بن عیسیٰ عن علی بن

سالہ قال سمعت اباعبد اللہ علیہ السلام یقول قال اللہ عزّ وجلّ انا خیر شریکٍ من اشرک معی غیری فی عمل عملہ لم اقبلہ الا ما کان لی خالصاً۔ (کافی، ج ۲، ص ۲۹۵، باب الریاء، ح ۹)

ترجمہ: "راوی کہتا ہے کہ میں نے امام جعفر صادقؑ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: کہ خدائے تعالےٰ کہتا ہے کہ میں سب سے بہتر شریک ہوں۔ اگر کوئی شخص اپنے کسی کام میں میرے علاوہ کسی دوسرے کو بھی شریک قرار دیتا ہے تو میں اسے قبول نہیں کرتا۔ مگر یہ کہ وہ کام خالصاً میرے ہی لیے کیا گیا ہو۔"

یہ معلوم ہونا چاہیے کہ قلب کے اعمال اگر وہ خالص نہ ہوں تو حق تعالےٰ کی توجہ کے مستحق نہیں ہوتے۔ وہ انھیں قبول نہیں کرتا اور وہ ان کو اسی کے حوالے کر دیتا ہے جسے اس کا شریک بنایا گیا ہے۔ یعنی یہ عمل اسی کے حساب میں لکھا جاتا ہے جسے دکھانے کے لیے وہ عمل کیا گیا تھا۔ اس لیے قلب کے اعمال کو خالص ہونا چاہیے ورنہ وہ شرک کی حد سے گذر کر نہ صرف یہ کہ خالص کفر کے دائرے میں داخل ہو جاتے ہیں بلکہ یہ کہا جائے تو بہتر ہوگا کہ ان کا ارتکاب کرنے والا منافقوں میں شمار ہوتا ہے جس طرح ایسے شخص کا شرک خفی تھا اس کی منافقت بھی خفی ہوگی۔ وہ بے چارا یہ گمان کرتا رہا کہ وہ ایک مومن ہے جب کہ در حقیقت وہ ایک مشرک تھا اور اس کے نتیجے میں اسے منافق مانا جائے گا اور اسے وہی عذاب دیا جائے گا جو منافقین کے لیے مخصوص کیا گیا ہے۔ افسوس ہے اس کے حال پر جس کے کام نفاق پہ تمام ہوں۔

علم و ایمان کا فرق : یہ جان لو کہ ایمان ایک چیز ہے اور معارفِ الٰہی کا علم دوسری چیز۔ خدا اور اس کی وحدانیت، تمام صفاتِ کمالیہ، صفاتِ ثبوتیہ، صفاتِ جلالیہ اور صفاتِ سلبیہ وغیرہ

کا علم اور ملائکہ، رسالت، آسمانی کتابوں اور یوم قیامت کا علم ایمان سے بالکل الگ ایک چیز ہے۔ کئی بار دیکھنے میں آتا ہے کہ کوئی شخص ان سب باتوں کا علم رکھتا ہے لیکن پھر بھی مومن نہیں ہوتا۔ شیطان کو ان تمام باتوں کا ہم سب سے زیادہ علم ہے لیکن پھر بھی وہ کافر ہے۔ ایمان ایک قلبی عمل ہے۔ اگر ایمان کا تعلق دل سے نہ ہو تو وہ ایمان نہیں۔

انسان کو چاہیے کہ برہانِ عقلی کے ذریعے اور مذہبی ضرورت کے تحت ان باتوں کا علم بھی حاصل کرے لیکن اس طرح کہ اس کا دل بھی انھیں تسلیم کرے۔ قلب کا عمل جو تسلیم کا ایک طریقہ ہے ایک قسم کا خضوع ہے اور ایک طرح کی سپردگی، فرمانبرداری اور اطاعت ہے۔ اسے اسی طرح انجام دینا چاہیے جسطرح مومن سے تقاضا کیا جاتا ہے۔ ایمان ما کمال اطمینان کے حصول کا نام ہے۔

جب نورِ ایمان طاقت ور ہوتا ہے تو اس کے نتیجے میں دل کو ایک طرح کا اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ یہ تمام چیزیں علم سے کوئی تعلق نہیں رکھتیں۔ ممکن ہے کہ عقل برہان کے ذریعے کسی چیز کا ادراک کرلے لیکن اگر دل اسے تسلیم نہیں کرتا تو وہ بے کار ہے۔ مثلاً اگر تم نے اپنی عقل سے یہ محسوس کیا کہ ایک مردہ کسی کو کسی طرح کا کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا اور دنیا کے تمام مردے ملکر ایک مکھی کی اتنی بھی حس و حرکت کی صلاحیت نہیں رکھتے اور یہ کہ مرنے کے بعد انسان کی تمام جسمانی اور نفسانی قوتیں اس کا ساتھ چھوڑ دیتی ہیں۔ لیکن اگر تمہارے دل نے اس چیز کو قبول نہیں کیا اور اپنے آپ کو عقل کا تابعدار نہیں کیا تو اس صورت میں تمہارے لیے یہ بہت ہی سخت ہوگا کہ تم ایک اندھیری رات کسی ایسی جگہ تنہا بسر کرو جہاں ایک مردہ بھی رکھا ہو۔ اس کے برخلاف اگر دل عقل کے فرمان کا تابع ہے اور اسی کی ہدایت پر عمل کرتا ہے تو تمہارے لیے اس کام میں کوئی دشواری نہ ہوگی۔ اگر تم چند بار کوشش کرو اور تمہارا دل عقل کے اصول کو مان لے تو پھر تمہیں مردے سے کسی قسم کا ڈر کبھی

محسوس نہ ہوگا۔

پس معلوم ہوا کہ "تسلیم" پوری طرح کسی بات کو قبول کرلینا ہے یہی دل کی تسکین کا باعث ہے، لیکن تسلیم علم سے الگ چیز ہے، علم عقل کی تسکین کا ذریعہ ہے۔ اس کا امکان ہے کہ انسان عقلی دلائل کی رو سے خدائے تعالےٰ کی صنّاعی، وحدانیت، یوم آخرت جیسے سچے تصوّرات پر یقین کرلے لیکن محض ان تصوّرات کو ایمان نہیں کہا جائے گا اور ان تصوّرات کی بنیاد پر اس کو مومن نہیں گردانا جائے گا بلکہ ہو سکتا ہے کہ وہ کفّار، منافقین یا مشرکین میں شمار ہو۔ اس معاملے میں اور معاملات کی طرح آج ہماری اور تمہاری آنکھیں بند ہیں اور ہم بصیرتِ ملکوتی سے ناآشنا ہیں اور ہماری دنیاوی بصیرت بھی ان چیزوں کو دیکھنے سے قاصر ہے جب راز فاش ہوگا اور سلطنتِ الٰہیہ کا ظہور ہوگا، طبیعی دنیا ختم ہوجائے گی اور حقیقی دنیا سامنے آئے گی اس وقت تمہیں پتہ چلے گا کہ تم خدا پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ تم مومنِ خدا نہیں تھے اور تمہاری عقل کا حکم تمہارے ایمان سے کوئی تعلق نہیں رکھتا تھا جب تک کہ انسان کی صاف و شفّاف لوحِ دل پر عقل کے قلم سے "لاالٰہ الّا اللہ" ــــ

(نہیں ہے کوئی خدا سوائے اللہ کے) کا فرمان نہ لکھا جائے، انسان خدا کی وحدانیت پر کامل ایمان سے بہرہ ور نہیں ہوتا۔ جیسے ہی یہ کلمہ الٰہیہ قلب پر وارد ہوتا ہے انسان کے دل کی دنیا خود بخود مملکتِ خدا بن جاتی ہے۔ پھر اس کے بعد انسان کسی اور کو مملکتِ حق میں مؤثر نہیں سمجھتا اور کسی اور سے جاہ و منزلت حاصل کرنے کی کوئی امید نہیں رکھتا۔ وہ دوسروں کو متأثر کرنے کے لیے عزّت اور شہرت کے حیلے نہیں تلاش کرتا۔ اس کے بعد دل ریاء کاری اور فریب کا لبادہ نہیں اوڑھتا۔ اس لیے اگر تم اپنے دل میں ریاء کا شائبہ پاؤ تو یہ سمجھ لو کہ تمہارے دل نے عقل کے احکام کو تسلیم نہیں کیا ہے اور ایمانِ خدا تمہارے دل میں نور افگن نہیں ہوا ہے۔ تم کسی اور کو اللہ مانتے اور اسی کو عالمِ طبیعی میں

بااثر سمجھتے ہو نہ کہ خدائے حقیقی کو۔ اور تم اب تک منافقین اور مشرکین کے زمرے میں شامل ہو۔

ریاء سے پیدا ہونے والے خطرات

اے ریاکار انسان! تو نے اپنے سچّے عقائد اور اپنے مذہبی علم کو اللہ تعالےٰ کے دشمن شیطان کے حوالے کر دیا ہے اور جو چیزیں اللہ تعالےٰ کے لیے مختص تھیں انھیں دوسروں کو سونپ دیا! ان انوار کو جو روح اور قلب کی روشنی کا سامان، نجات کا سرمایہ، سعادتِ ابدی کا خزینہ، لقاء الٰہی کا سرچشمہ اور محبوبِ حقیقی کے قرب کا ذریعہ تھے تو نے فروخت کر دیا اور ان کے عوض تو نے وحشتناک تاریکیوں اور ابدی سختیوں کو مول لیا، جو محبوبِ حقیقی کے دربار اقدس سے دوری کا سبب ہیں اور اس کے دیدار سے ہمیشہ کی محرومی کا وسیلہ۔ اب تیار ہو جا ان اندھیروں سے مقابلہ کرنے کے لیے جن کے بعد کبھی نور کی روشنی نہ ہوگی، ان تنگیوں کا سامنا کرنے کے لیے جن کے بعد کبھی راحت نہ ملے گی، ان امراض کو جھیلنے کے لیے جن سے کبھی شفاء حاصل نہ ہوگی۔ اس موت کو پانے کے لیے جس کے بعد حیات نہ ہوگی اور اس آگ کو برداشت کرنے کے لیے جو قلب کے اندر سے اٹھے گی اور روح اور بدن کو جلا کر خاک کر دے گی یہ اس طرح کی جلانے والی آگ ہوگی جس کو میرے اور تیرے دل نے کبھی تصوّر میں بھی محسوس نہیں کیا ہوگا جیسا کہ خدائے تعالےٰ نے اپنی کتابِ پاک کی مندرجہ ذیل آیتِ شریفہ میں فرمایا ہے:

نار اللّٰہ الموقدۃ الّتی تطّلع علی الافئدۃ۔

(یہ ہے اللہ کی روشن کی ہوئی آگ جو (بھڑکتی ہے تو آدمیوں کے) دلوں پر لپکتی ہے۔ (۱۰۴: ۷-۶)

آتشِ الٰہی کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ دل کی گہرائیوں میں اتر جاتی ہے اور اس کو جلا کر خاک کر دیتی ہے۔ دوسری کوئی آگ دل کو اس طرح سے نہیں جلاتی سوائے آتشِ الٰہی کے۔ اگر انسان کی فطرت میں توحید کے بجائے جو خدا کی بنائی ہوئی فطرت ہے، شرک اور کفر گھر کر لیں تو پھر شافعین کی شفاعت بھی اس کو نصیب نہیں ہوتی جہنّم کا عذاب اس کا مقدّر ہوتا ہے۔ وہ بھی کیسا عذاب! وہ عذاب جو قہرِ الٰہی اور غیرتِ خداوندی کا نتیجہ اور مظاہرہ ہوتا ہے۔

اس لیے اے عزیز دوست! صرف ایک خیالِ باطل کی خاطر، ایک معمولی سی فرضی مقبولیت کے حصول کی خاطر، وہ بھی خدا کے کمزور اور بے بس بندوں کے درمیان اور ناچار انسانوں کی تھوڑی سی توجہ کو جلب کرنے کے لیے تو اپنے آپ کو قہر و غضب الٰہی کا ہدف کیوں بناتا ہے؟ خدا کی ان محبتوں اور عنایتوں کو کھو کر گھاٹے کا سودا نہ کر۔ خدا کی مخلوق کے درمیان تھوڑی سی محبوبیت کی خاطر، جو کوئی مؤثر چیز بھی نہیں، جس کا کوئی اعتبار ہے نہ اثر رہتا ہے، ان کو کبھی نہ ختم ہونے والی کرامتوں، ان خدائی عنایات اور مرحمتوں کو اپنے ہاتھ سے مت جانے دے۔ اس طرح کی مقبولیت سے تجھے (تو جس کے پیچھے بھاگ رہا ہے) کچھ حاصل ہونے والا بھی نہیں، سوائے ندامت اور حسرت کے۔ جب تیرے ہاتھ سے اس دنیا کا دامن چھوٹ جائے گا اور تیری کارکردگی کا سلسلہ اس دارِ عمل میں منقطع ہو جائے گا تو تیری پشیمانی لاحاصل ہوگی اور تجھے اللہ تعالےٰ کی طرف رجوع ہونے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

ریاء کی بیخ کنی کا علمی طریقہ !

یہاں پر میں ایسا طریقہ بیان کرنا چاہتا ہوں، جس پر عمل کیا جائے

تو امید ہے کہ یہ دل کے اس مرض کے دور کرنے میں مؤثر ہو گا۔ یہ طریقہ عقل کے اصول کے ساتھ ساتھ روحانی تجربے اور احادیث و اخبارِ معصومین اور کتابِ خدا کے احکام کے مطابق ہے۔ اس کو ہماری تمہاری عقل بھی صحیح ماننے پر مجبور ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ خدائے تبارک و تعالےٰ کی قدرت کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ تمام موجودات و مخلوقات، کائنات کا سارا طول و عرض اس خالق و قادرِ حقیقی کی زندہ رکھنے والی طاقت کے تصرف میں ہے۔ اس کی قیومیّت تمام ممکنات کے ساتھ تمام بندوں کے دلوں پر قابض اور متصرّف ہے۔ ہر چیز اس کے پرِ قدرت اور قبضۂ سلطنت میں ہے کسی اور کو یہ حق نہیں اور نہ کسی میں اتنی طاقت ہے کہ اس کی قبولیت کی اجازت کے بغیر اور اس کی قوّتِ تخلیق کا اشارہ پائے بنا اس کی سلطنت میں کسی طرح کا دخل دے اور اس کے بندوں کے دلوں پر تصرّف حاصل کرے۔ حتّٰی کہ خود صاحبان دل بھی اپنے دل پر اس کی اجازت اور منشاء کے بغیر کوئی قدرت نہیں رکھتے۔ یہ بات کہیں اشارے اور کنائے کے پردے میں اور کہیں کھلے طور پر پوری صراحت کے ساتھ قرآن شریف میں اور اہلِ بیت علیہم السّلام کی احادیث میں بیان کی گئی ہے۔ صرف خدائے تبارک و تعالےٰ ہی تمہارے دل پر حق رکھتا ہے اور تم جو اس کے ایک ناتوان اور لاچار بندے ہو بغیر خدا تعالےٰ کی مشیّت کے اپنے دل کے معاملات پر کسی طرح کی قدرت نہیں رکھتے۔ اس کا ارادہ تمہارے دل پر اور تمام موجودات کے ارادے پر حاوی اور حاکم ہے۔ اس لیے تمہاری ریاکاری اگر لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف کھینچے اور اچھائی اور نیکی میں شہرت پانے کے لیے ہے تو یہ سمجھ لو کہ اس کا حصول بھی تمہارے بس میں نہیں۔ یہ بات بھی تمہارے قابو سے باہر اور حق تعالےٰ کے قابو میں ہے۔ خداوند تعالےٰ دلوں کو اور صاحبانِ دل کو جس طرف چاہتا ہے متوجہ کرتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ تم جو کچھ چاہتے ہو اس کا الٹا اثر ہو۔ یہ دیکھنے میں آیا ہے اور سنا گیا

ہے کہ ریاکار اور دوغلے افراد جن کے دل پاک نہیں تھے، آخر کار رسوا ہوئے، اور وہ جو کچھ تحصیل کرنا چاہتے تھے اس کا برعکس ان کو ملا۔ اصولِ کافی کی حدیث شریف اس چیز کی طرف اشارہ کرتی ہے:

عن جرّاح المدائنی عن ابی عبد اللہ علیہ السلام فی قول اللہ عزّ وجلّ فمن کان یرجو لقاء ربّہ فلیعمل عملاً صالحاً ولا یشرک بعبادۃ ربّہ احدٌ قال الرّجل یعمل شیئاً من الثواب لا یطلب بہ وجہ اللہ إنّما یطلب تزکیۃ النّاس یشتھی ان یسمع بہ النّاس فھذا الذی اشرک بعبادۃ ربّہ ثم قال ما من عبد اسرّ خیراً فذھبت الایام ابداً حتّی یظھر اللہ لہ خیراً وما من عبدٍ یُسِرّ شرّاً فذھبت الایام ابداً حتّی یظھر اللہ لہ شرّاً۔

(الکافی جلد ۲، ص ۲۹۴، باب الرّیاء)

ترجمہ: راوی جرّاح مدائنی امام جعفر صادقؑ سے روایت کرتا ہے کہ انھوں نے خدائے عزّوجل کے قول کی تعبیر کرتے ہوئے کہا کہ جو کوئی بھی اپنے پروردگار سے ملاقات کی امید رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ نیک کام انجام دے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی اور کو شریک نہ کرے۔ فرمایا امام جعفر صادقؑ نے کہ وہ شخص جس نے کسی ثواب کے کام کو اس لیے انجام نہیں دیا کہ اس کام کے وسیلے سے اسے خدائے تعالےٰ کے دیدار کا شرف حاصل ہوگا، بلکہ صرف اس خیال کے تحت اسے انجام دیا کہ لوگ اس کو متقی و پرہیزگار سمجھیں اور اس بات کی شہرت ہو کہ اس نے ایسا کام کیا ہے تو وہی ایسا شخص ہے جس کے لیے کہا گیا ہے کہ اس نے اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی دوسرے کو بھی شریک جانا اور مانا۔ اس کے بعد امامؑ نے فرمایا کہ کوئی بندہ ایسا نہیں ہے جس نے اپنی خوبیوں کو چھپایا اور کچھ دن گذرنے کے بعد اللہ تعالےٰ نے اس کو آشکار نہ کیا ہو اور کوئی بندہ ایسا نہیں جو اپنے شر کو چھپاتا رہے مگر جس کا شر کچھ دن گزرنے کے بعد خداوند تعالےٰ کی قدرت سے لوگوں پر پوری طرح

ظاہر نہ ہوا ہو۔

اس لیے اے عزیز دوست ! نیک نامی طلب کرنا ہے تو خدا سے طلب کرو۔ لوگوں کے دل جیتنا بھی چاہو تو دلوں کے مالک سے آرزو کرو کہ وہ تمہاری مدد کرے تم نیک کاموں کو خدا کے لیے انجام دو ـــــ خداوند تعالےٰ آخرت میں تم پر عنایت و کرم کرنے اور تم کو عالم آخرت کی نعمتوں سے نوازنے کے علاوہ اس دنیا میں بھی تم کو اپنے کرم سے نوازے گا۔ وہ تم کو محبوب رکھے گا لوگوں کے دلوں میں تمہاری وقعت زیادہ کرے گا اور تم کو دونوں جہان میں سربلند کرے گا۔ تم تھوڑی زحمت اور مجاہدہ کے ساتھ اپنے دل کو اس کی محبت میں تمام آلودگیوں سے پاک و صاف رکھو اور اپنے باطن کو جلا دو تاکہ تمہارا عمل خدا کی راہ میں بالکل خالص رہے۔ کوشش کرو کہ تمہارا دل خدا کی طرف متوجہ ہو، روح آلائشوں سے پاک ہو، کدورتِ نفس دور ہو، انسانوں کی محبت اور نفرت کم ہو۔ خدا کے ناچیز بندوں کے درمیان شہرت اور نام سے کیا فائدہ ؟ اور اگر فرض کرو کہ کوئی فائدہ حاصل ہو بھی تو وہ ایک عارضی فائدہ ہے ممکن ہے کہ طلب شہرت و نیک نامی کی وجہ سے تمہارے کاموں میں ریاء کا عنصر شامل ہو جائے جو تمہیں مشرک، منافق اور کافر بنا دے گا جس کے نتیجے میں اگر اس دنیا میں تمہاری رسوائی نہ ہوئی تب بھی دوسری دنیا میں عدلِ الٰہی کے حضور میں تمہیں ذلت حاصل ہوگی۔ کوشش کرو کہ خدا کے بندگانِ صالح اس کے انبیائے عظام، ملائکہ اور مقربین کے سامنے تمہیں رسوا نہ ہونا پڑے، شرم سے سر نیچا نہ کرنا پڑے اور اس وقت تم اپنے آپ کو بے بس و لاچار نہ محسوس کرو۔ جانتے ہو اس روز کی رسوائی کیسی رسوائی ہوگی ؟ اس جگہ کی سرگشتگی خدا ہی جانتا ہے کہ کس طرح کی تاریکیاں اپنے ساتھ لائے گی۔ وہ ایسا دن ہوگا جس کے متعلق حق تعالےٰ نے خود فرمایا کہ اس روز کافر کہے گا " اے کاش میں خاک ہوتا۔" (سورۂ انبیاء آیت)

اے بے بس انسان ! ایک معمولی سی نیک نامی کی خواہش میں بندگانِ خدا کے درمیان

ایک بے کار سی شہرت کی خاطر، تو نے کیسی کیسی کرامتوں کو کھو دیا، تو نے رضائے خدا کو ہاتھ سے نکل جانے دیا اور اپنے آپ کو خدائے تعالےٰ کے غیض و غضب کا مستحق بنایا۔ وہ اعمال جن کے ذریعے تو اللہ کا کرم حاصل کر سکتا تھا، ایک مسرت سے بھرپور ابدی زندگی اور ہمیشگی اپنے لیے فراہم کرتا، جن اعمال کے ذریعے بہشت کے اعلیٰ ترین مقام تجھے حاصل ہوتے، افسوس کہ تو نے ان کو کھو کر شرک اور نفاق کی تاریکیوں میں پڑا رہنا اختیار کیا۔ اپنے لیے حسرت، ندامت اور شدید ترین عذاب کا انتظام کیا اور اپنے آپ کو سجّین (جہنّم کی ایک گہری کھائی جہاں پہ لوگوں کے برے اعمال کی کتاب رکھی ہوئی ہے اور کھائی کی مناسبت سے اس کتاب کا نام بھی یہی ہے) کی سزا کا مستحق بنا لیا۔ اصول کافی میں ایک حدیث شریف ہے جو امام جعفر صادقؑ سے روایت کی گئی ہے۔

اس حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبرؐ اکرم نے فرمایا کہ "ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب فرشتہ کسی بندے کے اعمال کو نیک سمجھ کر اسے خوشی اور فرحت کے ساتھ آسمان پر لے جاتا ہے جس طرح نیکیوں کو اوپر لے جایا جاتا ہے، تو خدائے عزّوجل فرماتا ہے کہ ان اعمال کو سجّین میں لے جاؤ۔ یقیناً اس بندے نے یہ اعمال فقط میری خوشنودی کے لیے انجام نہیں دیے ہیں۔ (کافی ج ۲۔ باب ریاء) اس دنیا میں ہم اور تم سجّین کا تصور بھی نہیں کر سکتے اور فسق و فجور کے اعمال کی اس ہیبت ناک کریہہ شکل کا تصور بھی نہیں کر سکتے جو یہ اعمال سجّین میں اختیار کریں گے۔ جس وقت حقیقت ہمارے سامنے آئے گی اس وقت ہمیں پتہ چلے گا کہ اب ہم کچھ نہیں کر سکتے، کیونکہ ان کے ازالے کے تمام ممکنہ ذرائع منقطع ہو چکے ہوں گے۔

اس لیے اے عزیز! بیدار ہو اور غفلت اور مستی کو دور کر اور عقل کی ترازو میں اپنے اعمال کو تول! اس سے قبل کہ اُس عالم میں ان کو تولا جائے، تو خود اپنے اعمال کا اچھی طرح محاسبہ کر لے، اس سے پہلے کہ تجھ سے اعمال کا حساب کتاب مانگا جائے۔ اپنے دل کے

آئینے کو شرک، نفاق اور دوغلے پن کی کثافت سے پاک کرے کہیں ایسا نہ ہو کہ شرک وکفر کا زنگ اس پر اس طرح سے چڑھ جائے کہ دوسری دنیا کے آتشیں شعلے بھی اسے پاک نہ کر سکیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ نورِ فطرت ظلمتِ کفر میں تبدیل ہو جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ:

فطرۃ اللّٰہ الّتی فطر الناس علیھا۔ (۳۰ : ۳۰) کے مصداق وہ فطرت جو اللہ کی بنائی ہوئی ہے، جس فطرت پر اس نے انسان کو بنایا ہے ضائع ہو جائے۔ اللہ کی فطرت میں خیانت نہ کر، یہ خدا کی امانت ہے۔ اپنے دل کے آئینے کو پاک کر تاکہ اس میں نورِ جمالِ حق جلوہ افگن ہو اور وہ تجھے اس عالم سے اور جو کچھ اس میں ہے سب سے بے نیاز کر دے۔ جب آتشِ محبّت الٰہی تیرے دل میں روشن ہوگی تو تمام دنیاوی محبّتوں کو اس طرح سے جلا کر ختم کر دے گی کہ تو دنیاوی چیزوں کی طرف ذرا بھی دھیان نہ دے گا اور ذکرِ خدا اور اس کی یاد میں تجھ کو ایسی لذّت ملے گی کہ تمام حیوانی لذّتیں اس کے سامنے حقیر معلوم ہونے لگیں گی۔ اگر تو نے ابھی یہ مقام حاصل نہیں کیا ہے تو یہ چیزیں کچھ عجیب سی معلوم ہوں گی۔ پھر بھی سوچ لے، دوسرے عالم کی وہ نعمتیں جن کے بارے میں قرآن مجید اور ائمہ معصومین(ع) کی حدیثوں نے ہمیں اطلاع دی ہے ان کو چند روزہ موہوم سی شہرت کی خاطر اور خدا کی کمزور مخلوق کے دل میں جگہ پانے کی خاطر ہاتھ سے نہ جانے دے۔ ثواب کے کاموں کو ضائع مت کر اور اپنے آپ کو خدا کی کرامتوں سے محروم نہ کر! کبھی کم نہ ہونے والی سختیوں کا سعادت ابدی کے بدلے میں سودا مت کر!

خلوصِ عمل :

وہ جو حقیقی مالک الملوک ہے، جو حقیقی ولی نعمت ہے جس نے ہم پر یہ سب اکرام اور عنایتیں نازل کی ہیں اور جس نے ہمارے اس دنیا میں آنے سے پہلے ہی اتنی ساری نعمتیں فراہم کر دی ہیں جیسے کہ لطیف اور

ہلکی پھلکی غذا جو تمام بہترین اجزاء سے بھرپور ہوتی ہے۔ اور ہمارے کمزور معدے کے لیئے سب سے زیادہ موزوں ہوتی ہے۔ ہمارا خیال رکھنے والے اور تربیت کرنے والے خدمت گزار ماں باپ جو قدرتی اور جبلّی محبت کے تحت ہماری بے لوث خدمت کرتے ہیں۔ مناسب حال اور موزوں ماحول خوشگوار بدلتے ہوئے موسم ان کے علاوہ بہت ساری واضح طور پر نظر آنے والی نعمتیں اور وہ نعمتیں جو ظاہری آنکھوں سے نظر بھی نہیں آتیں۔ ان سب کو عطا کرنے کے بعد وہ ہم سے صرف یہ چاہتا ہے کہ ہم اپنے دلوں کو اس کے لئے مخصوص رکھیں۔ وہ بھی اس لئے کہ ہم اس کی کرامتوں کے مستحق بنیں، ہم ہی کو اس کا فائدہ حاصل ہو، اگر پھر بھی ہم اس کی بات نہیں مانتے اور اس کی نافرمانی کرتے ہیں۔ اس کی مرضی کے خلاف اقدام کرتے ہیں تو ہم ایک بہت بڑے ظلم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ کیسے مالک الملوک سے ہم نے لڑائی مول لی ہے، جسکا خمیازہ ہم کو خود بھگتنا ہے۔ ہماری حکم عدولی سے اسکی سلطنت اور اس کی قدرتِ مطلقہ کو کوئی نقصان پہنچنے والا نہیں۔ اور نہ ہم اسکی سلطنت اور دائرہ نفوذ سے بچ کر کہیں جا سکتے ہیں۔ اگر ہم مشرک ہیں تو ہم نے خود اپنے آپ کو ضرر پہنچایا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعَالَمِیْنَ

بے شک اللہ تمام عالموں سے بے نیاز ہے۔

(سورۃ نساء آیت ۹۷)

بے شک خدا سب مخلوقات سے بے نیاز ہے۔ اسکو ہماری عبادت، ہمارے اخلاص، ہماری بندگی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اور نہ ہماری نافرمانی، ہمارا شرک اور ہمارا دوغلا پن اسکی مملکت کو کسی طرح کا نقصان پہنچا سکتا ہے۔

لیکن چونکہ وہ ارحم الرّحمین (سب رحم دلوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا) ہے۔ اسکی حکمتِ بالغہ کا تقاضا ہے کہ وہ ہم کو ہدایت کا راستہ دکھائے۔ خیر و شر اور بُرائی اور اچھائی کی راہوں کو روشن کرے اور ہم کو دشوار گزار انسانی راستے کے خطرات اور نیکی کے راستے پر آگے بڑھنے کی امکانی لغزشوں سے آگاہ کرے۔ خداوندِ حقیقی کی طرف سے ہدایت اور راہنمائی کے یہ سب سامان، حتیٰ کہ ہماری عبادتیں، ہمارا اخلاص اور ہماری بندگیاں ہم پر بہت بڑا احسان ہیں۔ ان احسانات کی وسعت کا اندازہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ ہماری چشمِ بصیرت نہ کھُلے اور اصلیت کو دیکھنے اور پرکھنے والی برزخی نظر وا نہ ہو۔ جس وقت تک ہم اس عالم تنگ و تاریک میں اور دنیوی زندگی کے ظلمت کدہ میں قید ہیں وقت (Time) کی مسلسل زنجیر میں گرفتار ہیں اور مکان (Space) کی ہم گھٹنے والی تاریکیوں کے حصار میں قید ہیں۔ ہم خداوند تعالیٰ کی ان عظیم نعمتوں کا صحیح ادراک نہیں کر سکتے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ خدائے مہربان کی تمام نعمتوں کا اور اسکی ہدایت اور راہنمائی کے شکریہ کا حق ہم اپنی عبادات اور اخلاص سے ادا کر سکتے ہیں۔ ہرگز ہرگز ایسا گمان بھی نہ کرو۔ کبھی یہ نہ سمجھو کہ خدا کے بھیجے ہوئے انبیائے عظام، اولیائے کرام اور علمائے اُمت پر ہم اپنی عبادتوں کا احسان رکھ رہے ہیں۔ انہوں نے ہمیں نیکی اور سعادت کی راہ دکھانے کے لئے ہمیں جہل و ظلمت اور بدبختی سے نجات دلانے کے لئے اور ہمیں عالمِ نور و سُرور اور بھجت و عظمت کی طرف دعوت دینے کے لئے کیسی کیسی سختیاں جھیلی ہیں۔ انہوں نے ہماری تربیّت کے لئے ہمیں ان تاریکیوں سے نکال کر نور کے راستے پر لانے کے لئے ہمارے باطل اعتقادات سے جو گمراہیوں کے خمیر سے پیدا ہونیوالی جہالتوں کا نتیجہ تھے، آزاد کرانے کی خاطر ان کے فشاروں اور عذابوں سے ہمیں چھٹکارا دلانے کے لئے جو بُرے ملکات اور اخلاقِ رذیلہ کا خاصہ تھے

اوران وحشتناک صورتوں سے محفوظ رکھنے کے لئے جو ہمارے قبیح اعمال و افعال کے عوض ہمیں نصیب ہونے والی تھیں، کتنی زحمتیں اور مشقتیں اٹھائیں! ان کا مقصود یہ تھا کہ وہ ہمیں ان عوالم کی جانب اوران کی خوشیوں، راحتوں، مسرتوں اور حور و قصور کی طرف دعوت دیں جنکا ہم تصوّر بھی نہیں کر سکتے۔ یہ عالم دنیوی باوجود اپنی تمام دلفریبیوں کے اس قدر تنگ اور محدود ہے کہ ایک حورِ بہشتی کے حُسن کا بھی یہاں رہ کر تصوّر نہیں کیا جا سکتا ہماری موجودہ آنکھیں گیسوئے حور کے ایک تار کو دیکھنے کی طاقت بھی نہیں رکھتیں اس نادیدہ عالم کی ملکوتی صورت اس تک رہنمائی کرنے والے اخلاق و اعمال کا بیان انبیائے برگزیدہ کے کلمات میں ملتا ہے۔ آخری وحی کے حامل اور قیامت تک باقی رہنے والے دستور کے نافذ کرنے والے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان سب میں بھی خصوصیت حاصل ہے آپ نے وحی الٰہی کے ذریعے اس عالم کو درک فرمایا، دیکھا، سنا اور ہمیں اس کی طرف آنے کی دعوت دی۔ ہم بے عقل، بے بس انسان ان بچوں کی طرح ہیں جو عقلاء کے حکم سے سرکشی کرتے ہیں۔ ہم نے اپنی عقل کو بالائے طاق رکھ کر ان سے جنگ و جدال کرنے کی کوشش کی اور ان سے دُور دُور رہے۔ لیکن ان نفوس مطمئنہ، قلوب ذکیہ اور ارواحِ طیبہ و طاہرہ نے اپنی شفقت اور رحمت بندگانِ خدا پر کبھی کم نہ ہونے دی۔ انہوں نے ہماری نادانی کے سبب کبھی اپنی دعوت میں کوتاہی نہ برتی اور کبھی بھی زور اور زر کے ذریعے مجبور کر کے یا لالچ دے کر نیکی اور سعادت کی طرف بلانے کی کوشش نہیں کی اور نہ کبھی ہم سے اپنی خدمت و محنت کا صلہ یا معاوضہ طلب کیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فقط "مودّت ذوی القربیٰ" یعنی اقربا کی محبت کو اپنا اجر قرار دیا تھا۔ شاید یہی محبت اور مودّت دوسرے عالم میں ہمیں سب سے زیادہ نورانی صورت سے نوازنے کا باعث بنے۔ وہ اجر بھی ہمارے ہی نفع کے لئے ہے اور ہمیں

ہی سعادت اور رحمت تک پہنچانے کا ایک ذریعہ ہے۔ اس طرح معلوم ہوا کہ اگر ہم رسالت کا اجر بھی ادا کریں تو ہمارا ہی نفع ہے۔ یہ ادائے اُجرت بھی ہمارے ہی فائدے کے لئے ہے ان ہستیوں کے لئے ہم نے کیا کیا تھا۔ ہمارے اخلاق و ارادت سے ان کو کون سا فائدہ پہنچا۔؟ مسئلہ کا جواب دینے والے ایک عام فقیہ سے لیکر نبی اکرمؐ اور ان کے بھی اوپر ذاتِ مقدس خدائے عزوّجل تک ہر ایک اپنے مقام اور مرتبہ کے لحاظ سے ہمیں ہدایت کا راستہ دکھاتا رہا۔ یہ خود اتنا بڑا احسان ہے جس کا بدلہ ہم اس عالم میں نہیں دے سکتے۔ یہ عالم اور اس کی دولتیں اس قابل نہیں کہ ان میں سے کسی کے احسان کا شکریہ ادا کرنے کے کام آئیں: فللّٰہ ولرسولہ ولاؤلیائہ المنّۃ۔ اس کا، اس کے رسولؐ کا اور اس کے اولیاء کا ہم پر بہت بھاری قرض ہے جیسا کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَکُمْ بَلِ اللّٰہُ یَمُنُّ عَلَیْکُمْ اَنْ ھَدٰیکُمْ لِلْاِیْمَانِ اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ اِنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰہُ بَصِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔

کہہ دو (اے محمدؐ) کہ اپنے اسلام لانے کو مجھ پر احسان نہ سمجھو، بلکہ حق تو یہ ہے کہ خدا نے تم پر احسان کیا ہے کہ تمہیں ایمان کی طرف ہدایت کی اگر تم سچے ہو۔ بیشک اللہ زمین اور آسمانوں کی چھپی ہوئی باتوں کا علم رکھتا ہے۔ اور اللہ وہ سب دیکھتا ہے جو تم کرتے ہو۔ (۴۹ : ۱۷-۱۸)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے رسول یہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کو قبول کر کے انہوں نے تم پر احسان کیا ہے۔ ان سے کہہ دو کہ تم اس کو مجھ پر احسان مت سمجھو بلکہ اس کے برعکس یہ خدا کا احسان ہے تم پر کہ اس نے تم کو ہدایت کی ایمان کی طرف

(جس کا کہ تم دعویٰ کرتے ہو۔) اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔ بے شک خدا زمین کی اور آسمانوں کی چھپی ہوئی چیزوں کا رازداں ہے اور خدا وہ سب کچھ دیکھتا ہے جو تم کرتے ہو۔

اس لئے اگر ہم خدا پر اپنے ایمان کے دعوے میں سچے ہیں، تو ہمیں یہ سمجھنا چاہئے کہ اس ایمان کے لئے بھی ہم خداوندِ بصیر عالمِ غیب ہی کے احسان مند ہیں جو ہمارے اعمال، ایمان اور ہمارے اسلام پر ایمان لانے کی کیفیت سے باخبر ہے۔ ہم بیچارے انسان حقیقت سے اس قدر بے خبر ہیں کہ ہم جب کسی فقیہ سے کوئی چیز سیکھتے ہیں تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے سوال پوچھ کر اس پر احسان کیا ہے۔ اگر کسی عالم کے پیچھے جماعت کی نماز پڑھتے ہیں تو اس کو بھی اس پر اپنا احسان سمجھتے ہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کا ہم پر احسان ہوتا ہے۔ اس بات سے ہم نہ صرف لاعلم ہیں بلکہ ہماری بد ذہنیت ہمارے اعمال کی تاثیر کو الٹا کر دیتی ہے۔ ہمیں سجین میں گھسیٹ کر لیجاتی ہے اور ہمارے تمام اعمال کو غارت کر دیتی ہے۔

ریاء کا دوسرا مقام: عمل میں ریاء: اگرچہ اس مقام پر ریاء کی شدت پہلے مقام کی اتنی نہیں ہوتی لیکن یہاں ایک تنبیہ ضروری ہے کہ یہ خطرہ ضرور ہے کہ ریاء کار اس مقام پر یعنی عمل میں اس طرح کی نمائش کا مرتکب ہو کہ اس کے نتیجے کے طور پر اس کے عقیدے پر بھی ریاء کا غلبہ ہو جائے اور اسکی ریاء پہلے (مذکورہ بالا) مقام کی سی کیفیت و شدت اختیار کرلے۔ ہم نے پہلی حدیث کی شرح میں یہ کہا تھا کہ عالم ملکوت میں انسان کو جو شکلیں نصیب ہو سکتی ہیں ممکن ہے کہ ان میں غیر انسانی صورتیں بھی ہوں۔ اور یہ کہ وہ صورتیں ملکوتِ نفس اور اس کے

ملکات کی تابع ہوں۔ اگر تم اچھے انسانی ملکات (ملکاتِ فاضلہ انسانیہ) کے حامل ہو تو ان ملکات کی بناء پر تمہاری صورت انسانی ہوگی اور تم اسی صورت سے محشور ہو گے بشرطیکہ تم نے ان ملکات سے کام لینے میں اعتدال کی حد سے تجاوز نہ کیا ہو۔ تمہارے ملکات، ملکاتِ فاضلہ صرف اس وقت کہلائیں گے جب نفس امارہ نے ان میں کسی طرح کا تصرّف نہ کیا ہو اور ان کے تشکیل پانے میں نفسیات کا ذرا شائبہ بھی نہ رہا ہو۔ ہمارے استاد شیخ دام ظلہ، آیت اللہ شاہ آبادی فرماتے تھے کہ ریاضتِ باطل اور صحیح ریاضتِ شرعی کے درمیان حدِ فاصل یہ ہے کہ ریاضت میں کس حد تک نفس کا دخل ہے اور کس حد تک حق کا۔ اگر سالک نفس کی پیروی کرے اور اس کا مقصود قوائے نفس کو مضبوط بنانے اور اس کی سلطنت اور قدرت کے دائرے کو وسیع کرنا ہو تو اس کی ریاضت باطل ہے۔ اور اس کا سلوک عاقبت میں اس کے نقصان کا باعث ہو گا۔ کھوکھلے اور جھوٹے دعوے خصوصاً ایسے ہی اشخاص کی طرف سے کئے جاتے ہیں۔ اور اگر سالک حق کے راستے میں قدم آگے بڑھاتا ہے اور اس کا مقصود خدا کی جستجو ہے تو اس کی ریاضت حق پر اور شرح کے مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی دستگیری کرے گا جیسا کہ ذیل کی آیت کی نص سے ظاہر ہوتا ہے۔

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا

وہ لوگ جو ہمارے لئے جدوجہد کرتے ہیں بے شک ہم اپنی راہ پر ان کی ہدایت کرتے ہیں (سورۃ عنکبوت آیۃ ۶۹) اسی لیے اس انسان کو سعادت نصیب ہوتی ہے، اُس کی نفس پرستی یا خود کوشی دور ہو جاتی ہے۔ اور خود نمائشی اس کے قریب نہیں آنے پاتی۔ یہاں اس بات کو یاد رکھنا ضروری ہے کہ اگر اخلاق حسنہ اور اچھی عادات کا مقصد یہ ہے کہ اس طرح سے لوگوں کی نظروں کا مرکز بنا جائے اور لوگ ان خوبیوں کا ذکر ایک دوسرے سے

کریں تو یہ سمجھ لو کہ وہ نفس کی تشفی کے لئے ہیں اور وہ شخص جو اس نیت سے عمل کرتا ہے ایک خود پرست، خود بین اور خود خواہ انسان ہے۔ خود بینی اور خدا بینی دو بالکل جُدا چیزیں ہیں۔ اور خود بینی کے ساتھ خدا بینی ایک کارِ محال اور خیال خام ہے، جو باطل بھی ہے جب تمہارے وجود کی مملکت حُبِّ نفس اور حُبِّ جاہ و جلال خدا کے بندوں پر حکومت اور اُن کے درمیان شہرت کی تمنا وغیرہ سے اٹی ہوئی ہو، تمہارے ملکات کسی طرح ملکاتِ فاضلہ میں شمار نہیں کئے جا سکتے۔ تمہارے اخلاق، اخلاقِ الٰہیہ نہیں سمجھے جا سکتے۔ اس لیے کہ تمہارے وجود کی مملکت کا کارکن شیطان ہے اور تمہارے باطن کی دنیا صحیح معنی میں انسانی دنیا نہیں ہے۔ جب تم عالم برزخ میں باطن کی آنکھیں کھول کر خود کو دیکھو گے تو اپنے آپ کو ایک ایسی غیر انسانی شکل میں پاؤ گے جو شیطانوں میں سے کسی کی ہو گی۔ صحیح توحید اور خدائی آسمانی علوم کا کوئی بھی اثر اس دل پر نہیں ہو سکتا جو شیطان کی پناہ گاہ رہا ہو۔ جب تک تمہارا دل اور تمہاری اندرونی دنیا پوری طرح انسانی نہ بنے تمہارا قلب ہر طرح کی گمراہی اور کج روی و خود خواہی کی لعنتوں سے پاک نہ ہو گا۔ تمہارے وجود کی مملکت کا خدائی مملکت میں تبدیل ہونا محال ہے۔ حدیث قدسی میں ہے:

لا یسعنی ارضی ولا سمائی بل یسعنی قلب عبدی المؤمن

زمین اور آسمانوں میں کوئی چیز جمالِ محبوب کی ایسی روشن نشانی نہیں ہے جیسا کہ قلبِ مومن ہے۔

قلبِ مؤمن میں حق کارفرما ہوتا ہے نہ کہ نفس۔ مومن کا دل خودسر نہیں ہوتا۔ مومن کا دل کبھی اِدھر اُدھر نہیں بھٹکتا۔

قلب المؤمن بین اصبعی الرّحمٰن یقلّبه کیف یشاء۔

مؤمن کا دل خدائے تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان رہتا ہے وہ اس کو جیسا چاہے

نباسکتا ہے ۔ دستِ خدا مومن کی مملکتِ قلب میں کارفرما رہتا ہے ۔اس کے دل کی کیفیت اور وضع قطع سب خود حق تعالیٰ کے ہاتھ میں ہوتی ہے ۔

اے بے بس انسان ! تو جو اپنے نفس کی پرستش کرتا رہا اور تیرے دل کی مملکت میں شیطان اور جہل کا تسلط رہا ، تو نے خود خدا کے ہاتھ کو اپنے دل سے دور کیا ۔ تیرا ایمان اس طرح کا ہونا چاہیئے تھا کہ اس کے اثر سے خدائے تعالیٰ کی تجلّی تیرے دل کو نصیب ہوتی اور وہ حق کی مملکت بن جاتا ۔ پس تو یہ جان لے کہ جس وقت تک تو اس حال میں باقی رہتا ہے کہ خود نمائی کی ذلیل خصلت سے آزادی نہیں ملتی تو خدا کی نظر میں کافر ہے اور تیرا شمار منافقین کے زمرے میں ہی کیا جائے گا ، چاہے تو خود اپنے آپ کو مسلم اور مومنِ خدا سمجھتا رہے ۔

وجودِ انسانی ناموسِ الٰہی ہے :

فصل دوم :۔

اے عزیز دوست بیدار ہو اور اپنے کانوں سے فراموشی کا پھایا نکال پھینک اور خوابِ غفلت کو اپنی آنکھوں پر حرام کرلے ۔ یہ جان لے کہ خدائے تعالیٰ نے تجھ کو اپنی ذاتِ مقدس کے لئے خلق کیا ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں ارشاد ہوا ہے :

یا بنی آدم خلقت الاشیاء لاجلك و خلقتك لاجلی ۔

" اے اولاد آدم ! ہم نے سب چیزوں کو تمہارے لئے خلق کیا ہے اور تم کو خود اپنے لئے ۔"

خدائے برتر و عظیم نے تیرے دل کو اپنی منزل اور اپنی قیام گاہ بنایا ہے ۔ تو اور تیرا دل

نوامیسِ خدا کی نشانیوں میں سے ہے۔ حق تعالیٰ غیور ہے۔ ناموسِ الٰہی کا پردہ چاک کرنے کی کوشش نہ کر۔ یہ گناہ ہے، دست درازی ہے اور اُسے روا مت سمجھ۔ غیرتِ خدائی سے ڈر۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تجھے اس عالم میں اس طرح سے رسوا کرے کہ اصلاح کی تمام کوششیں ضائع جائیں اور اُن کا کوئی پھل نہ ملے۔ تو نے اپنی باطن کی دنیا میں ملائکہ اور انبیائے عظام کے سامنے ناموس الٰہی کو صدمہ پہنچایا۔ اخلاقِ فاضلہ جو خدا کے مقرب بندوں کو اس سے نزدیک کرتے ہیں اور انہیں حق کی شباہت عطا کرنے کا وسیلہ بنتے ہیں۔ تو نے ان کو دوسروں کے سپرد کر دیا۔ اپنے دل کو خدا کے دشمنوں کے حوالے کیا اور اپنے باطن کی دنیا میں شرک کو جگہ دی۔ اس بات سے خوف کھا کہ حق تعالیٰ نہ صرف دوسری دنیا میں تیری تذلیل کر سکتا ہے اور انبیائے عظام اور ملائکہ مقربین کے سامنے تجھے رسوا کر سکتا ہے بلکہ اس دنیا میں بھی تجھے بے عزت کر سکتا ہے اور ایسی ذلت میں گرفتار کر سکتا ہے جس کی تلافی کی کوئی صورت نہ ہو گی حق تعالیٰ "ستّار" یعنی عیبوں کا چھپانے والا ہے، لیکن وہ غیّور بھی ہے۔ وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا (ارحم الرّحمین) لیکن سخت ترین سزا دینے والا (اشدّ المعاقبین) بھی ہے۔ وہ عیبوں کو اس وقت تک ڈھانکتا ہے جب تک کہ وہ حد سے گزر نہ جائیں۔ ممکن ہے کہ تیری اس حرکت سے اسکی غیرت اس کی ستاری پر غالب آ جائے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں اوپر ذکر ہوا ہے

اس لئے اب بھی اپنی قدر پہچان لے، خدا سے رجوع کر اور خدا کی طرف پلٹ آ۔ خدائے تعالیٰ رحیم ہے اس کی رحمت بندوں پر مہربانی کرنے کے لئے کسی بہانے کی تلاش میں رہتی ہے۔ اگر تو خدا سے معافی کا طلب گار ہو تو وہ تیرے پچھلے تمام عیبوں کو ڈھانپ دے گا۔ اور ان کو لوگوں پر عیاں نہ ہونے دے گا۔ وہ تجھے صاحبِ فضیلت بنائے گا اور تجھ میں اخلاقی خوبیاں پیدا کرے گا۔ وہ تجھے اپنی صفات کا آئینہ دار بنائے گا۔ اور تیرے ارادے کو دوسرے عالم میں بھی کارفرما قرار دے گا۔ جس طرح کہ خود اس کا ارادہ تمام عوالم میں

کارفرما ہے۔ ایک حدیث شریف میں بیان کیا گیا ہے کہ جب اہل بہشت جنت میں پہنچیں گے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس ایک پیغام پہنچے گا، جس کا مضمون اس طرح سے ہوگا "اس زندہ اور پائندہ کی طرف سے جس کے لئے موت نہیں ہے، زندہ و پائندہ کے نام جسے موت نہیں چھو سکتی! ہم جس چیز کے لئے چاہتے ہیں کہ وجود میں آجائے اسے حکم دیتے ہیں کہ ہو جا اور وہ معرضِ وجود میں آجاتی ہے۔ آج کے دن سے تیرے لئے یہ قرار پایا ہے کہ جس چیز کے لئے تو چاہے گا کہ ہو جائے، تو حکم دے گا اور وہ ویسی ہی ہو جائے گی۔

تو اس قدر خود خواہ نہ بن اپنے ارادہ کو ارادۂ حق کا تابعدار بنا لے تو وہ ذاتِ مقدس بھی تجھے اپنے ارادے کا مظہر بنائے گی۔ تجھے اپنے امور میں شریک کرے گی اور آخرت میں اپنی ایجاد و تخلیق کی مملکت کو تیرے اختیار میں دے دے گی۔ اور یہ وہ تفویض نہیں ہے جس کا بطلان ثابت ہے۔

اس لئے اے عزیز! اب یہ تجھ پر ہے کہ اس علم کے بعد تو خدا کا راستہ اختیار کرتا ہے یا دوسرا۔ خدا ہر چیز سے بے نیاز ہے، ہم سے، تم سے، تمام مخلوقات سے ہمارے تمہارے اور ساری موجودات کے اظہارِ اخلاص کی اُسے حاجت نہیں (وہ غنی عن العالمین ہے)۔

عبادت میں ریاء:

تیسرا مقام: اس کی بھی کئی فصلیں ہیں۔

فصل ۱: اس مقام پر ریاء اور دوسرے مقامات کے مقابلے میں کہیں زیادہ

ہوتی ہے ۔ کیونکہ ہمارے ایسے لوگ ان دو مقامات تک نہیں پہنچتے ۔ اسی لیے شیطان ہم تک اوپر بیان کئے ہوئے دونوں راستوں سے غلبہ حاصل نہیں کرتا زیادہ تر لوگ مناسک کے پابند ہوتے ہیں ۔ اور ظاہری عبادات کے عادی ہوتے ہیں ۔ اس لیے شیطان بھی زیادہ تر عبادات ہی کو ان تک رسائی حاصل کرنے کا ذریعہ بناتا ہے ۔ نفس کی کرشمہ سازیاں بھی اسی مرحلہ پر زیادہ کام کرتی ہیں ۔ دوسرے الفاظ میں عوام کی بڑی تعداد جسمانی لوازمانی جنّت کے حصول میں کوشاں ہوتی ہے ۔ ان کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ نیک اعمال پر کاربند ہو کر اور برائیوں کو ترک کر کے آخرت میں اونچے مقامات حاصل کریں ۔ شیطان بھی اسی راستے سے ان کو بہکانے کے لئے آتا ہے ۔ وہ معمولی ریاء اور ظاہر داری کی جڑوں کی خوب آبیاری کرتا ہے ، تاکہ وہ پھولیں پھلیں اور اس صورت سے لوگوں کی نیکیاں اور اچھے کام گناہوں کے پھل لائیں ۔ اسی طرح مناسک اور عبادات کی پابندی جہنم کے سب سے نچلے طبقوں تک پہنچنے کا وسیلہ بن جاتی ہے ۔ وہی چیزیں جن کے ذریعے وہ چاہتے تھے کہ اپنی عاقبت بنائیں ، انکی عاقبت بگاڑنے کا سبب بنتی ہیں ۔ وہی چیز جو کسی کے لئے علیین (جنّت کا سب سے اونچا طبقہ) میں پہنچنے کا سبب بنتی ، اسی کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتے اُسے سجّین (دوزخ کا سب سے نچلا طبقہ) میں پہنچا دیتے ہیں ۔ اس لیے ضروری ہے کہ تمام لوگ جو اس زمرے میں شمار ہوتے ہیں اور جو سوائے اچھے اعمال کے اور کوئی زادِ راہ نہیں رکھتے پوری طرح احتیاط کریں کہ خدانخواستہ کہیں یہ دولت بھی ان کے ہاتھ سے نہ چلی جائے ، اور ان کو جہنم میں نہ بھیج دیا جائے ۔ کہیں سعادت کا یہ راستہ بھی بند نہ ہو جائے ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جنت کے دروازے ان کے لئے بند ہو جائیں اور جہنم کے دروازے کھول دیے جائیں ۔

ریاء کا کس طرح مقابلہ کیا جائے :

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ریاکار خود نہیں سمجھتا کہ ریاء اس کے اعمال میں سرایت کر گئی ہے۔ اور اس کے اعمال ریائی اور بیکار ہو گئے ہیں۔ انسانی نفس اور شیطان کے فریبوں کا جال اس صورت سے غیر مرئی طور پر پھیلا ہوا ہے اور انسانیت کا راستہ اتنا تاریک و تنگ ہے کہ جب تک انسان پوری احتیاط نہ برتے سمجھ نہیں سکتا کہ کیا ہو رہا ہے، اور کیا ہونے والا ہے۔ وہ اپنے تصوّر میں یہ سمجھتا ہے کہ وہ سب کام خدا کے لئے انجام دے رہا ہے جبکہ درحقیقت اس کے کام شیطان کے لئے ہوتے ہیں۔ انسان کی نظر پر اس کی خود خواہی کا پردہ پڑا رہتا ہے، جو اس کے تمام عیبوں کو اس سے چھپائے رکھتا ہے۔ ان شاء اللہ اس مسئلہ پر کسی اور حدیث کے ضمن میں بحث کی جائے گی۔ خدائے تعالیٰ سے توفیق کا خواستگار ہوں۔

مذہبی علوم کے حصول کو ہی لے لو جو اہم ترین طاعتوں اور عبادتوں میں سے ہے۔ اس عظیم الشان عبادت کی تکمیل میں بھی ایک انسان پوری طرح ریاء کا شکار بن سکتا ہے اس طرح کہ وہ خود محسوس نہیں کر سکتا۔ کیونکہ حُبِ نفس اور خود پرستی کا دبیز نقاب اس کی آنکھوں پر پڑ جاتا ہے۔ اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ کس دن علماء، رؤسا، اور فضلاء کی محفل میں وہ ایک اہم مسئلہ کو کچھ اس ڈھنگ سے حل کرے کہ اب تک اس طرح کسی نے بھی نہیں کیا تھا۔ اور سب کی نظر میں اس مسئلہ کو سمجھنے اور حل کرنے میں وہ بالکل منفرد ہو۔ اب وہ یہ سوچتا ہے کہ جس خوبی سے وہ مسئلہ کو پیش کریگا اتنا ہی زیادہ اہل محفل کی توجہ کا مرکز بنے گا۔ وہ ہمیشہ اس خیال میں رہتا ہے کہ اپنے حریفوں پر غلبہ حاصل کرے۔ وہ ایک طرح کے انداز خودنمائی اور علم فروشی کے ساتھ اس خیال

میں رہتا ہے کہ اگر اس محفل میں رؤساء میں سے کوئی اس کی تائید کر دے تو کیا کہنے ! "نور علیٰ نور" ہے۔ وہ بیچارہ یہ بھول جاتا ہے کہ یہاں علماء اور فضلاء کی نظروں میں بلندی حاصل کی تو کیا فائدہ ؟ وہ بیچارہ اس بات سے بے خبر ہے کہ وہ اس طرح بندگانِ خدا کی نظروں میں سرفراز ہو کر خدائے بزرگ و برتر اور پورے عالموں کے مالک کی نظروں میں کتنا گر جائے گا، اور اس کا یہ عمل اس کو حق تعالیٰ کے حکم سے سجّین میں پہنچا دے گا۔ ریاء کے اس عمل میں کچھ اور گناہ بھی شریک ہو جاتے ہیں، جیسے اپنے برادرِ ایمانی کو رسوا و ذلیل اور خوار کرنے اور اذیت دینے کی خواہش۔ ایک مومن کی بے عزتی اور ایذا رسانی دو ایسے گناہ ہیں کہ ان میں سے صرف ایک ہی انسان کو جہنم میں بھیجنے کے لئے کافی ہے۔ اس کے بعد بھی تمہارا نفس اپنی فریب کاریوں کا سنہرا جال پھیلائے گا، اور تم سے یہ کہے گا" میرا مقصد حکم شرع سے لوگوں کو مطلع کرنے اور سچی بات کہنے کے سوا کچھ اور نہ تھا جو خدا کی اطاعتوں میں سے افضل ترین اطاعت ہے۔ میں اظہارِ فضیلت اور خود نمائی کے لئے یہ سب کچھ نہیں کر رہا تھا " تمہیں چاہیئے کہ اپنے آپ سے استفسار کرو اور سوچو کہ تم نے جو کچھ کیا وہی کوئی دوسرا تمہارے ساتھ کرتا اور تم اس محفل میں سب کے سامنے شکست کھاتے تو تم پر کیا گزرتی ؟ اگر تمہارا جواب یہ ہو کہ تم خندہ پیشانی سے شکست کو قبول کر لیتے تو تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔ اگر اس کے بعد بھی تمہارا نفس تمہیں دھوکا دینے پر کمربستہ ہے اور کہتا ہے کہ سچائی کا اظہار کرنے میں فضیلت اور ثواب ہے اور یہ کہ میں چاہتا ہوں فضیلت حاصل کروں اور خدائے تعالیٰ کے نزدیک ثواب کا مستحق بنوں تو تمہیں اپنے نفس سے یہ کہنا چاہیئے کہ فرض کرو کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں بادقارِ طریقے پر اپنی ہار ماننے پر فضیلت عطا کر دے تو کیا تم پھر بھی دوسروں پر غلبہ حاصل کرنے کے متمنّی رہو گے ؟ اگر تم اپنے باطن میں یہ محسوس کرو کہ تمہارا نفس غلبہ حاصل کرنے

اور علماء کے درمیان شہرت پانے کی طرف مائل ہے اور چاہتا ہے کہ اس علمی بحث کے ذریعے جو افضل ترین عبادتوں اور اطاعتوں میں سے ہے۔ تم ان کے دلوں میں قدر و منزلت حاصل کرو تلبیہ سمجھ لو کہ تم ریاء کار ہو اور تمہارا یہ عمل کافی شریف کی روایت کی رُو سے ایک سجّینی عمل ہے اور تم خدا کے نزدیک مشرک ہو۔ تمہارا یہ عمل حُبِ جاہ و شرف کا نتیجہ ہے۔ روایت کے مطابق تمہارا یہ عمل تمہارے ایمان کو اس سے کہیں زیادہ نقصان پہنچا سکتا ہے، جتنا دو بھیڑیے بھیڑوں کے اس گلے کو تباہ کر سکتے ہیں، جس کا کوئی نگرانی کرنے والا نہ ہو۔ تم جو اہلِ علم ہو اور امت کی اصلاح اور رہنمائی کرنے کے دعویدار ہو، رہنمائے آخرت اور امراضِ نفس کے طبیب ہو تم پر لازم ہے کہ پہلے خود اپنی اصلاح کرو، اپنے نفس کے مزاج کو بدلو، اس کا علاج کرو تاکہ تم عالم بے عمل نہ کہلاؤ، جس کا انجام سب جانتے ہیں۔

خداوندا! ہمارے دلوں کو شرک و نفاق کی کدورتوں سے پاک فرما اور ہمارے دل کے آئینے کو حُبِ دنیا کی کثافت سے جس کی جڑ دنیوی چیزیں ہیں، چھٹکارا دلا۔ ہماری ہمراہی کر اور ہم بے چارے نفسانی خواہشوں میں گرفتار حُبِ جاہ و شرف کے شکار انسانوں کی دستگیری کر۔ اس پُرخطر سفر میں اور اس تنگ و تاریک، پُرپیچ راہ میں تو ہی ہمیں توانائی بخش سکتا ہے۔

نماز جماعت میں ریاء: نماز جماعت، اسلامی عبادتوں میں ایک بہت بڑی اور با فضیلت عبادت گنی جاتی ہے اور اس نماز کی امامت کی فضیلت بھی بہت ہے۔ اسی لئے شیطان بھی کچھ زیادہ ہی اس عبادت میں رخنہ انداز ہوتا ہے، اور کچھ زیادہ ہی امام جماعت کا دشمن ہوتا ہے۔ وہ اس فکر میں رہتا ہے کہ اس کو اس فضیلت کے ذریعے اپنے دام میں گرفتار کرلے اور اس کے عمل کو اخلاص کے جذبے سے خالی کر کے اس کو سجّین میں پہنچا دے اور اس کو مشرک بنا دے۔ لہٰذا وہ

امام جماعت میں سے بعض کے دلوں میں مختلف طریقوں سے داخل ہوتا ہے جیسے عجب کے راستے سے (جس کا ذکر انشاء اللہ اس کے بعد کی حدیث میں آئے گا) یا ریاء کے ذریعے وہ چاہتا ہے کہ اس عبادت کو لوگوں کی توجہ جلب کرنے اور ان کے دلوں میں قدر و منزلت حاصل کرنے کا وسیلہ بنائے تاکہ اس طرح لوگوں کے درمیان اس کی بڑائی اور عظمت کے چرچے ہوں۔ مثال کے طور پر جب وہ دیکھتا ہے کہ کوئی مقدس شخص نماز جماعت میں شامل ہے تو اس کی توجہ، اپنی طرف منعطف کرنے کے لئے اظہار خضوع و خشوع میں زیادتی کرتا ہے تاکہ اس حیلے سے اس شخص کو اپنی طرف متوجہ کر سکے۔ مختلف محفلوں میں ان لوگوں کے سامنے جو اس نماز جماعت میں موجود نہیں تھے وہ بار بار اس مقدس شخصیت کا ذکر کرتا ہے، مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ یہ جان لیں، کہ بڑی شخصیتیں اس کے پیچھے نماز ادا کرتی ہیں۔ اس مقدس شخصیت سے اپنی محبت اور خلوص کا اظہار وہ اس شدت سے کرتا ہے کہ اپنی تمام عمر میں خدا اور اس کے اولیاء کا ذکر بھی کبھی اس طرح نہ کیا ہوگا۔ یہ لے اور بڑھ جاتی ہے، اگر وہ شخصیت بڑے تاجروں میں سے کسی کی ہو۔ اور اگر خدانخواستہ صاحبانِ اقتدار میں سے کوئی راستہ بھول کر جماعت کی صف میں شامل ہو جاتا ہے تو اس کے ذکر کی شدت حد بیان سے باہر ہوتی ہے۔

شیطان مختصر سی جماعت کے امام کو بھی نہیں بھولتا۔ وہ اس کے قریب جا کر اس سے کہلواتا ہے کہ میں دنیوی چیزوں کو اتنا پیچھے چھوڑ چکا ہوں کہ میں نے غریب اور نادار لوگوں کے محلے کی چھوٹی سی مسجد کو اپنا ٹھکانا بنا لیا ہے۔ یہ حالت بھی پہلے والے امام کی حالت سے بہتر نہیں، بلکہ اس سے بھی بدتر ہے۔ اس لئے کہ اس کے دل میں حسد کا عیب بھی درپردہ پروان چڑھتا ہے۔ اس طرح وہ شخص جو دنیا سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکا، آخرت کا سرمایہ بھی کھو بیٹھتا ہے۔ اور دونوں جہاں میں ذلیل ہوتا ہے۔

شیطان ہمارے تمہارے ایسے لوگوں کو بھی نہیں چھوڑتا جو جماعت میں شرکت

سے بھی محروم ہیں۔ اور کم مائیگی کے احساس سے افسردہ رہتے ہیں۔ وہ ہمیں اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ ہم جماعتِ مسلمین کو شبہ کی نظر سے دیکھیں ان پر طنز کریں یا ان میں عیب تلاش کریں جماعت سے اپنی دُوری کو دنیا سے بے تعلقی کا نام دیں اور اپنے آپ کو دنیا اور دنیوی چیزوں سے بے نیاز سمجھیں اور خود کو حبِ جاہ و نفس سے پاک و پاکیزہ قرار دیں ہماری حالت ان دونوں گروہوں سے بدتر ہے۔ اس لئے کہ ہم پہلے گروہ کی طرح نہ تو پوری دنیا حاصل کر سکے، اور نہ دوسرے گروہ کی طرح ادھوری دنیا ہی بنا سکے۔ اس کے ساتھ ہمیں آخرت بھی نہیں ملتی۔ جبکہ اگر ہمارا بس چلتا تو ہم دونوں گروہوں سے بڑھ کر جاہ طلب ہوتے اور ان سے زیادہ حبِّ شرف و مال کا شکار ہوتے۔

ریاء کا گزر جماعت کی صفوں میں ؛ شیطان صرف اہم جماعت کو در غلانے اور اس کو

دارِ جہنم کرنے پر اکتفا نہیں کرتا، وہ مؤمنین کی صفوں میں بھی دخل حاصل کرتا ہے۔ چونکہ پہلی صف کی فضیلت اور صفوں کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ اور اس کے دائیں حصے کی فضیلت بائیں حصّے سے بڑھ کر سمجھی جاتی ہے اس لئے شیطان بھی اس سمت کو اپنے حملے کا نشانہ بناتا ہے بیچارے نمازی کو کھینچ کر پہلی صف میں اور اس کے بھی دائیں حصّے میں لا کھڑا کرتا ہے وہ اس کے ذہن میں یہ بات بٹھا دیتا ہے کہ لوگ اُسے اس صف میں دیکھ کر اس کی فضیلت محسوس کریں۔ وہ بیچارہ بغیر جانے بُوجھے کہ وہ کیا کر رہا ہے خاص انداز و ادا کا مظاہرہ کرتا ہے، جس سے اس کے فضل کا اظہار ہوتا ہے۔ اس طرح وہ اپنے مخفی شرک کا اعلان کر کے اپنی عبادت کو سجین میں بھیجے جانے کا وسیلہ بنا لیتا ہے۔ اس کے بعد شیطان دوسری صفوں کا رُخ کرتا ہے۔ وہ لوگ اشارے کنائے کے ذریعے صفِ اوّل میں

کھڑے ہونے والوں کا مذاق اڑاتے اور اُن پر فقرے کستے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ وہ خود ان کی کمزوریوں اور خرابیوں سے پاک ہیں۔ یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ ایک صاحب علم و فضل اور باعزت شخص شیطان کے اشارے پر آخری صف میں کھڑا ہو جاتا ہے تاکہ اس طرح وہ لوگوں پر یہ ظاہر کرے کہ اگرچہ وہ اس جگہ پر اس طرح کے لوگوں کے ساتھ بیٹھنے کا سزاوار نہیں ہے لیکن یہ اس کی بڑائی ہے کہ وہ غریبوں کے ساتھ نماز پڑھتا ہے۔ اس طرح وہ ظاہر کرتا ہے کہ اس کے نزدیک ان دنیاوی فضیلتوں کی کوئی اہمیت نہیں اور کوئی نفسانی خواہش اس کے دل میں جگہ نہیں پا سکتی۔ اسی لیے وہ صف اوّل کے لوگوں سے ملاقات بھی نہیں کرتا۔

شیطان امام اور مامور کو گمراہ کرکے ہی مطمئن نہیں ہوتا وہ کسی کی داڑھی سے چپک جاتا ہے اور اس کو مجبور کرتا ہے کہ وہ اپنا گھر یا دکان چھوڑ دے۔ وہ اس کو کھینچ کر کسی مسجد کے گوشے میں ایک مصلّے پر لے جاکر بٹھا دیتا ہے۔ اب وہ کسی بھی امام کو عادل نہیں سمجھتا لوگوں کے سامنے طویل سجدے اور رکوع کے ساتھ ایک طویل نماز ادا کرتا ہے۔ وہ خود کو یہ باور کراتا ہے کہ میں اس قدر مقدّس اور محتاط ہوں کہ غیر عادل امام کے پیچھے جماعت میں شریک نہیں ہوتا۔ ایسا شخص نہ صرف ریا اور عُجب کا شکار ہے بلکہ شرع کے احکام سے بھی بے بہرہ ہے، کیونکہ اسے یہ خبر نہیں ہے کہ تقلید کی شرائط کیا ہیں۔ وہ صرف ظاہر کو دیکھتا ہے اور اقتدار کی صحت پر اصرار کرتا ہے لیکن اس کا یہ عمل دراصل اقتداء کی شرائط سے باخبری پر منحصر نہیں۔ وہ صرف اس طرح کے عمل سے لوگوں میں اپنے تقدّس کا اعلان کرنا چاہتا ہے تاکہ اس طریقے سے لوگوں کے دلوں میں قدر و منزلت حاصل کر لے۔

اسی طرح ہمارے اور دوسرے اعمال بھی شیطان کے زیر اثر انجام پاتے ہیں۔

وہ ملعون جس دل میں بھی راستہ پاتا ہے اس کو اپنا گھر بنالیتا ہے۔ اور ہمارے ظاہری اور باطنی اعمال کو اس طرح خراب کرتا ہے کہ اعمالِ حسنہ ہمیں فائدہ پہنچانے کے بجائے جہنم کی طرف لے جاتے ہیں۔

اخلاص کی دعوت :

اے عزیز دوستو ! اسی لئے کہتا ہوں کہ اپنے اعمال کے بارے میں احتیاط برتو اور اپنے آپ سے اپنے ہر عمل کا حساب کتاب لیتے رہو، کوئی بھی کام انجام دینے سے پہلے یہ دیکھ لیا کرو کہ وہ حقیقت میں خیر ہے اور یہ بھی کہ اسکا مقصد نیک و شریف ہے یا پسِ پردہ کوئی دوسرا محرک کارفرما ہے۔ وہ شخص جو نماز شب کے مسائل پوچھتا ہے آخر اس سوال سے اس کا کیا مقصد ہے ؟ کیا وہ اصلیت میں اس مسئلہ کو نماز کی ادائیگی اور خدا کی خاطر سمجھنا چاہتا ہے یا چاہتا ہے کہ اپنے آپ کو عابد شب زندہ دار کی شکل میں لوگوں کے سامنے پیش کرے۔ کوئی شخص اپنے زیارتوں کے سفر کا ذکر کیوں لوگوں کے سامنے کرتا ہے ؟ یہاں تک کہ وہ جتنی بار اس سفر پر گیا ہے اس کا شمار بھی کرنا ضروری سمجھتا ہے ؟ کوئی شخص آخر کس لئے خیرات اور صدقات اس طرح دیتا ہے کہ لوگ بھی اس کی اس نیکی سے واقف ہوتے رہیں ؟ جب کبھی موقع ملتا ہے وہ ضرور لوگوں کے سامنے اس کا ذکر کرتا ہے۔ اگر یہ خدا کے لئے ہے اور وہ یہ چاہتا ہے کہ دوسرے لوگ بھی اس کی تقلید کریں۔ اگر یہ عمل "الدال علی الخیر کفاعلہ" (خیر کا راستہ دکھانا خیر کے کرنے کے مترادف ہے) تو اس کا اظہار درست ہے۔ اس شخص کو چاہیے کہ خدا کا شکر ادا کرے کہ خالقِ حقیقی نے اسے صاف ضمیر اور پاک قلب عطا فرمایا ہے، لیکن اپنے نفس کا اچھی طرح محاسبہ کر لیا کرے کہ کہیں نفس دھوکا تو نہیں دے رہا ہے اور یہ شیطانی چال تو نہیں ہے کہ وہ ایک ریاکارانہ عمل کو مقدس صورت میں تمہارے سامنے پیش کر رہا ہو۔

اگر یہ اظہار و اعلان خدا کے لئے نہیں ہے تو ایسے عمل کو ترک کرنا بہتر ہے۔ کیونکہ یہ "سمعہ" ہے۔ یعنی دوسروں تک اپنی نیکیوں کی خبر پہنچانا۔ یہ ریاء کے شجرِ ملعونہ ہی کا پھل ہے۔ اس عمل کو خدا تعالیٰ قبول کرنے والا نہیں۔ وہ اپنے فرشتوں کو حکم دے گا کہ اس کو سجین میں ڈال دیں۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگیں کہ وہ ہمیں کمر نفس کے شر سے محفوظ رکھے اس کے مکر بہت ہی چھپے ہوئے ہوتے ہیں۔ ہمیں یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ کیوں ہمارے اعمال خالص نہیں رہے۔ اگر ہم خدا کے مخلص بندے ہیں تو پھر کیوں شیطان ہم پر اس حد تک حاوی ہوتا ہے جبکہ اس نے خود خدا کے سامنے یہ عہد کیا تھا کہ وہ "عباداللہ المخلصین" (خدا کے مخلص بندوں) سے کوئی کام نہ رکھے گا، اور اپنے ہاتھ ان کے مقدس وجود کی طرف نہ بڑھائے گا۔ بقول شیخ بزرگوار (دام ظلہٗ) شیطان درگاہ الٰہی کا کتا ہے جو بھی خدا کا آشنا ہے اس کو وہ کبھی نہیں چھیڑتا، اسی طرح جیسے کتا صاحب خانہ کے جاننے والوں کا کبھی پیچھا نہیں کرتا۔ لیکن جب بھی شیطان کسی انجانے آدمی کو دربار الٰہی میں داخل ہوتے دیکھتا ہے تو یہ کوشش کرتا ہے کہ کسی طرح اس کی وہاں تک پہنچ نہ ہو سکے۔ اس لیے تم جب یہ دیکھو کہ شیطان بار بار تمہارے کاموں میں رکاوٹ ڈال رہا ہے تو یہ سمجھ لو کہ تمہارے کام اخلاص کے مطابق نہیں بلکہ خلوص سے خالی ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں ہیں اگر تم حقیقت میں مخلص ہو تو کیوں حکمت کے چشمے تمہارے دل سے نہیں پھوٹتے، اور زبان سے جاری نہیں ہوتے؟ تم اپنے خیال میں چالیس سال سے قربۃ الی اللہ کی نیت کرتے رہے جبکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص بھی چالیس روز تک اللہ تعالیٰ کے ساتھ باوفا اور باخلوص رہتا ہے اس کے دل سے حکمت کے چشمے اُبل پڑتے ہیں۔ پس یہ جان لو کہ ہمارے اعمال خدا کے لئے نہیں ہیں اور خود ہمیں بھی اس چیز کی خبر نہیں ہے۔ اور یہی تمام خرابی کی جڑ ہے۔

افسوس ہے ان بیچارے عبادت گزاروں پر جو نمازِ جمعہ اور نمازِ جماعت کی پابندی

کرتے رہے اور اپنے آپ کو علم و دیانت والوں کی جماعت میں شامل سمجھتے رہے۔ جس وقت وہ سلطانِ آخرت کے دربار میں آنکھیں کھولیں گے تو اپنے آپ کو نہ صرف گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والوں میں پائیں گے بلکہ ان کی حالت کفار اور مشرکین سے بھی بدتر ہو گی۔ اور وہ اپنے نامۂ اعمال کو ان کے نامۂ اعمال سے بھی زیادہ سیاہ پائیں گے۔

افسوس ہے اس انسان کے حال پر جس کی نمازیں اور طاعتیں اس کو جہنم کے شعلوں کی نذر کریں۔ افسوس ہے اس انسان کے حال پر جسکی خیرات اور زکوٰۃ ایسی شکل اختیار کرے کہ جس سے زیادہ کریہہ تر چیز انسانی تصوّر سے باہر ہو۔ تیرے حال پر افسوس ہے اے انسان! تو جو شرک کا مرتکب ہوتا ہے۔ گناہگار اور معصیت کار، خواہ ان کے گناہ کیسے ہی ہوں اگر وہ موحد ہیں تو ان کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے معاف کر دے گا۔ لیکن وہ فرماتا ہے کہ اگر توبہ کئے بغیر دنیا سے گزر جائے تو مشرک کو کسی بھی حال میں معاف نہیں کریگا۔ کیا تم نے احادیث شریفہ نہیں سنیں کہ ریاء کار بھی دراصل مشرک ہے۔ کیونکہ وہ اپنی ریاستِ دینی اپنی امامت، اپنی تدریس، اپنا روزہ، اپنی نماز اور حتیٰ کہ اپنے اعمال صالحہ محض نمود و نمائش کے لئے انجام دیتا ہے تاکہ لوگوں کے دلوں میں ان کے وسیلے سے قدر و منزلت حاصل کرے۔ یہی شرک ہے۔ اہل بیت صلوات اللہ علیہم کی روایات کے مطابق اور قرآن شریف کی آیات کے بموجب یہ ایک ایسا گناہ ہے جس کو خدا معاف نہیں کرے گا۔ اس شرک کے ارتکاب سے تو بہتر تھا کہ تم گناہانِ کبیرہ کے مرتکب ہوئے ہوتے، فاسق ہوتے، خدا کے مقررہ محرمات کی خلاف ورزی کرنے والوں میں سے ہوتے۔ لیکن خدا کی وحدانیت کے مقر ہوتے، موحّد ہوتے، مشرک نہ ہوتے۔

اے عزیز دوست! اب بھی فکر کر۔ اب بھی نجات کی راہ ڈھونڈ اور سمجھ لے کہ ناچیز انسانوں کے درمیان شہرت کوئی معنی نہیں رکھتی۔ وہ انسان جن کے دل اتنے تنگ، اتنے

چھوٹے ہیں کہ کسی چڑیا کی بھوک بھی دُور نہیں کر سکتے۔ ان میں کسی طرح کی قدرت نہیں۔ یہ کمزور اور ناتواں مخلوق کسی چیز پر بھی قادر نہیں۔ قدرت صرف ذاتِ مقدس ربوبیت کا حصّہ ہے وہی فاعلِ علی الاطلاق ہے۔ مسبّب الاسباب ہے اگر دنیا کی تمام مخلوقات مل کر کوشش کریں تو ان کی سب کی مشترکہ مساعی سے ایک مچھر بھی پیدا نہیں ہو سکتا۔ ساری قدرت خدا کے ہاتھ میں ہے۔ وہی تمام موجودات میں مؤثر ہے۔ اپنی ساری زحمتیں اور ریاضتیں یکجا کر کے عقل کے قلم سے اپنے لوحِ دل پر یہ کلمہ کندہ کر لو۔ "لا مؤثر فی الوجود الّا اللّٰہ"، کوئی مؤثر نہیں ہے دارِ وجود میں سوائے اللہ کے)

ہر طرح کی کوشش کرو کہ توحیدِ افعالی، جو توحید کا پہلا قدم ہے۔ تمہارے دل میں اچھی طرح بیٹھ جائے۔ اپنے دل کو مومن و مسلم کا دل بناؤ۔ اپنے دل کو کلمۂ مبارکہ 'لا الہ الّا اللہ' (نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے) سے روشن کر لو کہ لوگ نہ تو کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ کوئی نقصان۔ نفع اور ضرر صرف خدا کے ہاتھ میں ہے۔ آنکھوں کو اس اندھے پن سے چھٹکارا دلاؤ تاکہ روزِ حشر جو رازوں کے افشا ہونے کا دن ہے۔ تمہیں یہ نہ کہنا پڑے کہ "ربِّ لِمَ حشرتنی اعمٰی"، (میرے خدا تو نے کیوں مجھے اندھا محشور کیا) ۱۲۵ : ۲۰) ارادۂ خدا سارے ارادوں پر فائق ہے۔ اگر تمہارے دل کو اس کلمۂ طیّبہ سے اطمینان حاصل ہوا، اور اس نے اس عقیدے کو تسلیم کر لیا ہے تو یہ سمجھ لو کہ تمہارا مقصد پورا ہوا اور شرک و ریاء اور کفر و نفاق کا اندھیرا تمہارے دل سے دُور ہوا۔ یہ عقیدہ عقل اور شرع کے مطابق بھی ہے اور اس میں جبر کا کوئی شائبہ بھی نہیں۔ ممکن ہے کہ بعض لوگ جو اس کے اصولوں سے لاعلم ہیں اور ان کے کان اس کے آہنگ سے ناآشنا ہیں۔ اس پر جبر کا گمان کریں، جبکہ اس کا جبر سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ توحید ہے جبر شرک ہے۔ اور یہ کلمۂ ہدایت ہے۔ یہاں جبر و قدر کی بحث کی گنجائش نہیں، صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ

اس مسئلے کے جاننے والے سمجھ سکتے ہیں کہ جو ابھی کہا گیا ہے بہت واضح ہے اور جو اس مسئلے کو نہیں جانتے ان کو اس میں بلاوجہ دخل دینے کا کوئی حق نہیں۔ ہمارے رسولؐ نے بھی اس بات سے منع فرمایا ہے۔ ہر حالت میں خدائے مہربان و عظیم سے ہر وقت اور خصوصاً تنہائی میں بعجز و نیاز دُعا کرو کہ وہ تمہیں ہدایت فرمائے۔ اور تمہارے دل کو توحید کی روشنی سے منوّر کر دے۔ اس سے استدعا کرو کہ وہ تمہیں غیب کو دیکھنے والی اور وحدانیت سے آشنا آنکھیں عنایت فرمائے۔ تاکہ تم صرف ذاتِ واحد کی پرستش کرو۔ تمہیں دنیوی چیزوں کی پرواہ نہ رہے۔ اور تمام چیزیں تمہیں حقیر دکھائی دیں۔ عجز و عاجزی کے ساتھ اس ذاتِ مقدس سے استدعا کرو کہ وہ تمہارے اعمال کو خالص بنائے اور تمہیں سچائی اور انسان دوستی کی راہ پر ہدایت فرمائے۔ اگر تم نے اس منزل کو پالیا ہے تو پھر خدا کے اس کمزور اور ناتوان بندے کے لئے دُعا کرو کہ جس نے کبھی حقیقت کو نہیں سمجھا۔ اور اپنی ساری زندگی ہوس پرستی میں گنوا دی۔ جس کا دل گناہوں کی کدورت سے امراضِ قلبی سے اس طرح سخت ہو گیا ہے کہ کوئی نصیحت، کوئی قرآنی آیت، کوئی روایت اور حدیث، کوئی برہان اور دلیل اس پر اثر نہیں کرتی۔ شاید تمہاری دُعا سے اس کے لئے نجات کا راستہ کھل جائے۔ کیونکہ خدا کبھی کسی مومن کو اپنی درگاہ سے خالی ہاتھ نہیں لوٹاتا۔ وہ اس کی دُعا قبول کرتا ہے۔ اگر ان تمام باتوں کو تم اچھی طرح جانتے ہو اور یہ تمہارے لئے کوئی نئی چیز نہیں تو بہتر ہے کہ ان پر توجہ کرو۔ اپنے اعمال، اخلاق، حرکات و سکنات کا ہمیشہ جائزہ لیتے رہو۔ جو باتیں تمہارے دل میں ہیں ان کی اچھی طرح چھان بین کرو۔ اور اپنے نفس سے اسی طرح سختی کے ساتھ حساب طلب کرو جیسا کہ ایک شریکِ کاروبار سے طلب کیا جاتا ہے۔ جس عمل میں بھی ریاء یا دھوکا کا شائبہ پاؤ اس کو ترک کر دو چاہے وہ کتنا ہی عملِ خیر کیوں نہ ہو۔ یہاں تک کہ اگر تم دیکھو کہ واجبات کو کھلے عام تم خالص طریقے سے نہیں بجالا سکتے تو ان کو لوگوں سے دُور تنہائی

میں ادا کرو۔ حالانکہ کھل کر سب کے سامنے ادا کرنا مستحب ہے۔ واجبات کے انجام دینے میں ریاء کم ہی دیکھی گئی ہے۔ ریاء زیادہ تر مستحبات اور زوائد کے ادا کرنے میں دیکھی جاتی ہے بہرحال پوری سنجیدگی سے اور مجاہدہ کے ذریعے اپنے دل کو شرک کے میل سے پاک کرو۔ خدانخواستہ اگر کہیں تم اسی حالت میں دنیا سے گزر گئے کہ تمہارے اعمال درست نہیں تو یہ سمجھ لو کہ تمہاری نجات کی کوئی امید نہیں ہے۔ خدائے تبارک وتعالیٰ تم پر غضب ناک ہوگا جیسا کہ اس حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے جسے "وسائل الشیعہ" میں امیرالمؤمنین علیہ السلام تک پہنچنے والی اسناد کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

اِنَّہٗ قال: قال رسول اللّٰہ (ص) من تزیّن للنّاس بما یحب اللّٰہ و بارز اللّٰہ فی السّر بما یکرہ اللّٰہ لقی اللّٰہ وَھو علیہ غضبان۔

(وسائل الشّیعہ)

فرمایا امیرالمؤمنین (ع) نے کہ رسول اللہ (ص) نے فرمایا کہ جو شخص ایسے کام کو جسے اللہ پسند کرتا ہے، لوگوں میں نمائش کرنے کی غرض سے انجام دے اور درپردہ ایسی خصوصیات کو اپنائے جنہیں خدا ناپسند کرتا ہے تو اس کو خدا کے غضب کا سامنا کرنا پڑے گا (قیامت کے دن)"

اس حدیث شریف کی دو ممکنہ تشریحات ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ یہ اس شخص سے متعلق ہے جو اپنے اعمال صالحہ کی لوگوں میں نمائش کرتا ہے جبکہ وہ لوگوں سے چھپ کر اعمال قبیحہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ دوسری یہ کہ وہ شخص جو اپنے نیک اعمال لوگوں کو دکھانے کے لئے انجام دیتا ہے جبکہ اس کا دل انہیں ریاء کی نیّت سے انجام دیتا ہے۔ ہر صورت میں ریاء ضرور شاملِ حال ہے۔ کیونکہ واجبات کا بغیر ریاء کی نیّت کے ادا کرنا غضبِ الٰہی کا مورد نہیں بن سکتا۔ اس لئے دوسری تشریح زیادہ درست معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اعمال قبیحہ کا کھلم کھلا انجام دینا زیادہ بُری چیز ہے۔ خدا نہ کرے کہ مالک الملوک اور ارحم الرّحمین کسی انسان پر غضبناک ہو۔ اعوذُ باللہ

مِن غَضَبِ الْحَلِیْم۔

حضرت علیؑ کی ایک حدیث :

اس مقام کا خاتمہ ہم کافی شریف میں مولائے متقیان امیر مؤمنان علی علیہ السلام سے روایت کی ہوئی حدیث سے کریں گے۔ شیخ صدوق رضوان اللہ علیہ نے اس طرح کی ایک حدیث امام جعفر صادق (ع) سے بھی روایت کی ہے یہ ان وصیتوں میں سے ایک ہے جو رسول اکرم (ص) نے امیرالمؤمنین (ع) کے لئے کی تھی۔

عن ابی عبداللہؑ قال، قال امیرالمؤمنین (ع) ثلث علامات للمرائی ینشط اذا رائی النّاس ویکسل اذا کان وحدہٗ ویحب ان یحمد فی جمیع امورہٖ :

(اصول کافی۔ ج ۲۔ ص ۲۹۵۔ چاپ آخوندی)

فرمایا امام صادق (ع) نے کہ امیرالمؤمنین (ع) نے فرمایا کہ ریاء کار کی تین علامتیں ہیں (۱) خوشی اور فرحت ظاہر کرتا ہے جب لوگ اُسے دیکھتے ہیں۔ (۲) جب تنہا ہو تو خاموش اور کسلمند رہتا ہے (۳) اس چیز کو پسند کرتا ہے کہ جو کچھ بھی وہ کرے اس کی تعریف کیجائے چونکہ یہ اخلاقی برائی اس قدر چھپی ہوئی ہوتی ہے کہ خود انسان کو پتہ نہیں چلتا کہ اس کا باطن ریاء کار ہے اور وہ یہ سمجھتا رہتا ہے کہ اس کے اعمال خالص ہیں۔ اسی لئے ان علامات کا ذکر کیا گیا ہے کہ انسان کم از کم ان ہی کے ذریعے اپنی اندرونی حالت سے باخبر رہے اور اس برائی کو دُور کرنے کی کوئی تدبیر کرے۔ انسان خود اپنے نفس کا مشاہدہ کرے اور دیکھے کہ کیا وہ جس وقت تنہا ہوتا ہے عبادت کی طرف مائل نہیں ہوتا ؟ اور اگر بمشکل وہ اپنے آپ پر جبر کر کے عبادت کرے بھی تو وہ اسے سرسری طور پر ادا کرتا ہے اور ان،

شرائطِ پاکیزگی کا خیال نہیں رکھتا جو ضروری ہیں۔ لیکن اس وقت جبکہ وہ مساجد میں دیگر لوگوں کے مجمع میں ہوتا ہے تو وہ کس قدر دلچسپی، خوشی اور دلدہی سے عبادت کرتا ہے اور اس چیز کی طرف مائل ہوتا ہے کہ طویل رکوع اور سجود انجام دے۔ وہ کس قدر مستحبات کا لحاظ رکھتا ہے اور ان کی چھوٹی چھوٹی شرطوں کو بھی پورا کرتا ہے۔ اگر انسان اس چیز کی طرف ذرا سی بھی توجہ کرے اور اپنے نفس سے سوال کرے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ وہ عبادات کا مقدس جال بچھا کر اپنے آپ کو لوگوں کی توجہ کا مرکز بنانا چاہتا ہے؟ ممکن ہے کہ وہ اپنے آپ کو مختلف طریقوں سے اطمینان دلانے کی کوشش کرے کہ ایسا نہیں ہے مثلاً یہ کہہ کر کہ مسجد میں عبادت کرنے کا ثواب زیادہ ہے یا یہ کہ خود جماعت کا ماحول اس طرح کا ہوتا ہے کہ دل کو یک گونہ خوشی محسوس ہوتی ہے۔ اگر مسجد اور جماعت کا ذکر نہ ہو تو یہ کہہ کر کہ لوگوں کے سامنے کسی عمل کو اچھے طریقے سے انجام دینا مستحب ہے تاکہ اور لوگ بھی اس چیز کی پیروی کریں، اس پر عمل کریں۔ اور ان کے دل میں مذہب سے رغبت پیدا ہو۔ انسان ہر ممکن طریقے سے نئے نئے بہانے تلاش کرتا ہے اور اس بُرائی کو دُور کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔ جب مریض اپنے آپ کو مریض نہ سمجھے تو اس کی شفاء کی ساری اُمیدیں بے کار ہیں۔ افسوس ہے اس بدبخت کے حال پر جو اپنے باطن میں عبادت گزاری کی نمائش کا میلان رکھے اور اپنے اس میلان سے نہ صرف یہ کہ خود غافل رہے بلکہ ایک گناہ کو عبادت سمجھ کر اس کا اظہار کرے اور اس کے ساتھ اپنی خودنمائی کو مذہب کی ترویج کا نام دے۔ حالانکہ مستحبات کا خلوت میں انجام دینا زیادہ صحیح ہے۔ ایسے شخص کی اصلاح کیسے ہوسکتی ہے؟ وہ اس چیز کے بارے میں کچھ نہیں سوچتا کہ کیوں اس کا نفس لوگوں کے سامنے انجامِ عبادت سے خوش ہوتا ہے؟ کیوں لوگوں کی موجودگی میں ہی خوفِ خدا سے اس پر گریہ طاری ہوتا ہے جبکہ خلوت میں چاہے وہ کتنی ہی کوشش کرے اس کی آنکھیں نم نہیں ہوتیں؟ خوفِ خدا کہاں گیا؟

خوفِ خدا کیا صرف لوگوں کی موجودگی میں محسوس ہوتا ہے ؟ شب ہائے قدر میں تم ہزاروں لوگوں کی موجودگی میں آہ و نالہ کرتے ہو اور اس قدر سوز و گداز کا اظہار کرتے ہو، سو رکعت نمازیں اور دعائے جوشن کبیر و صغیر اور قرآن شریف کے کئی پارے پڑھتے ہو لیکن تمہاری تیوری پر بل نہیں آتا۔ تھکن کا احساس نہیں ہوتا۔ اگر کسی انسان کے کام صرف رضائے خدا کے لئے اور اس کی رحمت کے سائے میں پناہ پانے کے لئے ہیں یا جہنم کے ڈر اور جنّت کے شوق میں ہیں تو پھر وہ یہ کیوں چاہتا ہے کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے، لوگ اس کی تعریف کریں ؟ کیوں اس کے کان لوگوں کی باتوں کی طرف اور اس کا دل ان کی زبان سے تعریف سننے کے لئے متوجہ رہتا ہے۔ کیوں وہ اس بات کے لئے بے تاب رہتا ہے کہ کوئی یہ کہہ دے کہ یہ صاحب کتنے نیک ہیں۔ ہمیشہ اوّل وقت نماز پڑھتے ہیں اور مستحبات کے بارے میں اتنی زیادہ توجہ کرتے ہیں۔ حاجی صاحب کتنے اچھے آدمی ہیں۔ اگر ان تمام عبادات سے خدا کی خوشنودی مقصود ہے تو پھر عوام میں مقبولیت کی خواہش کیوں ؟ اگر جنّت کی خواہش اور جہنم کے خوف نے تمہیں ان عبادتوں پر اُکسایا تو لوگوں کی تعریف سننے کا شوق کیا معنے رکھتا ہے ؟ اس بات کو سمجھ لو کہ یہ سب ریاء کے شجرِ خبیثہ کی پیداوار ہیں۔ اور جہاں تک ممکن ہو اپنا اصلاح کرنے کی کوشش کرو۔ اور اپنے آپ کو اس طرح کے عیبوں سے پاک کرو۔

مراتبِ صفاتِ اشخاص کے درجوں سے متعیّن ہوتے ہیں

یہاں پر میں اس بات کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ صفات نفسانیہ خواہ وہ نیک ملکات ہوں یا بد، ان کے کئی درجے اور مراتب ہیں۔ جو کوئی بھی ملکاتِ حسنہ کو اپنائے اور برائیوں سے دامن بچائے اس کا شمار عرفاء اور اولیائے خدا میں کیا جاتا ہے۔ نچلے درجے کے لوگوں

کے لئے ان کے روحانی مقام کے اعتبار سے وہ چیزیں نقص نہیں جو اونچے مرتبے کے لوگوں کے لئے نقص سمجھی جائیں گی ۔ بلکہ ایک طرح سے ان کے لئے وہی نقائص کمال بھی ثابت ہو سکتے ہیں ۔ اسی طرح نچلے درجے کے لوگوں کے لئے جو چیزیں حسنات کا درجہ رکھتی ہوں گی پہلی قسم کے لوگوں کے لئے وہی چیزیں سیئات (گناہ) مانی جائیں گی ۔ ان ہی میں ریاء بھی شامل ہے جو ہماری گفتگو کا موضوع ہے ۔ اخلاص جو ریاء کی تمام صورتوں سے آزاد ہونے والوں کے لئے سب سے اونچا درجہ ہے صرف اولیائے خدا کا خاصہ ہے ۔ عام انسان اس مقام تک نہیں پہنچ سکتے ۔ عام لوگ اپنے روحانی مقام کے لحاظ سے اعلیٰ سیڑھی تک ہی پہنچ جائیں تو ان کے ایمان یا اخلاص کے لئے اتنا ہی کافی ہے ۔ عوام اپنی فطرت کے مطابق قدرتی طور پر اس چیز کی طرف مائل ہوتے ہیں کہ ان کی اچھائیاں لوگوں پر ظاہر ہوں ۔ اگرچہ وہ نیک کام محض اس نیت سے انجام نہ دیتے ہوں، پھر بھی ان کا نفس فطرتاً اس چیز کو پسند کرتا ہے ۔ یہ رجحان ان کے نیک عمل کو باطل نہیں کرتا اور نہ ان کو شرک، نفاق اور کفر کا مرتکب قرار دیتا ہے ۔ حالانکہ اولیاء اللہ اور عرفاء کے لئے یہی چیز نقص سمجھی جائے گی ۔ اور وہ اس کی وجہ سے گناہ شرک و نفاق کے مرتکب قرار دیے جائیں گے ۔ کیونکہ ان کے لئے ضروری ہے کہ اس راہ میں آگے بڑھنے کے لئے سب سے پہلے شرک و نفاق سے اپنے آپ کو پوری طرح پاک کرلیں ۔ ان کے لئے اخلاصِ مطلق حاصل کرنا ضروری ہے تب ہی وہ اونچے درجوں پر پہنچ سکتے ہیں ۔ ہمارے آئمہ علیہم السلام نے فرمایا ہے کہ ان کی عبادت عبادتِ احرار تھی، جس میں صرف حبِ خدا کا جذبہ کارفرما تھا ۔ وہ نہ بہشت کی طمع میں تھی نہ جہنم کے خوف سے ۔ اور وہ اس درجے کو ولایت کا سب سے معمولی مقام یا پہلا درجہ قرار دیتے ہیں ۔ ان کے لئے عبادت ایک جذب کی کیفیت تھی، جسے ہم اور تم نہیں سمجھ سکتے ۔ ذیل میں رسول اللہ (ص) اور امیرالمؤمنین علی علیہ السلام سے

منقول کئی حدیثیں ہیں۔ ان کے علاوہ ایک اور حدیث ہے جو زرارہ نے حضرت ابی جعفرؑ سے روایت کی ہے:

محمد بن یعقوب باسنادہ عن ابی جعفر قال سئلتہ عن الرّجل یعمل الشیی من الخیر فیراہ انسان فیسرّہ ذلک قال لم یأس ما من احد الّا وھو یحب ان یظھر لہ فی النّاس الخیر اذا لم یکن صنع ذالک لذالک۔ (اصول کافی۔ ج ۲۔ص ۲۹۷۔ چاپ آخوندی)

زرارہ کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت باقر صلوٰت اللہ علیہ سے ان لوگوں کے بارے میں سوال کیا جو نیک اعمال انجام دیتے ہیں، تو اس بات سے خوش ہوتے ہیں کہ لوگ انہیں دیکھ رہے ہیں۔ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ اس میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ کوئی ایسا نہیں ہے جو اس چیز کو پسند نہیں کرتا کہ لوگوں پر اس کی اچھائیاں ظاہر ہوں۔ بس شرط یہ ہے کہ وہ ان کو محض اسی مقصد سے انجام نہ دے کہ لوگ اُسے دیکھیں۔

پہلے درج دو حدیثوں میں سے ایک میں تعریف کی خواہش کو ریاء کی علامت ٹھیرایا گیا ہے اور دوسری حدیث میں نیک کاموں کے ظاہر ہونے سے حاصل ہونیوالی خوشی کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ یہ دو طرح کے موقف دراصل صرف اشخاص کے مراتب میں تفاوت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اختیار نہیں کئے گئے ہیں بلکہ ان کے کچھ اور اسباب بھی ہیں، جنکا یہاں ذکر کرنا مناسب نہیں ہے۔

"سمعہ" کیا ہے؟

آخر میں "سمعہ" کی اصطلاح کی تعریف و تشریح ضروری ہے 'سمعہ' کے معنی ہیں اپنی اچھی خصوصیات کو لوگوں کے کانوں تک اس لئے پہنچانا کہ ان کے دلوں میں جگہ ملے اور ان کو شہرت حاصل ہو۔ یہ خصلت ریاء کے شجرِ خبیثہ سے تعلق رکھتی ہے اسی لئے ہم نے ریاء کے ضمن میں اس کا تذکرہ کیا ہے

حدیثِ سوم

عُجب : کسی عمل کو بڑا سمجھنا اور اس پر اترانا

الحدیث الثالث بالسند المتصل الی محمد بن یعقوب عن ابی الحسن قال، سئلته عن العجب الذی یفسد العمل فقال: العُجب درجات منها ان یزین للعبد سوء عمله فیراه حسنا فیعجبه ویحسب انه یحسن صنعا ومنها ان یؤمن العبد بربه فیمن علی الله عز وجل ولله علیه فیه المن۔ الاصول من الکافی ج ۳۔ ص ۳۱۳، چھاپ اخوندی :۔

ترجمہ : علی ابن سوید کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابوالحسن علیہ السلام سے عُجب کے بارے میں سوال کیا جو عمل کو فاسد بناتا ہے۔ امام (ع) نے فرمایا کہ عجب کے کئی درجے ہیں۔ ان میں سے ایک درجہ وہ ہے جبکہ کوئی اپنے خراب کردار کا فخر سے مظاہرہ کرے، اس کو اچھا سمجھے، اس کو پسند کرے اور گمان کرے کہ وہ نیک کام کر رہا ہے۔ اور دوسرا وہ ہے جبکہ بندہ اپنے پروردگار پر ایمان لائے تو یہ فرض کرے کہ وہ اس پر احسان کر رہا ہے۔ جبکہ حقیقت میں یہ خدا کا اس پر احسان ہے (کہ اس نے اسکو ایمان کی طرف ہدایت فرمائی)

عُجب کیا ہے؟ علماء رضوان اللہ علیہم کے الفاظ کے مطابق جب کوئی اپنے عمل صالح کو ایک بڑی چیز سمجھتا ہے، اس پر فخر محسوس کرتا ہے، اس پر غرور کرتا ہے اور اسکی وجہ سے اپنے آپ کو غلطیوں سے منزہ سمجھتا ہے، یہی عُجب ہے۔ لیکن اپنے

اعمال صالحہ پر خوشی اور سُرور محسوس کرنا اور انکسار سے کام لینا اور اپنی اس توفیق کے لیے اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا اور اس کی مقدس ذات سے اور زیادہ توفیق مانگنا عُجب نہیں بلکہ ممدوح یعنی اچھی خصلت ہے۔

عظیم محدث علامہ مجلسی اخلامرحوم کی قبر کو معطر فرمائے) محقق خبیر و دانشمند کبیر شیخ اَجل بہاؤالدین عاملی رضوان اللہ علیہ سے نقل فرماتے ہیں کہ شیخ اجل نے فرمایا: اس میں کوئی شک نہیں کہ جب کوئی اعمالِ صالحہ مثلاً روزہ، شب بیداری وغیرہ انجام دیتا ہے تو اس کو ایک طرح کا کیف و سُرور حاصل ہوتا ہے۔ بشرطیکہ یہ خوشی اور سُرور اس لیے ہو کہ خدا نے اس پر عنایت کی اور نعمتیں عطا فرمائی ہیں، جن کا محصول اعمال صالحہ ہیں۔ اس جذبے کے ساتھ وہ اس چیز سے خوفزدہ رہے کہ کہیں ان میں کوئی کمی نہ واقع ہو جائے اور ان نعمتوں میں زوال نہ آئے، وہ خدائے تعالیٰ سے انہیں اور زیادہ طلب کرے، تو اس خوشی اور فخر کے احساس کو عُجب نہیں کہا جائے گا۔ لیکن اگر یہ فخر اس لیے ہے کہ یہ اعمال اسی نے انجام دیے ہیں اور یہ وہی ہے جو اس صفت کا مالک ہے۔ اور وہ اپنے اعمال کو بہت بڑا سمجھتا ہے۔ اور ان کے بھروسہ پر اپنے آپ کو ہر گناہ ہر غلطی سے برتر سمجھتا ہے۔ اور یہاں تک نوبت آتی ہے کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس نے نیک کام کر کے اللہ تعالیٰ پر احسان کیا ہے تو اس قسم کی کیفیتِ سرور کو عجب سمجھا جائے گا۔

میرے خیال میں عُجب کی یہ تعریف جو شیخ بہائی نے فرمائی صحیح ہے لیکن دونوں طرح کے اعمال عمل کی تعریف میں شامل ہیں۔ اسلئے اچھے اور بُرے دونوں طرح کے اعمال کے جسمانی اور قلبی پہلوؤں کو سامنے رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ عُجب جس طرح سے اعمالِ جسمانی کو فاسد کرتا ہے اسی طرح اعمال قلبیہ پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔ اسی طرح جیسے اچھے کام کرنے والا عُجب کا شکار ہوتا ہے اور اپنے اچھے خصال پر غرور کرتا ہے ویسے ہی اعمال بد کے ارتکاب کرنے والے بھی عُجب میں گرفتار ہوتے ہیں۔ اور اپنی بداعمالیوں پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ اوپر بیان کی گئی حدیث شریف میں ان دونوں چیزوں کی صراحت کی گئی ہے

اوران دونوں کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔عام طور پر لوگ اس پر غور نہیں کرتے۔ اِن شاءاللہ ہم دونوں پہلوؤں کا آگے چل کر ذکر کریں گے۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ وہ سُرور جو عُجب میں شمار نہیں ہوتا بلکہ صفاتِ ممدوحہ میں شمار کیا جاتا ہے۔اس کا انحصار خود شخص کی نوعیت اور حالت پر ہے۔ ہم آگے والی فصلوں میں سے ایک فصل میں اس کے بارے میں بھی بحث کریں گے۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ (جیسا کہ) حدیث شریف میں اشارہ کیا گیا ہے۔عُجب کے مندرجہ ذیل درجے ہیں۔

پہلا درجہ: ایمان اور مذہبی معلومات کی وجہ سے عُجب اور اس کے مقابل وہ عُجب ہے، جو کُفر، شرک اور عقائدِ باطلہ کی بناء پر پیدا ہوتا ہے۔

دوسرا درجہ: ملکات فاضلہ اور صفات حمیدہ پر عُجب اور اس کے مقابل اخلاقی خرابیوں، اور ملکات فاسدہ پر عُجب۔

تیسرا درجہ: اعمالِ صالحہ اور افعالِ حسنہ پر عُجب اور اس کی سمتِ مخالف میں اعمالِ قبیحہ اور افعالِ ناہنجار پر عُجب۔

ان تین درجات کے علاوہ عُجب کے کچھ اور بھی درجے اور شکلیں ہیں۔ چونکہ ان کی اہمیت نسبتاً کم ہے اس لیے وہ مذکورہ بالا مقامات کے برابر شمار نہیں کئے جا سکتے۔ خدا توفیق عطا فرمائے تو ہم ان کا بھی ذکر کریں گے۔ اور ان کے سرچشموں اور علتوں سے بھی بحث کریں گے۔ اسی کے ساتھ ان کے علاج کے بارے میں بھی آگے کی فصلوں میں غور کیا جائے گا (خدا کی مدد کیساتھ)

فصل: عُجب کے مندرجہ بالا درجات میں سے بعض تو بہت صاف اور واضح ہوتے ہیں، اگر انسان تھوڑی سی توجہ دے تو ان کو بخوبی پہچان سکتا ہے

لیکن بعض دوسرے اتنے نازک اور چھپے ہوئے اور اتنے پردوں میں پوشیدہ ہوتے ہیں کہ جب تک کوئی باریکی سے پوری طرح چھان بین نہ کرے اور صحیح طور سے جائزہ نہ لے ان کے بارے میں نہیں جان سکتا۔ اور پھر ان میں سے بعض مراتب دوسرے مراتب کے مقابلے میں زیادہ شدید اور زیادہ مہلک ہیں۔

عُجب کا پہلا مرتبہ جو سب سے بُرا ہے اور جس کے تباہ کن اثرات سب سے زیادہ ہیں - وہ حالت ہے جبکہ عُجب کی شدت کی وجہ سے انسان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ وہ اپنے ایمان اور اپنے اچھے خصال کی بنا پر اپنے ولی نعمت اور مالک الملوک پر احسان کر رہا ہے وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس کے ایمان کی وجہ سے شاید مملکت حق میں وسعت اور دین خدا میں رونق پیدا ہو گئی ہو یا یہ کہ اسکی شریعت کو رواج دے کر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (اچھے کاموں کی ہدایت کرنا اور برائیوں سے منع کرنا) پر عمل کر کے یا اس کے حدود کا اجراء کر کے یا محراب و منبر سے ہدایت وارشاد کر کے اس نے خدا کے دین کو فروغ بخشا ہے یا وہ جماعت مسلمین کی صفوں میں اپنے شامل ہونے کو یا حضرت ابو عبداللہ امام حسین علیہ السلام کی تعزیہ داری کرنے کو خدا پر، سید مظلوم پر اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک احسان سمجھتا ہے۔ گو وہ اس چیز کا اظہار نہیں کرتا لیکن اپنے دل میں وہ ان اعمال کو دین پر احسان سمجھتا ہے۔ اسی طرح سے دینی امور کے وسیلے سے، جیسے صدقات وخیرات، نادار اور غریب لوگوں کی مدد، وہ بندگان خدا کو بھی اپنا احسان مند سمجھتا ہے۔ کبھی یہ احساس اتنا چھپا ہوا ہوتا ہے کہ وہ خود اس کی تہہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ انسانوں کی خدا پر احسان گزاری اور خدا کی انسانوں پر احسان گزاری کا ذکر حدیث دوم میں آچکا ہے۔

دوسرا درجہ وہ ہے جبکہ عُجب کی وجہ سے انسان کے دل میں غرور اور احساس برتری پیدا ہوتا ہے۔ یہ چیز احسان گزاری سے الگ ہے۔ لیکن لوگ ان دونوں میں فرق نہیں کرتے۔ اس

درجہ پر انسان اپنے آپ کو حق تعالیٰ کا محبوب سمجھتا ہے اور اپنے آپ کو اس کے مقربین اور سابقین کے حلقے میں شامل کرتا ہے۔ جب بھی اولیائے خدا اور اس کے محبوبین اور مجتبین کا ذکر آتا ہے وہ اپنے دل میں اپنے آپ کو ان ہی میں سے ایک سمجھتا ہے۔

ممکن ہے کہ ریاکارانہ عمل کے ذریعے وہ اپنے خیالات کی نفی کی کوشش کرے لیکن اس طرح کہ بالواسطہ ان کا اثبات ہو۔ اگر خدا اس کو کسی بلا میں گرفتار کرتا ہے تو وہ "البلاء للولاء" (مصیبتیں دوستوں کے لیے ہیں) کا راگ الاپنے لگتا ہے۔ اہل ستر، صوفیاء، عرفاء اور اہل سلوک و ریاضت کے لئے اس خطرے سے دو چار ہونے کے امکانات زیادہ ہیں۔

تیسرے درجے پر انسان اپنے ایمان اور اپنے اچھے اعمال اور ملکات کی وجہ سے آپنے آپ کو ثواب کا مستحق سمجھتا ہے۔ اور اس چیز کو ضروری سمجھتا ہے کہ خدا اس کو اس دنیا میں بھی عزیز رکھے گا اور آخرت میں بھی اس کے درجات بلند کرے گا۔ وہ اپنے آپ کو ایک مومن اور پاک وصاف تصوّر کرتا ہے۔ اور جب کبھی ان مومنین کا ذکر آتا ہے جنکو غیب کا علم حاصل ہے تو وہ اپنے دل میں نہ صرف یہ سمجھتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ انصاف کرے تو وہ بھی ثواب اور اجر کا مستحق ہے بلکہ کبھی کبھی تو شرم وحیاء کو بالائے طاق رکھ کر اس چیز کا ذکر بھی کر بیٹھتا ہے۔ اگر کبھی اس پر کوئی بلا نازل ہوتی ہے یا اس کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آتا ہے تو دل ہی دل میں خدا پر اعتراض کرتا ہے۔ اور خدا کے کاموں میں انصاف نہ ہونے پر تعجب کرتا ہے۔ کہ وہ کس طرح ایک مومنِ پاک کو بلاؤں میں گرفتار کرتا ہے اور منافقین کو نوازتا ہے۔ وہ اپنے باطن میں خدائے تبارک وتعالیٰ کے فیصلوں پر غضبناک ہوتا ہے۔ اور ظاہر میں ان پر اپنی رضامندی کا اظہار کرتا ہے۔ دل میں تو اپنے ولیٔ نعمت پر غصّہ ظاہر کرتا ہے لیکن اس کی مخلوق کو دکھانے کے لئے "رضا بہ قضا" کا ڈھونگ رچاتا ہے۔ جب وہ سنتا ہے کہ اس دنیا میں خداوند تعالیٰ مومن کو بلاؤں میں گرفتار کرتا ہے تو اپنے آپ کو تسلی دے لیتا ہے اور یہ بھول جاتا ہے کہ منافقوں پر بھی خدا کا قہر نازل ہوتا ہے اور یہ کہ ہر

گرفتارِ بلا مومن نہیں ہوتا۔

عُجب کا ایک اور درجہ وہ ہے جب کوئی انسان اپنے آپ کو دوسرے لوگوں سے ممتاز سمجھتا ہے اور اپنے ایمان کو اور مومنین کے مقابلے میں زیادہ کامل اور اپنے اوصاف کو دوسروں کے اوصاف سے بہتر اور واجبات کے احترام میں اور محرمات کے ترک کرنے میں اپنے آپ کو اور لوگوں سے زیادہ پابند سمجھتا ہے۔ وہ نماز جمعہ اور جماعت کے دوسرے مناسک کی بجا آوری کے معاملے میں اور ترک کردہات کے لحاظ سے اپنے آپ کو اعلیٰ مقام پر فائز گردانتا ہے۔ اپنے اعمال پر اسکو اس حد تک گھمنڈ ہوتا ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کو ناچیز اور ناقص سمجھنے لگتا ہے۔ وہ سب لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اور مخفی طور پر دل میں یا اعلانیہ زبان سے بندگانِ خدا کو ملامت کرتا رہتا ہے۔ وہ ہر ایک کو درگاہِ رحمتِ حق سے دور سمجھتا ہے۔ اور صرف اپنے آپ کو اور اپنی ہی طرح کے محدود سے چند افراد کو رحمت خداوندی کا حقدار گردانتا ہے۔ اس مقام پر پہنچے ہوئے انسان کا یہ حال ہو جاتا ہے کہ وہ کسی کے اعمالِ صالحہ کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا اور لوگوں کے اعمال کو بدنیتی پر مبنی سمجھ کر شبہ کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اس کے برخلاف وہ اپنے اعمال کو کسی قسم کے شک و شبہ سے بالاتر سمجھتا ہے۔ لوگوں کے اعمال حسنہ کو حقیر اور ناچیز سمجھتا ہے جبکہ وہی عمل اگر خود سے سرزد ہوا ہو تو اس کو ایک بہت بڑی چیز سمجھتا ہے۔ دوسرے لوگوں کے عیوب کو اچھی طرح سمجھتا ہے لیکن اپنے عیبوں سے بے خبر رہتا ہے۔

یہ عُجب کی کچھ علامات ہیں اگرچہ ان سے خود ان کا مرتکب غافل رہتا ہے۔ عُجب کے اور درجات بھی ہیں جن میں سے بعض کا میں نے ذکر کیا اور کچھ اور کا ذکر حذف کرنے پر مجبور تھا یا یہ کہ میں خود ان سے غافل ہوں۔

مفسدین کا عُجب : کفار، منافقین، مشرکین، ملحدین اور اخلاقِ زشت اور پست ملکات کے رکھنے والے اور جرائم پیشہ لوگ کبھی کبھی اس نوبت کو

پہنچ جاتے ہیں کہ وہ اپنی گنہگاریوں اور دوزخی اعمال پر غرور محسوس کرتے ہیں۔ اور عُجب کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اپنے ان کردہ اعمال کی بناء پر وہ اپنے آپ کو ایک روح آزاد تصور کرتے ہیں۔ اور اپنے آپکو ہر طرح کی تقلید اور بزعم خود موہومات (اُن کے خیال میں) میں اعتقاد سے بلند اور برتر سمجھتے ہیں۔ اور اپنی اس خرابی کو بہت بڑی جراءت فکر اور مردانگی جانتے ہیں۔ وہ لوگ خدا پر ایمان رکھنے اور شرع کے اصولوں کی پابندی کرنے کو ایک طرح کی تنگ نظری اور ذہنی کوتاہی سمجھتے ہیں۔ اور اخلاقِ حسنہ اور ملکات فاضلہ کو نفس کی کمزوری اور بیچارگی کا نام دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک اعمال حسنہ، عبادات اور مناسک کی پابندی ادراک کے ضعف اور حواس کے اختلال کا دوسرا نام ہے۔ ان اخلاقی خرابیوں کو اور عدم اعتقاد اور شرع کے قوانین سے بے اعتنائی کو وہ آزاد منشی کا نام دے لیتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو قابل تعریف و توصیف سمجھتے ہیں۔ اخلاقی معایب اور بدخصالیاں ان کے دلوں میں اپنی جڑیں مضبوط کر چکی ہوتی ہیں۔ ان سے مانوس ہو جانے کے بعد ان کے کان اور آنکھیں ان چیزوں کی عادی ہو کر ان کی نظروں میں اس حد تک منزلت حاصل کر چکی ہوتی ہیں کہ وہ ان کو کمال سمجھنے لگتے ہیں۔ جیسا کہ اس حدیث شریف میں اس چیز کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ان میں سے ایک درجہ وہ ہے جب کسی بندے کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس کے اعمال اس کی زینت ہیں اور وہ ان کو اچھا سمجھنے لگتا ہے۔ دراصل یہ اشارہ ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف:

افمن زُیِّنَ لَہٗ سُوْءُ عَمَلِہٖ فَرَاٰہُ حَسَنًا (سورہ فاطر آیہ ۸)

"کیا اس کی بداعمالیاں اس کی نظروں کو خوبصورت دکھائی نہیں دیتیں (جسکی وجہ سے) وہ انہیں اچھا سمجھتا ہے"

اور یہ کہ: قُلْ ھَلْ نُنَبِّئُکُمْ بِالْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُھُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَھُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّھُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا۔ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّھِمْ وَلِقَآئِہٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فَلَا نُقِیْمُ لَھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَزْنًا"

(سورہ کہف، آیات ۱۰۳ تا ۱۰۵)

"کہو کیا ہم تمہیں بتادیں کہ کون سب سے زیادہ خسارے میں رہے گا۔ اپنے اعمال کی وجہ سے؟ وہ لوگ جن کی کوششیں دنیاوی زندگی میں بھٹکتی رہیں گی۔ اور پھر بھی وہ اپنے آپ کو اچھے کام کرنیوالوں میں شمار کرتے رہیں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے رب کی نشانیوں کو جھٹلایا، اس کی نظروں کے سامنے۔ اس لیے ان کے کام بے کار ہیں۔ اور روز قیامت ہم ان کو وزن نہیں کریں گے۔"

اس قسم کے لوگ جو جاہل ہیں اور کسی چیز کے بارے میں نہیں جانتے اپنے آپ کو بہت عالم اور باخبر سمجھتے ہیں۔ یہ دنیا کی سب سے زیادہ قابلِ رحم اور بدبخت ترین مخلوق ہیں روحانی اطباء ان کے علاج سے قاصر ہیں اور کسی طرح کی دعوت اور نصیحت نہ صرف ان پر بے اثر ہے بلکہ کبھی کبھی اس کا نتیجہ برعکس بھی نکلتا ہے۔ یہ لوگ کسی دلیل کو سننا نہیں چاہتے۔ اور اپنے کان اور آنکھیں انبیاء کی ہدایتوں اور حکماء کے براہین اور علماء کے پند اور موعظتوں کے لیے بند کئے ہوئے ہیں۔

نفس کے شر اور اس کی جعلسازیوں سے بچنے کے لیے خدا میں پناہ ڈھونڈنی چاہیئے جو اُن کو گناہوں کے راستے سے کفر کی طرف اور کفر سے عُجب کی طرف کھینچتا ہے۔ انسانی نفس اور شیطان انسان کی نظر میں بعض جرائم کے نقصان دہ اثرات کو کم کرکے دکھاتے ہیں اور اسطرح انسان سے گناہوں کا ارتکاب کرواتے ہیں۔ جب یہ خرابی اس کے دل میں اپنی جڑیں مضبوط کرچکی ہوتی ہے، اور وہ خرابی کو خرابی نہیں سمجھتا تو اور دوسرے معاصی جو پہلے گناہ سے بدتر اور بزرگتر ہوتے ہیں ان کا مرتکب ہوتا ہے اور جب وہ بار بار اسی گناہ کو بھی دہراتا جاتا ہے تو وہ بھی اسکو معمولی نظر آنے لگتا ہے۔ تب وہ اس سے بھی بڑے گناہوں کی طرف قدم بڑھاتا ہے۔ آہستہ آہستہ وہ تمام گناہانِ کبیرہ کا عادی ہوجاتا ہے اور ان گناہوں سے اس کے دل میں جو خوف اور احساس معصیت پیدا ہوتا تھا وہ بھی جاتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ ایک عادی گنہگار بن جاتا ہے۔ اور شریعت کے اصول' اور تمام قوانین الٰہی اس کی نظروں میں اپنی اہمیت کھو بیٹھتے ہیں۔ جہاں تک اس کے اعمال اُسے کفر اور الحاد کے راستہ پر آگے لے جاتے ہیں اتنا ہی وہ ان پر فخر و ناز کرنے لگتا ہے۔ آگے چل کر اس حالت

کا ذکر پھر آئے گا۔

شیطان کی حیلہ بازیاں اور نقشے :۔

جس طرح صاحبانِ عُجب اپنے گناہوں میں درجہ بدرجہ ترقی کی طرف قدم بڑھاتے ہیں یہاں تک کہ وہ کفر اور زندقہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ اسی طرح سے خدا کی عبادت میں عُجب کرنے والا بھی عُجب کے نچلے درجوں سے اس کے اونچے یا کامل درجوں تک ترقی (یا تنزل) کرتا ہے اس کا اندازہ انسانی نفس اور شیطان کی جعل سازیوں کے ذریعے لگایا جا سکتا ہے۔ یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ تم جو زہد و تقویٰ کے ملکے سے مالا مال ہو اور دل میں خوف خدا بھی رکھتے ہو تمہیں شیطان کسی کے قتل پر یا زنا جیسے گناہ کے لیے اُکسائے اسی طرح یہ بھی محال ہے کہ شیطان کسی ایسے شخص کے سامنے جو شریف خصلتوں اور طہارت نفس کا مالک ہو چوری اور رہزنی کی تجویز رکھے۔ یہ بھی ممکن نہیں کہ ابتداء ہی میں تم سے کہے کہ اپنے ان اعمال کو خدا پر احسان سمجھنے لگو یا اپنے آپ کو محبوبین یا محبّین یا مقربینِ خدا کے زمرے میں شامل کر لو۔ شروع شروع میں وہ تمہارے دل میں رخنہ پیدا کرے گا اور تمہیں مجبور کرے گا کہ تم مستحبات، اذکار اور اوراد کی حد سے زیادہ پابندی کرو اور ساتھ ہی ساتھ اس عمل کے دوران وہ تمہیں ایک گناہگار شخص کی طرف متوجہ کرے گا تاکہ تم اپنی حالت کی مناسبت سے اس کا جائزہ لو۔ تم سے سرگوشی میں یہ کہے گا کہ تم شرعی لحاظ سے اور عقل کی رُو سے اس شخص سے بہتر ہو اور تمہارے اعمال تمہاری نجات کا وسیلہ بنیں گے اور یہ کہ الحمدللہ تم ایک پاک و پاکیزہ ہستی ہو اور ہر جرم و گناہ سے عاری اور بَری ہو۔

اس کے دو نتیجے ہوں گے: پہلے تو خدا کے بندوں کے لیے تمہارے دل میں بدبینی پیدا ہوگی اور دوسرے یہ کہ تم میں خود پسندی آجائے گی۔ یہ دونوں چیزیں بہت مہلک برائیاں ہیں

جو تمام مفاسد کی جڑ ہیں۔ تم پر یہ لازم ہے کہ تم اپنے نفس اور شیطان سے یہ کہو کہ یہ شخص جو اس گناہ میں گرفتار ہے، ممکن ہے کہ اس میں کوئی خوبی ایسی ہو یا اس کے کچھ اعمال ایسے ہوں جنکی وجہ سے خدائے عزّ و جلّ اسکو اپنی رحمتوں سے نواز دے گا۔ یا شاید اسکی کسی نیکی کا نور اُسے ہدایت کی راہ پر لے آئے اور اسکی عاقبت کو سنوار دے اور یہ کہ شاید خدا نے اس کو اس گناہ میں اس لیے مبتلا کیا ہے کہ وہ عُجب سے محفوظ رہے، جو گناہ سے بھی بدتر ہے۔ جیسا کافی میں آیا ہے کہ :

عن ابی عبداللہؑ قال" اِنَّ اللہ علم ان الذنب خیرٌ للمومن من العُجب ولولا ذلک ما ابتلی مؤمنا بذنب اَبدا"

(کافی۔ ج ۲۔ ص ۳۱۳)

امام صادق (ع) نے فرمایا ہے کہ" خدا جانتا ہے کہ مومن کے لئے گناہ عُجب سے بہتر ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کبھی خدا کسی مومن کو کسی بھی گناہ میں مبتلا نہ کرتا۔"

اور شاید بدبینی کی وجہ سے میرے نیک اعمال کا نتیجہ بھی بُرا ہی نکلے شیخ جلیل عارف کامل شاہ آبادی (میری روح ان پر فدا ہو) کہا کرتے تھے کہ کسی کافر تک کو اپنے دل میں ملامت نہ کرو، شاید نورِ فطرت اسکو ہدایت کی راہ دکھائے۔ اور تمہاری سرزنش اور ملامت خود تمہاری عاقبت بد کا باعث بنے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کسی کے دل کی حالت بدلنے سے الگ ایک چیز ہے۔ وہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ کسی کافر پر لعنت نہ بھیجو، کیا معلوم کہ دنیا سے جاتے وقت اس نے ہدایت پالی ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی روحانیت تمہاری روحانی ترقی میں حائل ہو۔ بہرحال شیطان اور تمہارا نفس تمہیں عُجب کے پہلے مرحلے میں داخل کرتے ہیں۔ اور آہستہ آہستہ تمہیں اس مرحلے سے اسکے بعد کے مرحلے میں پہنچاتے ہیں۔ اسی طرح درجہ بدرجہ بڑھاتے بڑھاتے آخرکار نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ انسان اپنے اعمال اور اپنے ایمان کو اپنے ولیٔ نعمت اور مالک الملوک پر احسان سمجھنے

لگتا ہے اور اسطرح عجُب کے آخری درجہ پر پہنچ جاتا ہے۔

عجُب سے پیدا ہونے والے مفاسد :۔

عجُب خود خطرات اور مہلکات میں سے ہے۔ جو انسان کے ایمان اور نیک اعمال کو فنا اور فاسد کر دیتا ہے۔ خود اسی حدیث شریف کے مطابق راوی نے جب عجُب کے بارے میں سوال کیا کہ یہ کس طرح عمل کو خراب کر دیتا ہے تو امام علیہ السلام نے اس کے درجے کی تخصیص کرتے ہوئے فرمایا کہ ایمان کے معاملے میں عجُب بُری چیز ہے۔ حدیث سابق میں بھی کہا گیا ہے کہ حق تعالیٰ کے نزدیک عجُب گناہ سے بدتر چیز ہے۔ اسی لیے خدا مومن کو کبھی کبھی گناہ میں مبتلا کرتا ہے کہ وہ عجُب سے محفوظ رہے۔ رسول اکرمؐ نے بھی اسکو مہلکات میں سے قرار دیا ہے۔ شیخ صدوق کی "امالی" میں جناب امیرالمؤمنینؑ کی سند سے روایت کی گئی ہے کہ حضرت نے فرمایا: "مَنْ دَخَلَهُ الْعُجب هَلَكَ یعنی جس کسی میں عجُب پیدا ہوتا ہے وہ ہلاک ہو جاتا ہے" برزخ میں اور موت کے بعد اس کی حالت اس قدر وحشت خیز و ہولناک ہوتی ہے کہ کوئی وحشت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی وصیت میں حضرت امیرالمؤمنین (ع) سے فرمایا: "لا وحدة اوحش من العجب" "یعنی کسی بھی قسم کی تنہائی عجُب کی وحشتناکی سے برابری نہیں کر سکتی"

موسیٰ ابن عمران (علیٰ نبینا وآلہ علیہ السلام) نے شیطان سے پوچھا کہ وہ کون سا گناہ ہے۔ جس کے ذریعے سے تو اولاد آدم کے نزدیک آتا ہے اور ان پر تسلط پاتا ہے۔ شیطان نے جواب دیا کہ "اسوقت جبکہ وہ اپنے آپ پر عجُب کرتا ہے۔ اپنے نیک اعمال کو عظیم سمجھتا ہے اور اپنے گناہوں کو اہمیت نہیں دیتا"۔ خداوند تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام سے فرمایا کہ "اے داؤد گناہگاروں

کو بشارت دو اور صادقین کو تنبیہ کرو" داود علیہ السلام نے عرض کیا کہ "یا خداوند! کس چیز کی بشارت دوں انہیں اور کس چیز سے خوفزدہ کردوں اُن لوگوں کو"

فرمایا خداوند تعالیٰ نے کہ "گناہگاروں کو اس چیز کی بشارت دو کہ بے شک ہم ان کی توبہ قبول کرتے ہیں اور ان کے گناہوں سے درگذر کرتے ہیں۔ صادقین کو اس بات سے باخبر کردو کہ وہ اپنے اعمال پر عجب نہ کریں کیونکہ بیشک کوئی بندہ ایسا نہیں ہے کہ اس کا اگر (سختی سے) حساب کتاب لیا جائے تو وہ سزا کا مستحق نہ قرار پائے"

میں پناہ مانگتا ہوں اللہ تعالیٰ سے کہ خدا نہ کرے حساب کتاب میں مناقشہ ہو، اس لیے کہ بندگانِ صادقین اور ان سے بھی بلند مرتبہ رکھنے والوں کے لیے بھی اسمیں ہلاکت کا خطرہ ہے۔

"خصال" میں شیخ صدوق نے حضرت جعفر صادق (ع) کی سند سے روایت کی ہے کہ "شیطان کا دعویٰ ہے کہ اگر میں تین چیزوں میں ابن آدم کو زیر کرلوں تو پھر کسی چیز کی پرواہ نہیں کرتا کہ وہ کیا کرتا ہے۔ کیونکہ اسکے بعد اس کا کوئی نیک عمل قبول نہیں ہوتا (۱) جبکہ وہ اپنے عمل کو اہمیت دیتا ہے۔ (۲) جس وقت وہ اپنے گناہ کو بھول جاتا ہے (۳) جب اسمیں عجب سرایت کر جاتا ہے۔

عجب سے پیدا ہونیوالے ان مفاسد کے علاوہ جنکا ذکر کیا جاچکا ہے، اس شجر خبیثہ کی شاخوں پر اور بھی بڑے اور ہلاکت میں ڈالنے والے گناہ پھلتے پھولتے ہیں۔ جب عجب دل میں جڑ پکڑ لیتا ہے، تو انسان کا ہر کام شرک بلکہ اسی سے بھی بدتر نتائج تک اسے لے جاتا ہے۔ ان مفسدات میں سے ایک اسکا اپنے گناہوں کی طرف سے لاپرواہی برتنا ہے۔ جب کسی انسان میں عجب آجاتا ہے تو وہ اپنے نفس کی اصلاح کی بھی فکر نہیں کرتا۔ اور اپنے آپ کو بہت پاک اور پاکیزہ سمجھتا ہے۔ کبھی اسکو یہ خیال نہیں آتا کہ اپنے آپ کو گناہوں کے لوث سے پاک کرے۔ عجب آنکھوں پر پردہ ڈال دیتا ہے، خودپسندی کی دبیز نقاب اسکی بصیرت اور خرابیوں کے درمیان حائل ہوجاتی ہے۔ یہ بھی ایک لعنت ہے جو انسان کو درجۂ کمال تک پہنچنے سے باز رکھتی ہے۔ اسکو طرح طرح کی برائیوں

میں مبتلا کرتی ہے۔ اور اس کے اعمال کو ابدی ہلاکت کا باعث بنا دیتی ہے۔ اطباء نفس، (ماہرین نفسیات) بھی اس کے علاج سے قاصر رہتے ہیں۔ انسان کو اپنے آپ پر اپنے اعمال پر اس قدر اعتماد ہو جاتا ہے کہ یہ بے چارہ اور ناسمجھ اپنے آپ کو حق تعالیٰ کی ذات پاک سے بھی بے نیاز سمجھنے لگتا ہے۔ اور اس کے فضل و کرم کے حصول کی طرف بھی توجہ نہیں دیتا۔ وہ اپنی کم عقلی کا اطلاق خداوند تعالیٰ پر کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اسی معیار سے وہ اجر و ثواب کا مستحق ہے۔ وہ اپنے دل میں یہ خیال کرتا ہے کہ اگر خدا عدل سے کام لے تو لازمی طور پر اُسے ثواب کا مستحق قرار دے گا۔ اس مسئلے کے بارے میں ہم ان شاءاللہ آئندہ کسی موقع پر بحث کریں گے۔

دُوسروں کی تحقیر کرنا :

یہ بھی عُجب کے مفسدات میں سے ایک ہے کہ جو شخص عُجب کا شکار ہوتا ہے وہ خدا کے دوسرے بندوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اور دوسروں کے اعمال کو ناچیز و حقیر سمجھتا ہے چاہے وہ اس کے خود کے اعمال سے کتنے ہی اچھے کیوں نہ ہوں۔ یہ بھی انسان کی ہلاکت کا ایک ذریعہ ہے اور اس کے کمال کے راستے میں ایک بڑی رکاوٹ

ریاء کی ترغیب :

یہ بھی عُجب کے مفاسد میں سے ایک ہے کہ وہ انسان کو ریاء کاری پر اُکساتا ہے۔ اگر کوئی انسان اپنے اعمال کو ناچیز سمجھے، اپنے اخلاق کو بُری نظر سے دیکھے اور اپنے ایمان کو بھی کوئی وقعت نہ دے تو وہ کبھی اپنی ذات و صفات اور اعمال پر مغرور نہیں ہو سکتا۔ اس کے برخلاف وہ اپنے آپ

کو اوران سب چیزوں کو جن کا تعلق اس کی اپنی ذات سے ہے ہمیشہ ناقص اور بُرا سمجھے گا اور نہ کبھی ان کی نمود و نمائش کرے گا اور نہ خود نمائی کا مرتکب ہوگا۔ کبھی کوئی خراب اور ناقص چیز کو بازار میں فروخت کرنے نہیں لے جاتا۔ لیکن جب کوئی شخص اپنے آپ کو کامل سمجھتا ہے اور اپنے اعمال کو گراں قدر گردانتا ہے تو ان کی نمود و نمائش کی فکر کرتا ہے اور خود فروشی پر کمر باندھتا ہے

وہ تمام عیوب جنکا ذکر حدیث دوم میں ریاء کے باب میں آیا ہے ان کو عُجب سے پیدا ہونے والی برائیوں ہی میں شمار کرنا چاہیئے۔

غرور کا باعث ہونا :-

اخلاقی رذالت کی خرابیوں میں سے ایک بُرائی یہ بھی ہے کہ یہ اس مضر ترین اخلاقی رذیلہ کو جنم دیتی ہے جس کا نام غرور ہے۔ عُجب انسان کو تکبّر کے گناہ میں مبتلا کرتا ہے۔ (اس بات کا تفصیلی ذکر ان شاء اللہ اس کے بعد کیا جائے گا) اس کی وجہ سے دوسرے اخلاقی فسادات بھی بلا واسطہ یا بالواسطہ طور پر ظاہر ہونے لگتے ہیں، جن کا تفصیلی ذکر کافی طوالت کا باعث ہوگا یہاں صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ عُجب کرنے والے کو یہ جان لینا چاہیئے کہ یہ خصلت رذیلہ اور بھی دوسرے رذائل اخلاقی کا بیج ہے۔ اوران تمام برائیوں کا سرچشمہ ہے جن میں ہر ایک ہلاکتِ ابدی اور عذاب ابدی کے لئے کافی ہے۔ اگر کوئی ان مفاسد کو پوری طرح سمجھے تو اُسے ان کے بارے میں پورے غور و فکر کرنے کے ساتھ ان احادیث و اخبار کا مطالعہ کرنا چاہیئے جو رسول اکرم (ص) اور حضور کے اہلبیت طاہرینؑ سے روایت کئے گئے ہیں۔ البتہ یہ ہر ایک انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی اصلاحِ نفس کی کوشش کرے، اور اپنے آپ کو اس خصلتِ رذیلہ سے پاک کرے اور اس کی جڑیں اپنے نفس کے اندر سے اکھاڑ پھینکے، ایسا نہ ہو کہ خدانخواستہ وہ اس حالت میں اس دنیا سے

دوسری دنیا کا سفر اختیار کرے کہ یہ رذیل خصلت اسکے ساتھ ہو۔ ایک مرتبہ جب اس دنیا کی آنکھیں بند ہو جائیں گی اور اس پر برزخ و قیامت کا آفتاب طلوع ہوگا تو وہ دیکھے گا کہ گناہان کبیرہ کے مرتکبین بھی اس سے بہتر حالت میں ہیں۔ ان کے گناہ تو خداوند تعالیٰ اپنی رحمت کے بے حساب و بے کراں سمندروں میں ڈبو دے گا۔ اس لئے کہ انہیں اپنے گناہوں پر ندامت ہوئی تھی یا انہیں حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید مغفرت تھی لیکن یہ بیچارہ چونکہ اپنے آپ کو (کمزوریوں سے) آزاد سمجھتا تھا اور اپنی ذات کی گہرائیوں میں خود کو فضل خدا سے بے نیاز مانتا تھا، اللہ تعالیٰ نے بھی اس کے حساب کتاب میں پوری سختی سے کام لیا۔ اس لیے کہ ایسا ہی وہ خود چاہتا تھا۔ اللہ نے اپنی میزانِ عدل میں اس کے اعمال کو خوب تولا پرکھا اور اُسے اچھی طرح جتلا دیا کہ اس کی کوئی عبادت حق تعالیٰ کے لئے نہیں تھی بلکہ بالعکس اس کی تمام عبادتیں اس کو دربار الٰہی سے دور کرتی رہیں۔ نہ صرف یہ کہ اس کا ایمان باطل تھا اور اس کے تمام اعمال باطل اور ناچیز تھے بلکہ وہ اسکی ہلاکت کا موجب بھی بنے، اور اس کے جہنم میں ڈھکیلے جانے اور عذاب الیم فراہم کرنے کا باعث بھی ہوئے۔ عذابوں کا یہ بیج اس نے خود بویا تھا۔ خدا نہ کرے کہ کبھی اللہ تعالیٰ کسی کو اپنے عدل کی کسوٹی پر جانچے اور ورق عفو و درگزر بند ہو کر ورق عدل کھل جائے۔ ایسا ہوا تو شروع سے آخر تک نجات کے تمام راستے اُسپر بند ہو جائینگے۔ خاصانِ درگاہِ حق اور آئمہ معصومین علیہم السلام کی مناجاتیں اپنی خطاؤں کے اعترافات اور عجز عبودیت کے اظہار سے بھری ہوئی ہیں جبکہ تمام ممکنہ موجودات میں سب سے افضل خدا کے نزدیک ترین بندے یہ کہیں؛ "ما عَرَفناكَ حقَّ مَعرِفَتِكَ وَمَا عَبَدناكَ حقَّ عِبادَتِكَ" (ہم نے تیرا اس طرح عرفان نہیں حاصل کیا جو تیری معرفت کے شایان تھا، ہم نے تیری اس طرح عبادت نہیں کی جو تیری عبادت کا حق تھا۔) تو دوسرے لوگوں کی حالت کیا ہوگی؟! بے شک ان لوگوں کو حق تعالیٰ کی عظمت و جلالت

کا عرفان حاصل ہے۔ وہ واجب الوجود سے ممکن الوجود کے رشتے کی نوعیت کو بخوبی جانتے ہیں۔ وہ یہ چیز اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ اگر وہ دنیا میں اپنی ساری عمر بھی عبادت، اطاعت، تسبیح اور تحمید میں صرف کر دیں تب بھی اسکی نعمت کے شکر کا حق ادا نہیں کر سکتے، ثنائے ذات وصفات تو دور کی بات ہے۔

وہ یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ موجودات میں کسی کو کچھ بھی حاصل نہیں سب کی جھولی خالی ہے۔ حیات، قدرت، علم، قوت اور دوسرے تمام کمالات اسی کے کمال کا سایہ ہیں۔ ممکن الوجود فقیر محض ہے۔ اس کا اپنا کچھ نہیں، جو کچھ اُسے حاصل ہے وہ ذاتِ حق سے مستعار و مستفاد ہے۔ ممکن الوجود اپنی ذات سے خود کون سا کمال رکھتا ہے کہ کمال فروشی کا خیال بھی کرے؟ وہ لوگ جو عارف باللہ ہیں اور جمال و جلالِ حق کا عرفان رکھتے ہیں انہوں نے کھلے طور پر مشاہدہ کیا (چشم معرفت سے) کہ خود اُن میں سوائے نقص و عجز کے کچھ نہیں۔ اور کمال صرف واجب الوجود کی ذاتِ اقدس کا حق ہے۔

ہم بیچارے جن کی نظروں کے سامنے جہل، نادانی، غفلت اور خود پسندی کے پردے پڑے ہوئے ہیں اور جن کی نگاہوں کے حجابات نے ان کی روح و جسم۔ یعنی آنکھ، کان، عقل و ہوش اور تمام حواس کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہے۔ حق کی سلطنت قاہر کے سامنے اپنے مفروضہ کمالات کا اظہار کرتے ہیں اور اپنے لئے آزادی (خود مکتفی ہونے) اور کچھ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں!!

اے بے چارے ممکن الوجود! تو کہ اپنے خالق سے اپنی نسبت کے متعلق بے خبر ہے! اے بدبخت ممکن! تو کہ مالک الملوک کے آگے اپنے فرض سے غافل ہے! یہ جہل و نادانی ہے، جو تیری تمام بدبختیوں کا سبب ہے۔ اور جس نے تجھے ان تاریکیوں اور پردوں میں قید کر رکھا ہے۔ کسی کام کی خرابی کا راز خود اس کے مبداء اور مصدر میں ہے۔ نیت نتیجے پر دلالت کرتی ہے۔ پانی کی آلودگی کا باعث اس کا سرچشمہ ہی ہے۔ ہماری چشم معرفت نابینا ہے۔ اور ہمارا دل مُردہ ہے اور یہی چیز ہماری مصیبتوں کا باعث ہے۔ اور ہم اسکی اصلاح کی فکر بھی نہیں کرتے۔!

خداوندا تو ہمیں توفیق عنایت فرما۔ تو ہمیں اپنے فرائض سے آگاہ کر۔ تو نے اپنے انوار معارف سے عرفاء اور اولیاء کے دلوں کو منور فرمایا۔ اس کا شعشہ ہمیں بھی عطا فرما۔ تو اپنی قدرت اور سلطنت کی وسعتوں کا ہمیں پتہ بتلا اور ہماری کمزوریوں سے ہمیں آشنا کر۔ تو ہم بے چارے غافلوں کو جو سمجھتے ہیں کہ تمام تعریفیں خلق کے لئے ہیں۔ الحمدللہ رب العالمین تعریف خدا کے لئے ہے، جو تمام عالموں کا رب ہے) کے معنی سمجھا۔ تو ہمارے دلوں کو اس چیز سے آشنا کر کہ کوئی قابل تعریف صفت مخلوق میں نہیں۔ تو ہمیں اس راز سے آشنا فرما کہ:

ما اصابك من حسنة فمن الله وما اصابك من سيئة فمن نفسك۔

(سورۃ نساء۔ آیہ ۷۹)

"تم پر جو کوئی رحمت نازل ہوتی ہے وہ خدا کی طرف سے ہے اور جو کوئی مصیبت نازل ہو، وہ خود تمہاری طرف سے ہے"۔

ہمارے ظلمت سے مکدر اور ناہموار دلوں پر کلمۂ توحید (کے معنی) وارد کر دے۔ ہم گمراہ ہیں، اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں۔ شرک و نفاق والوں میں سے ہیں۔ ہم خود خواہ اور خود پسند ہیں تو ہمارے دلوں سے حبِ نفس اور حبِ دنیا کو نکال پھینک۔ تو ہمیں خدا خواہ اور خدا پرست بنا۔ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ بے شک تو تمام چیزوں پر قدرت رکھتا ہے۔

حبِ نفس عجب کا سرچشمہ ہے!

رذیلہ عجب حبِ نفس کی پیداوار ہے چونکہ حب نفس فطرت انسانی کا جزو ہے۔ تمام انسانی کمزوریوں اور اخلاقی خرابیوں کی جڑ یہی ہے۔ یہ حب نفس ہی ہے جو انسان کی نظروں، میں اس کے معمولی اعمال کو اہم بنا کر پیش کرتا ہے۔ اور اس وسیلے سے وہ اپنے آپ کو خوبان و

خاصان درگاہِ حق میں شمار کرنے لگتا ہے۔ وہ اپنے بے وقعت اور معمولی اعمال کی وجہ سے نہ صرف اپنے آپ کو تعریف کا مستحق اور مدح کا سزاوار جانتا ہے بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اپنے بُرے اعمال بھی اس کو اچھے دکھائی دیتے ہیں۔ اگر وہ دوسروں میں اپنے سے بہتر چیزیں دیکھتا ہے تو انہیں اہمیت دینے پر بالکل آمادہ نہیں ہوتا۔ وہ ہمیشہ لوگوں کے اچھے کاموں کو برا بنا کر پیش کرتا ہے۔ جبکہ ہمیشہ اپنی بدعملیوں اور ناہنجاریوں کو اچھائی کا رنگ دے کر بیان کرتا ہے۔ وہ خلقِ خدا کو ہمیشہ بُری نظر سے دیکھتا ہے، حالانکہ وہ اپنے متعلق ہمیشہ اچھی رائے رکھتا ہے۔ اسی حبِ نفس کی وجہ سے وہ اپنے ایک ادنیٰ سے عمل کے بدلے میں جو بذاتِ خود ہزاروں ملاوٹوں سے لبریز ہوتا ہے، حق تعالیٰ کی رحمت کا طلب گار ہوتا ہے۔

یہ زیادہ اچھا ہوگا کہ ہم آج کے دن اپنے اعمالِ حسنہ کے بارے میں سوچ بچار کریں۔ اور جو عبادتیں ہم کرتے ہیں ان کو عقل کی کسوٹی پر پرکھیں اور انصاف کی نظر سے جانچیں۔ یہ دیکھیں کہ کیا ان کی وجہ سے ہم ثواب اور رحمت کے مستحق ہیں یا مذمت اور غضب و عتاب الٰہی کے مستوجب ہیں؟ یہ سمجھنے کی سعی کریں کہ ان ہی اعمال کی بنیاد پر جنہیں ہم نیک اور اچھا سمجھتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ ہمیں قہر و غضب کے شعلوں کی نذر کرتا ہے تو اس کا فیصلہ انصاف کے مطابق ہے یا نہیں؟

میں اسوقت خود آپ کو اس مسئلے میں مُنصف بنانا چاہتا ہوں۔ اور آپ ہی سے انصاف کا متقاضی ہوں۔ ذرا غور و خوض کے بعد آپ ہی انصاف کے ساتھ اس بات کا فیصلہ کریں کہ اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو صادق اور مصدق ہیں آپ سے یہ فرماتے ہیں کہ یا ساری عمر خدا کی عبادت کرو اس کے احکام کی پابندی کرو، شہوتوں سے بچو، نفسانی خواہشوں سے پرہیز کرو یا ساری عمر خدا کی بتائی ہوئی باتوں کی خلاف ورزی کرو، اور اپنی نفسانی خواہشوں اور شہوتوں کے مطابق عمل کرو (دونوں صورتوں میں) آخرت میں تمہارے

درجوں میں کوئی فرق نہیں آئے گا، ہر صورت میں تم نجات کے مستحق ہو گے۔ جنت میں جگہ پاؤ گے اور عذاب خدا سے امان میں رہو گے۔ یا نماز پڑھو یا زنا کرو، تمہارے لئے کوئی فرق نہیں پھر بھی مرضیٔ خدا یہ ہے کہ تم اسکی عبادت کرو۔ حمد و ثنا کرو اور شہوتوں اور خواہشات نفسانی سے اس عالم میں پرہیز کرو، جس کے لئے کوئی اجر ملے گا نہ ثواب عطا ہو گا۔ تو اس صورت میں آپ اپنے لئے کیا پسند کرتے؟ یہ کہ آپ کا شمار خرابکاروں میں ہو یا یہ کہ آپ عبادت گزاروں میں شمار ہوں؟ آپ شہوتوں اور نفسانی لذتوں کو رضائے حق کے لئے اور خدا کی خوشنودی کی خاطر اپنے اوپر حرام کرتے یا نہیں؟ کیا آپ مستحبات، جمعہ اور جماعتوں کی نمازوں سے توسل اختیار کرتے یا خود کو شہوتوں اور لہو و لعب میں غرق کر دیتے؟ براہِ کرم انصاف سے بغیر کسی ظاہرداری یا ریاکاری کے جواب دیجئے۔ بندہ خود کو اور اپنی طرح کے دوسرے لوگوں کو خبردار کرنا چاہتا ہے کہ ہم لوگ گنہگاروں میں شامل ہو چکے ہیں۔ اس لئے کہ ہم اطاعتوں کو چھوڑ کر شہواتِ نفسانی کے بندے بن گئے ہیں۔

ان سب چیزوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہمارے سب کام اپنی نفسانی خواہشوں کے لئے اور شکم اور فرج کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔ اور ہم سب شکم پرست ہیں۔ اگر ہم ترکِ لذت کرتے ہیں تو اسلئے کہ زیادہ بڑی لذتوں سے بہرہ ور ہو سکیں۔ ہماری نظر اور ہمارے ارمانوں کا ہدف اور ہماری قبلہ گاہ سوائے اس کے کچھ نہیں ہے کہ بساط شہوت بچھی رہے۔ نماز جو قربِ الٰہی کی معراج ہے۔ ہم محض بہشت کی حوروں کی قربت حاصل کرنے کے لئے بجالاتے ہیں۔ اس کا قربت حق سے کوئی تعلق نہیں نہ ہی یہ خدا کے حکم کی اطاعت گزاری کے لئے ہے۔ ہماری نمازیں رضائے خداوندی کے حصول کی نیت سے ہزاروں کوس دور ہیں۔

اے معارف الٰہی سے بے خبر بے چارے انسان! تو اپنی شہوت اور غضب کے

تقاضوں کے علاوہ کچھ اور جانتا ہی نہیں۔ تو اپنے ذکر و ورد سے شغف، مستحبات و واجبات کی ادائیگی، مکروہات و محرمات کے ترک، اخلاق حسنہ کی پابندی اور سیئات اخلاق سے اجتناب کو غرض اپنے سارے اعمال کو ذرا انصاف کی ترازو میں رکھ کر دیکھ کیا تیرے یہ اعمال اپنی شہوانی اور نفسانی آرزوؤں کی تکمیل کے لئے نہیں ہیں؟ کیا ان کا مقصد زمرد ین تخت پر جگہ پانے، جنت کی شوخ و شنگ نعمتوں (حوروں) سے ہم آغوش ہونے، زرق برق ریشمی لباس پہننے، خوبصورت محلات میں رہنے اور اپنی تمام نفسانی آرزوؤں کی تشفی کے علاوہ کچھ اور بھی ہے؟ کیا یہ اعمال جو صرف نمود و نمائش اور پرستش نفس کی راہ میں ہیں، ان کو خدا سے نسبت دی جا سکتی ہے؟ کیا انہیں خدا کی پرستش مانا جا سکتا ہے؟ کیا تو اپنے آپ میں اور مزدور میں جو معاوضہ کے لیے کام کرتا ہے کوئی فرق محسوس کر سکتا ہے؟ اگر مزدور یہ کہے کہ میں محض مالک کی خاطر یہ کام کر رہا ہوں تو تو اس کی تردید کیسے کرے گا؟ کیا یہ سراسر جھوٹ نہیں ہے؟ کیسے تو یہ کہے گا کہ تو نماز اس لئے پڑھتا ہے کہ خدا کا قرب حاصل ہو؟ ہماری یہ نمازیں خدا سے نزدیکی حاصل کرنے کے لیے ہیں یا بہشت کی عورتوں کا قرب حاصل کرنے کے لئے ہیں؟ میں اعلانیہ کہتا ہوں کہ عرفاء اور اولیائے خدا کی نظر میں ہماری یہ عبادتیں گناہان کبیرہ کے زمرے میں آتی ہیں۔ اے بے بس انسان! تو خدائے جل جلالہٗ کے حضور میں، اسکے ملائکہ اور مقربین کی نظروں کے سامنے رضائے حق کی خلاف ورزی کرتا ہے وہ عبادت جو قرب حق کی معراج ہے، اس کو تو نفس امارہ اور شیطان کی خوشنودی کا وسیلہ بناتا ہے؟ اور پھر تو بغیر کسی شرم و حیاء کے اپنی عبادتوں کے درمیان خدا اور اس کے ملائکہ مقربین کے سامنے جھوٹ سے کام لیتا ہے، افتراء پردازی کرتا ہے! اس پر مستزاد یہ کہ ان پر اپنا احسان بھی جتاتا ہے، اور عجب و خود نمائی کا مظاہرہ بھی کرتا ہے!! تجھے شرم نہیں آتی؟ آخر ہماری تمہاری یہ عبادتیں گنہگاروں کے گناہوں سے جن میں بدترین گناہ ریاء ہے کس طرح مختلف ہیں؟ اس لئے کہ ریاء شرک ہے اور اس کی سب سے بڑی برائی یہی ہے کہ اس کے زیر اثر عبادت بھی

خالصتاً خدا کے لئے نہیں ہوتی ۔ ہماری تمام عبادتیں شرکِ محض ہیں جن میں نہ صرف خلوص اور اخلاص کا شائبہ تک نہیں بلکہ حصول رضائے خدا کا بھی اس میں کوئی دخل نہیں ۔ یہ صرف اپنی شہوتوں کی تسکین اور شکم اور فرج کے تقاضوں کی تکمیل کے لئے ہیں ۔

اے عزیز ! وہ نماز جو کسی عورت کے لئے ہو، چاہے وہ دنیاوی عورت ہو یا بہشتی مخلوق، ایسی نماز خدا کے لیے نہیں کہی جا سکتی ۔ وہ نماز جو زرِ دنیاوی کے لئے ہو یا دولتِ آخرت کے لئے اس کا خدا سے کوئی تعلق نہیں ، تو پھر یہ ناز و نخوت ، غمزہ و نخرا کس لئے ؟ ! یہ لن ترانی اور یہ ترانا، کیا معنی رکھتا ہے ؟ کس لئے تم خدا کے بندوں کو حقارت سے دیکھتے ہو اور اپنے آپ کو اس کے خاص بندوں میں شمار کرتے ہو ؟ اے قابلِ رحم انسانو ! تم یہ نہیں جانتے کہ تمہاری یہ نمازیں تمہیں عذاب کا مستحق بناتی ہیں اور تمہارے لیے طویل و عریض زنجیروں کی قید کا سامان ہیں ! تو پھر کیوں تم اپنے آپ کو کسی اجر کا، کسی صلہ کا مستحق سمجھتے ہو ؟ اور اسی توہم کی بنا پر عُجب و تکبّر کرتے اور اپنے لئے ایک اور عذاب کا انتظام کرتے ہو ؟ تم اپنے اعمال کو فرض کی طرح انجام دو ۔ اس بات کو یاد رکھو کہ تمہاری یہ طاعات خدا کے لئے نہیں ہیں ۔ اور یہ سمجھ لو کہ یہ محض خدائے تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ وہ تمہیں جنت میں جگہ دے گا ۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی کمزوری اور ضعف کا لحاظ رکھتے ہوئے ان کو ایک قسم کے شرک کے لئے معاف فرماتا ہے ۔ اور اپنی رحمت اور ستّاری سے ان کی پردہ پوشی کرتا ہے ۔ اس پردۂ ستاریت کو چاک نہ ہونے دو ، حق کی مغفرت کا نقاب ان سیئات کے چہروں پر پڑا رہنے دو ۔ جنکو ہم نے اور تم نے عبادتوں کا نام دے رکھا ہے ! خدانخواستہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ستاریت کا یہ ورق الٹ جائے ۔ اور اس کے بجائے عدل کا باب کھول دیا جائے ! اگر ایسا ہوا تو تم پر کھلے گا کہ ہماری عبادتوں کی سٹرانہ گنہگاروں کے گناہوں کے تعفّن سے کمتر نہیں ! اس سے پہلے ہم نے ایک حدیث کی طرف اشارہ کیا تھا جسے ثقۃ الاسلام کلینی نے کتاب کافی میں امام صادق (ع) کی سند سے روایت کیا ہے ۔ یہاں

وہی حدیث مکمل طور پر دوبارہ بعینہٖ نقل کیجاتی ہے۔

عَنْ ابی عبداللہ علیہ السلام قال: قال رَسُوْلُ اللہ (ص) قال اللہ عزّ وجلّ لداؤد علیہ السلام یا داؤدُ بشّرِ المُذنبین وانذرِ الصدّیقین قال کیف ابشّرُ المُذنبین وانذرُ الصدّیقین قال: یا داؤد بشّرِ المُذنبین انّی اقبل التوبۃ واعفُو عن الذّنب وانذرِ الصدّیقین الّا یعجبوا باعمالھم فانّہ لیس عبدٌ انصبہُ للحساب الّا ھلک۔

(کافی۔ج ۲۔ص ۳۱۴۔ چاپ اخوندی)

حضرت امام صادق سلام اللہ علیہ حضرت رسول اکرم (ص) سے روایت فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ خدائے عزوجل نے حضرت داؤد (ع) سے فرمایا کہ اے داؤد گنہگاروں کو مژدہ سناؤ اور صادقین کو دھمکی دو۔ داؤد (ع) نے عرض کیا کہ کس طرح سے گنہگاروں کو مژدہ سناؤں اور کیسے صادقین کو ڈراؤں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے داؤد گنہگاروں کو خوشخبری دو کہ ہم نے ان کی توبہ قبول کی اور صادقین کو اس چیز کی تنبیہہ کرو کہ اپنے اعمال پر عُجب نہ کریں۔ کیونکہ کوئی بندہ ایسا نہیں ہے کہ جس کو ہم حساب کے لئے بلائیں اور وہ ہلاک نہ ہو (یعنی عذاب کا مستحق نہ قرار پائے اس لئے کہ پورے انصاف کے تقاضے سے حساب کتاب ہو تو کسی بھی بندے کی عبادتیں خدا کی ان گنت نعمتوں میں سے کسی ایک نعمت کے شکرانے کا بھی حق ادا نہیں کرسکتیں)

یہ جان لینے کے بعد کہ صادقین تک جو گناہوں سے پاک ہیں، اگر حساب کتاب ہو تو ہلاکت میں پڑ سکتے ہیں۔ سوچو ہماری اور تمہاری کیا حیثیت! ہم اپنے لیے کیا کہہ سکتے ہیں؟ وہ بھی اس صورت میں جبکہ ہمارے تمہارے اعمال اس ریاء سے جو ہلاکت میں ڈالنے والی ہے، پاک ہوں اور اس چیز کا امکان کم ہے کہ ہمارے اعمال ریاء اور نفاق سے خالی ہوں! یہاں اس چیز کا ذکر کئے بغیر آگے نہیں بڑھا جاسکتا کہ اگر تمہارے خیال میں اب بھی عُجب و خود نمائی کی گنجائش ہے تو عبادتوں پر ناز و غمزہ کرو۔ ورنہ انصاف سے کام لو اور دیکھو کہ تمہارے لئے

شرمندگی و سرنگونی اور خطاؤں کے اعتراف کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تو پھر اپنی ہر عبادت کے بعد پوری سنجیدگی سے استغفار کرو۔ وہ تمام جھوٹ جو خدا کے حضور میں تم نے کہے ہیں اور تمام اچھائیاں جو تم نے ناحق اپنے آپ سے منسوب کی ہیں ان کے لئے توبہ کرو۔ کیا نماز شروع کرنے سے پہلے تمہارا یہ پڑھنا کہ تم خدا کے حضور میں کھڑے ہو سچ ہے؟ اور کیا حسب ذیل الفاظ کی ادائیگی تم سے توبہ کا تقاضا نہیں کرتی؟

وجهتُ وجهي للذي فطر السموات والارض حنيفاً مُسلماً وما انا من المشركين
ان صلواتي ونُسُكي ومحياي ومماتي لله رب العالمين ۔ (سورۃ انعام ۔ آیہ ۱۶۲)

(بے شک میری عبادت اور میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا اللہ ہی کے لیے ہے، جو تمام عالموں کا رب ہے)

کیا واقعی تمہاری مراد زمینوں اور آسمانوں کے خالق سے ہے؟ کیا واقعی تم مُسلم ہو اور شرک سے مبرّا ہو؟ کیا تمہاری نماز و عبادت اور زندگی اور موت واقعی خدا کے لیے ہے؟ کیا نماز میں "الحمد للہ رب العالمین" (تمام حمد و سپاس خدا کے لئے مخصوص ہے) کہتے وقت تم شرم نہیں محسوس کرتے؟ کیا تم واقعی تمام تعریفیں صرف خدا کے لئے مخصوص سمجھتے ہو، جبکہ اس کے بندوں کو بلکہ اس کے دشمنوں کو بھی ان میں شریک کرتے ہو؟ کیا تمہارا "رب العالمین" کہنا جھوٹ نہیں ہے جبکہ تم اسی دنیا میں ربوبیت کا حق اللہ کے علاوہ کسی اور سے منسوب کرتے ہو؟ کیا اس عمل کے لئے توبہ کی ضرورت نہیں ہے؟ کیا یہ شرمندگی کا مقام نہیں ہے کہ جب تم کہتے ہو "ایاك نعبدُ وایاك نستعين" (تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے استعانت چاہتے ہیں) تو کیا واقعی تمہاری عبادت خدا کے لیے ہے اور اپنی شہوتوں کی تسکین کے لئے نہیں ہے؟ تم خدا کے طالب ہو یا حورالعین کے پرستار ہو؟ کیا تم صرف خدا سے مدد کے طلبگار ہو؟ روزمرہ کے تمام کاموں کے دوران جو تیری نظروں کے سامنے نہیں کیا

وہ خدا ہے؟ جب تم زیارت بیت اللہ کے لئے جاتے ہو تو کیا تمہارا مطلوب و مقصود خدا ہی ہوتا ہے؟ اور کیا تمہارا دل شاعر کے لفظوں میں واقعی گنگناتا ہے ؎

وَ ما حبّ الدّیار شغفن قلبی،
وَ لکن حبّ من سکن الدّیارا،

کیا تم درحقیقت خدا کی تلاش میں ہو، اس کے جمال و جلال کے جلوؤں کے طلبگار ہو؟ کیا تم سیّد مظلومانؑ کے لئے مجلس منعقد کرتے ہو؟ اور ان ہی کی خاطر اپنا سر و سینہ پیٹتے ہو؟ یا اپنی خواہشوں اور آرزوؤں کو پانے کے لئے ایسا کرتے ہو؟ کہیں تمہارا شکم تو تمہیں مجلس عزاداری منعقد کرنے پر مجبور نہیں کرتا؟ کہیں تمہاری شہوت تو تمہیں نماز جماعت پر جانے کے لئے مجبور نہیں کرتی؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ تمہاری ہوائے نفس تمہیں عبادت اور مناسک میں کھینچ کر لیجاتی ہو؟

میرے بھائی! اپنے نفس اور شیطان کے فریبوں سے ہوشیار رہو۔ وہ یہ نہیں چاہتا کہ تمہارا کوئی عمل بھی خالص رہے اور پھر ان ہی غیر خالص اعمال کو اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے قبول بھی کرنے پر آمادہ ہو تو وہ یہ نہیں چاہتا کہ تم منزل پر پہنچ سکو۔ وہ کچھ ایسا کرتا ہے کہ بے جا عجب اور خودنمائی کی وجہ سے تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں ان سے کوئی نفع حاصل نہ ہو اور الٹا تم رضائے حق سے بھی دُور ہو جاؤ۔ اور پھر بہشت اور حورالعین کچھ بھی تمہارے ہاتھ نہ آئے۔ اس کا امکان ہے کہ اس کے بجائے عذابِ ابدی اور آتشِ قہر تمہارا مقدر بنے۔ یہ سڑے گلے ٹوٹے پھوٹے اعمال جو ریا، سمعہ اور ہزاروں دوسری آلودگیوں سے ملوث ہیں۔ جن میں سے ہر ایک تمہارے اعمال کے قبول ہونے میں مانع ہے۔ کیا تم گمان کرتے تھے کہ ان کے سہارے تمہیں اللہ تعالیٰ پر حق حاصل ہو گیا ہے۔ اور تم اس کے محبّین اور محبوبین میں شامل ہو گئے ہو؟ اے بدبخت انسان! اے سچے محبّین خدا کے حال سے بے خبر! تجھے ان کی آتشِ قلب کا کیا پتہ؟ اے بے مایہ غفلت شعار! تجھے مخلصین کے دلوں کے

سوز و گداز اور اُن کے اعمال کے نور کے بارے میں کیا علم ہے؟ تو اس غلط فہمی میں ہے کہ ان کے اعمال بھی تیرے میرے اعمال جیسے ہوں گے؟ کیا تو یہ خیال کرتا ہے کہ حضرت امیرالمومنینؑ کی نماز ہماری نمازوں سے صرف اس لیے ممتاز ہے کہ وہ "ولا الضّالّین" کے حد کو دیر تک کھینچ کر پڑھتے تھے؟ یا اس لیے کہ ان کی قرائت تیرے مقابلے میں زیادہ صحیح تھی؟ یا اس لیے کہ ان کے رکوع و سجود طویل تر ہوتے تھے؟ اور ان کے اذکار و اوراد تیرے اذکار و اوراد سے کہیں زیادہ ہوتے تھے؟ یا ان بزرگوار کو صرف یہ امتیاز حاصل تھا کہ ہر رات وہ کئی سو رکعت نمازیں پڑھا کرتے تھے؟ کیا سیدالساجدینؑ کی مناجات ہماری تمہاری مناجات کی طرح تھیں؟ کیا وہ بھی جنت کی حوروں کی خاطر، جنّت کی گلابی اور اناروں کی خاطر اس قدر گریہ و زاری کرتے تھے؟ قسم ہے ان بزرگ ہستیوں کی! (وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ عَظِيمٌ) بے شک یہ ایک عظیم قسم ہے۔ اگر ہم سب مل کر بھی چاہیں کہ حضرت امیرالمؤمنینؑ کی طرح صرف ایک بار "لا الٰہ الا اللہ" کہہ سکیں تو یہ ممکن نہیں۔ میرے سر پر خاک اگر میں یہ سمجھوں کہ یہ کہہ کر میں نے ولایت علیؑ کے مقام کی معرفت کا حق ادا کر دیا! قسم ہے مقامِ علیؑ بن ابی طالب کی کہ اگر تمام ملائکہ، مقرّبین اور انبیائے مرسلین (سوائے رسول خاتم النبیین (ص) کے جو علیؑ کے بھی مولا ہیں اور دوسروں کے بھی) مل کر چاہیں کہ ان کی ایک تکبیر ادا کریں تو نہیں کر سکتے۔ ان کے دل کا حال سوائے خود ان کے اور کوئی نہیں جانتا۔

اے عزیز گرامی قدر! اسقدر لاف زنی مت کر، خدا کی محبت کا اتنا دعویٰ نہ کر۔ اے عارف! اے صوفی! اے حکیم، اے مجاہد! اے عبادت گزار، اے فقیہہ! اے مومن، اے مقدّس اے گرفتارانِ بے چارگی! اے حبِّ نفس اور اس کی آرزوؤں کے غلامو! تم سب بے بس ہو، لاچار ہو۔ تم سب خلوص اور خود خواہی سے کوسوں دور ہو۔ اپنے متعلق اس قدر خوش فہمی میں مبتلا نہ رہو۔ اپنے اوپر اس قدر بے جا ناز و غرور نہ کرو۔ اپنے دلوں سے پوچھو اور کہو کہ وہ سچ

سچ بتلائیے کہ اُسے خدا کی جُستجو ہے ! یا خود اپنی تلاش ہے ؟ تمہارا دل موحد ہے اور صرف ایک کا طالب ہے یا مُشرک ہے اور دوگانہ پرست ہے ؟ یہ عُجب، یہ خود بینی کیا ؟ کس لیے ؟ اپنے اعمال پر اتنا پھولنا، اس قدر اکڑنا کیا معنی رکھتا ہے ؟ فرض کرلو کہ تمہارے عمل کے تمام اجزاء دُرست ہیں، وہ تمام شرائط پر پورا اترتا ہے، وہ ریا، شرک، عُجب اور سارے فسادوں سے خالی ہے، پھر بھی اس کا مقصود و منتہا اپنے شکم و فرج کی تشفی ہی تو ہے ! ایسا عمل کیا اس لائق ہے کہ تم اُسے ملائکہ کے سپرد کرسکو ؟ تمہیں چاہیئے کہ ایسے اعمال کو سب کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھو۔ یہ اعمال برائیوں اور گناہوں کی پوٹ ہیں۔ انسان کو چاہیئے کہ ان پر شرمندہ ہو اور انہیں حتی المقدور ہر آنکھ سے چھپائے رکھے۔

اے خداوند ! شیطان اور خود اپنے نفسِ امّارہ کے شر سے بچنے کے لیے ہم تیری ہی پناہ چاہتے ہیں۔ تو ہی ہے جو ہمیں ان کے دھکوں اور فریبوں سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔

محمدؐ و آلِ محمدؐ کے صدقے میں ہماری یہ درخواستیں قبول فرما۔!

حدیث چہارم

تکبّر اور دوسروں پر اپنی فوقیت جتانا

تکبّر قابل ملامت خصوصیات اور رذائل میں شمار ہوتا ہے، جو روحانی بالیدگی اور کمال کے لئے سخت نقصان دہ ہے۔ تکبّر عجب سے اور اپنے آپ کو دوسروں کے مقابلے میں اہم محسوس کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ خواجہ نصیر الدین طوسی کے خیال میں وہ انسان جو عجب کی بلا میں گرفتار ہوتا ہے، اپنے آپ سے جھوٹ بولتا ہے (وہ فضیلت جو اس میں نہیں اسکو اپنے آپ سے نسبت دیتا ہے) لیکن متکبّر دوسروں سے جھوٹ بولتا ہے حالانکہ وہ اس کا گمان نہیں رکھتا (کہ وہ دوسروں سے جھوٹ بول رہا ہے) اپنے آپ کو اس منزلت کے مستحق ٹھہراتا ہے جس کا وہ مستحق نہیں[1]۔ اپنی کتاب کیمیائے سعادت میں غزالی نے عجب اور کبر کو رذائل کی ایک ہی قسم میں رکھا ہے۔ انہوں نے اسکی تعریف اسطرح کی ہے کہ کبر اور اپنے آپ کو اہم سمجھنا قابل ملامت ہے۔ اور یہ حقیقت میں حق تعالیٰ سے خصومت رکھنے کے مترادف ہے۔ کیونکہ صرف وہی کبریائی اور عظمت کا سزاوار ہے[2]۔

---

[1] اخلاقِ ناصری، صفحہ ۱۳۳ (چاپ علمیہ اسلامیہ۔ تہران)

[2] کیمائی سعادت، ج ۲۔ ص ۲۴۷

تکبّر انسان کو کمال اور بڑائی کی راہ میں آگے بڑھنے سے باز رکھتا ہے۔ اور چونکہ اس خصوصیت کا حامل بلا وجہ اور بغیر کسی صلاحیت کے اپنے آپ کو صاحب فضیلت سمجھتا اور اسی بل بوتے پر دوسروں پر اپنی بڑائی اور فوقیت جتاتا ہے۔ حالانکہ وہ ان سے عاری ہوتا ہے۔ اور اس طرح سے وہ اپنے آپ کو اس فضیلت واقعی کے حصول سے بے نیاز سمجھتا ہے جبکہ اس کو اوروں سے زیادہ اسکی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ ایک فرضی نفسیاتی لعنت ہے جو فضیلت کے حصول کی راہ میں حائل ہوتی ہے اس سے بڑی بدبختی اور روحانی گرفتاری اور کیا ہو سکتی ہے کہ کس چیز سے عاری اپنے آپ کو اس چیز کا مالک سمجھے۔!

حدیث: بالسند المتصل الی محمد بن یعقوب عن علی ابن ابراھیم عن محمد ابن عیسٰی عن یونس ابن ابان عن حکیم قال: سئلتُ اباعبد اللہ (ع) عن ادنی الالحاد فقال ان الکبر ادناہ [1]

متصل سند کی بنا پر یہ حدیث محمد بن یعقوب نے علی بن ابراہیم سے انہوں نے محمد بن عیسٰی سے انہوں نے یونس سے، انہوں نے آبان سے اور انہوں نے حکیم سے روایت کی، حکیم نے کہا کہ میں نے امام جعفر صادق (ع) سے حق سے پھر جانے (الحاد) کے پست ترین درجے کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ یقیناً کبر (غرور) ہی اس کا پست ترین درجہ ہے۔

کبر (غرور) کیا ہے؟

کبر ایک نفسیاتی حالت سے عبارت ہے۔ جب انسان اپنے آپ کو دوسروں سے بلند سمجھتا اور ان پر خود کو فوقیت دیتا ہے۔ یہ بات اس کے اعمال سے ظاہر ہوتی ہے اور اس کے آثار اتنے نمایاں ہوتے ہیں کہ لوگ بخوبی سمجھ جاتے ہیں کہ یہ شخص تکبّر میں مبتلا ہے یہ صفت عُجب

---

[1] ترجمہ اصول کافی۔ ج ۲۔ ص ۴۵۶۔

سے الگ ایک چیز ہے۔ جس طرح پہلے ذکر کیا جا چکا ہے یہ صفتِ زشت وخبیث و رذیل عُجب کی ہی پیداوار ہے۔ اور اسی شاخ کا ثمر ہے۔ اسلیئے کہ عُجب خودپسندی کا نام ہے۔ جبکہ کبر دوسروں پر بڑائی جتانے اور عظمت فروشی کو کہتے ہیں۔ انسان جب اپنے آپ میں کوئی کمال دیکھتا ہے، تو اس کے اندر ایک تبدیلی پیدا ہوتی ہے۔ جو سرور و شگفتگی اور ناز کی کیفیت ہوتی ہے، اسی کا نام عُجب ہے۔ جب وہ گمان کرتا ہے کہ دوسروں میں یہ خوبی نہیں تو ایک دوسری تبدیلی اس کے اندر آتی ہے کہ وہ بڑائی اور تفوق کا اظہار کرتا ہے۔ جسکے نتیجے میں وہ اپنی بڑائی کا مظاہرہ کرتا، اکڑتا اور اپنی عظمت کے خبط میں مبتلا ہوتا ہے۔ اسی کو کبر یا غرور کہتے ہیں۔ یہ سب چیزیں باطن میں اور دل کے اندر رونما ہوتی ہیں۔ لیکن ان کے اثرات ظاہر میں بھی، انسان کی چال ڈھال میں افعال واقوال میں صاف دکھائی دیتے ہیں۔

تکبّر انسان کو خودبین اور خودپسند بنا دیتا ہے۔ جیسے جیسے اس کی خودپسندی بڑھتی جاتی ہے وہ اور بھی خودبین بنتا جاتا ہے۔ اور جیسے جیسے خودپسندی میں اضافہ ہوتا ہے، اس کی خودستائی بھی بڑھتی جاتی ہے۔

جاننا چاہیئے کہ نفسیاتی خصوصیات، چاہے وہ نقائص ورذائل ہوں یا کمالات وفضائل ایک دوسرے میں اتنی گڈمڈ ہوتی ہیں اور ان کے امتیازی خطوط اتنے باریک ہوتے ہیں کہ ان کو الگ الگ دیکھنا اور پہچاننا انتہائی مشکل ہو جاتا ہے۔ کبھی کبھی ان کے درمیان حدفاصل کھینچنے کا یہ مسئلہ بزرگ علماء کے درمیان بھی شدید آپسی اختلاف کا باعث بنتا ہے۔ ایک نفسیاتی صفت کی تعریف کرتے وقت کئی خدشات رہتے ہیں۔ اس لئے بہتر یہی ہوگا کہ ہم مفہوم تراشی سے خود کو دور رکھیں۔ اور ان امور کو ضمیر پر چھوڑ دیں۔

یہ جاننا چاہیئے کہ غرور کے بھی کئی درجے ہیں۔ جس طرح عُجب کے ضمن میں ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں سے بعض درجات اسی طرح کے ہیں جو عُجب میں پائے جاتے ہیں۔ لیکن چونکہ وہاں

ان کی اہمیّت کم تھی اور یہاں بڑھ جاتی ہے، اس لئے ان کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ جس طرح عجُب کے بیان میں بتایا گیا ہے اسی طرح کبر کے بھی چھ درجات ہیں۔

۱۔ ایمان وعقائدِ حسنہ پر غرور۔

۲۔ اس کے برخلاف کفر اور عقائدِ باطلہ پر غرور۔

۳۔ ملکات فاضلہ اور صفاتِ حمیدہ پر غرور۔

۴۔ رذائل اخلاق اور ملکات ناہنجار پر غرور۔

۵۔ عبادات واعمالِ صالحہ پر غرور۔

۶۔ جرائم اور بُرے افعال پر غرور۔

یہ بھی ممکن ہے کہ ان میں سے ہر ایک درجہ اپنے تناظر درجۂ عجُب کی داخلی کیفیّت کے مطابق ہو اور اسی کی پیداوار ہو یا پھر ممکن ہے کہ اس کا اور بھی سبب ہو۔ اس بحث کو ہم آگے کے لئے اٹھا رکھتے ہیں۔ جن چیزوں کا خصوصیّت سے ذکر کرنا ضروری ہے وہ خارجی اسباب سے متعلق ہیں۔ مثلاً حسب ونسب، مال و دولت، سیادت و ریاست وغیرہ۔ ہم ان شاءاللہ دوسری فصلوں کے ضمن میں ان میں سے بعض کی برائیوں اور ان کے علاج کے بارے میں حتی المقدور بحث کریں گے۔ خدائے تعالیٰ سے توفیق کی استدعا ہے۔

غرُور کے دوسرے درجات اور مراتب :

دوسرے اعتبار سے غرور کے مندرجہ ذیل درجات ہیں۔

۱۔ خدائے تعالیٰ سے غرور۔

۲۔ انبیاء ومرسل اور اولیائے صلوٰۃ اللہ علیہم سے غرور۔

۳۔ خدائے تعالیٰ کے احکام سے سرکشی جو خدائے تعالیٰ سے غرور کے مترادف ہے۔

۴۔ خدا کے بندوں سے تمرّد جو اہل معرفت سے غرور اور خدائے تعالیٰ سے غرور کے مترادف ہے

خدائے تعالیٰ کے ساتھ غرور، غرور کی تمام صورتوں سے قبیح تر اور مہلک ترین شکل ہے۔ یہ غرور کا سب سے بڑا اور بدترین درجہ ہے۔ اس طرح کا غرور اہل کفر، منکرین اور خدائی کا دعویٰ کرنے والوں میں دیکھا جاتا ہے لیکن کبھی اس کی مثال بعض مذہبی افراد میں بھی ملتی ہے۔ جس کا ذکر مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ یہ جہل، نادانی اور واجب الوجود کے مقام کا عرفان نہ ہونے اور اپنی حد کو نہ جاننے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ لیکن انبیاء اور اولیائے خدا کے ساتھ غرور انبیاء کے زمانہ حیات میں بہت دیکھنے میں آیا ہے جس کا ذکر خدا تعالیٰ نے کیا ہے:

انؤمن لبشرین مثلنا (سورۃ مؤمنون۔ آیہ ۴۷)

.... کیا ہم اپنی طرح کے دو انسانوں پر ایمان لائیں؟

اسی قبیل کے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْآنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ۔

(سورۃ زخرف۔ آیہ ۳۱)

اور انہوں نے کہا: کیا یہ قرآن صرف ان دو شہروں کے کچھ بڑے لوگوں پر نازل ہوا؟

اولیائے خدا سے غرور کی مثالیں صدر اسلام میں بہت ملتی ہیں، جیسے وہ لوگ جو منتحلین (یا منسوبین) کہلاتے ہیں اس زمانے میں پیدا ہوتے رہے۔ (یہ آیاتِ خدا کو خود سے منسوب کرنے والے تھے۔)

خداوند تعالیٰ کے احکام سے سرکشی بعض گناہ پیشہ لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ جیسا کہ کوئی حج کا قصد نہیں کرتا اس لئے کہ اسکے لوازم (جیسے احرام کا لباس) کو اپنے لئے مناسب نہیں سمجھتا۔ وہ نماز نہیں پڑھتا کہ وہ سجدے کی حالت کو اپنے مقام کے لئے درست نہیں سمجھتا۔ اسی قسم کا غرور کبھی بعض

پابند مناسک عبادت گزاروں اور صاحبانِ علم و دیانت میں بھی دیکھا گیا ہے۔ جیسے کوئی اذان دینے کو اپنے شایانِ شان نہ سمجھ کر اس سے کنارہ کشی اختیار کرے یا قولِ حق کو اس وجہ سے قبول نہ کرے کہ اُسے پہنچانے یا دہرانے والا اس کے برابر کا یا اس سے کمتر درجے کا شخص ہے۔ کبھی یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ کوئی شخص ایک چیز کو اپنے کسی دوست یا ہم مرتبہ سے سنتا ہے تو اس کو پوری شدت سے رد کر دیتا ہے۔ اور اس چیز کے ماننے والے کو لعن طعن کا نشانہ بناتا ہے۔! مگر جب وہی بات کسی ایسے شخص سے سنے جو دینی یا دنیاوی رتبے میں اس سے بڑا ہو تو وہ اس کو فوراً مان لے گا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلی بار اس نے اس کو جس شدت سے رد کیا تھا اسی شدت اور سنجیدگی سے اس کو قبول کرنے پر اصرار کرے۔ ایسا انسان سچائی کا طالب نہیں ہوتا بلکہ اس کا غرور سچ کی راہ میں حائل ہوتا ہے۔ اور اس کی خوشامد پرستی اس کو اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے۔ یہ اس قسم کا غرور ہے جو کسی شخص کو کسی خاص علم یا کسی کتاب کی تدریس ترک کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ اس لیے کہ وہ اس کی تعلیم کو اپنے شایانِ شان نہیں سمجھتا یا وہ ظاہری طور پر گم نام لوگوں کو درس دینا یا بہت کم لوگوں کی جماعت کو پڑھانا پسند نہیں کرتا۔ اسی طرح بعض افراد چھوٹی مسجد میں چھوٹی سی جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا پسند نہیں کرتے حالانکہ یہ جانتے ہیں کہ رضائے حق تعالیٰ اسی میں ہے۔ یہ رویہ اتنا مخفی اور نازک ہوتا ہے کہ جو شخص اس کا شکار ہوتا ہے وہ بھی سمجھ نہیں سکتا کہ اس کا یہ عمل اس کے غرور کی دلیل ہے [۴] اس بات کو وہی سمجھتے ہیں جنہیں اصلاح نفس کی فکر ہو اور وہ نفس کی چال بازیوں سے خوب واقف ہوں۔

لیکن خدا کے بندوں کے ساتھ غرور کی بدترین شکل عالمانِ دین اور دانشمندوں کا غرور ہے اس لیے اس کے مفاسد اور اس کے نقصانات بھی سب سے بڑھ کر ہیں۔

۴۔ پوشیدہ نہ رہے کہ جس، ترکِ قبول کا ذکر ہوا ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں، ایک تو یہ کہ اوامرِ خدا سے انکار کیا جائے، دوسرے یہ کہ بندگانِ خدا کے ساتھ غرور کا مظاہرہ کیا جائے۔

اس غرور کی شکلیں بہت سی ہیں۔ جیسے غربا، کی محفل سے دور رہنا، مجالس و محافل میں آگے بیٹھنا، لوگوں کے ساتھ رفتار و گفتار میں تفوق و امتیاز روا رکھنا۔ اس غرور کے مظاہر اشراف و امرا سے لے کر تمام علمائے دین اور محدثین، دولت مندوں سے لیکر غربا، و فقرا، تک سبھی طرح کے افراد میں دکھائی دیتے ہیں۔ سوائے ان کے جنکو خدائے تعالیٰ نے اس لعنت سے اپنے حفظ و امان میں رکھا ہے۔ عام طور پر اکثر صورتوں میں انکسار اور تملق، تکبر اور قناعت میں فرق کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگے اور دعا کرے کہ وہ اسے ہدایت کی راہ دکھائے۔ اگر کوئی اپنے علاج کی تدبیر کرے اور اپنے مقصد کے حصول کی کوشش کرے تو حق تعالیٰ کی ذاتِ مقدس اپنی رحمتِ واسعہ سے اس کی رہنمائی کرے گی۔ اور اس کے راستے کی مشکلیں آسان ہوں گی۔

غرور کا مبداء کیا ہے؟

غرور کے کئی اسباب ہیں۔ لیکن ان سب کی اصل وجہ یہی ہے کہ انسان کہیں مفروضۂ کمال کی بناء پر اپنے آپ میں عجب محسوس کرتا ہے جو حبِ نفس (اپنے آپ سے محبت) کے ساتھ ملکر دوسروں کی اچھائیوں اور کمالات کو اس سے چھپانے کا باعث بنتا ہے۔ اور وہ ان کو اپنے مقابلے میں ناقص اور ناچیز سمجھنے لگتا ہے۔ یہی چیز اس کے داخلی اور ظاہری تکبر کا سبب ہوتی ہے۔ علمائے عرفان میں کبھی ایسی مثال دیکھنے میں آتی ہے کہ کوئی اپنے آپ کو اہل معرفت و شہود سمجھ کر اپنے آپ کو صاحبان دل میں شمار کرتا اور اعلیٰ ترین اخلاقی خوبیوں کا حامل گردانے لگتا ہے۔ وہ حکماء و فلاسفہ کے علم کو سطحی اور فقہاء و محدثین کو ظاہر بین اور عام لوگوں کو جاہل سمجھنے لگتا ہے۔ وہ تمام بندگانِ خدا کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اور خود فنا فی اللہ و لقای اللہ کی لے الاپتا ہے۔ اور اس کا بانگ دُھل اعلان بھی کرتا رہتا ہے حالانکہ معرفتِ الٰہی کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ انسان تمام موجودات کو اچھی نظر سے دیکھے۔ اگر اس نے عرفانِ الٰہی کی ذرا سی خوشبو بھی پالی ہوتی تو جمال اور جلالِ حق کے مظاہر سے تکبر نہ برتتا، جیسا کہ وہ اپنے علم کا بیان کرتے وقت اپنے انداز سے ظاہر کرتا ہے۔ نہ صرف یہ کہ معرفتِ الٰہی کا اس کے دل میں دور دور تک کوئی پتہ نشان بھی نہیں

ہے بلکہ وہ بیچارا مقام ایمان سے بھی کوسوں دور ہے۔ لیکن عرفانِ خدا کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس نے عرفان کا مزا بھی نہیں چکھا، لیکن اس میں اعلیٰ مرتبہ پانے کا مدعی ہے۔ حکماء میں بھی ایسے لوگ دیکھنے میں آتے ہیں جو اپنے آپ کو صاحبِ برہان اور علم حقائق کا ماہر سمجھتے ہیں۔ اور اس بناء پر اپنا شمار اللہ تعالیٰ، ملائکہ، صحائف آسمانی اور رسولوں پر یقین رکھنے والوں میں کرتے ہیں۔ وہ دوسروں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور تمام دوسرے علوم کو علم میں شمار نہیں کرتے۔ وہ خدا کے تمام بندوں کو ناقص سمجھتے ہیں۔ اور علم و ایمان کی بناء پر ان سے غرور و تکبر کا سلوک روا رکھتے ہیں۔ وہ باطن اور ظاہر دونوں میں لوگوں کی طرف نخوت و تکبر کی نظر سے دیکھتے ہیں جبکہ مقام ربوبیت کا عرفان اور ممکن الوجود کے فقر کا علم ان سے اس کے بالکل برعکس عمل و قول کا متقاضی ہوتا ہے۔ حکیم وہ ہے جو اپنے ملکات کے سرمائے کو مبداء اور معاد کے وسیع علم کے لحاظ سے حقیر سمجھے۔ خدائے تعالیٰ نے لقمان کو حکمت عطا کی تھی، قرآن شریف کے نص کے مطابق ان بزرگوار نے اپنے بیٹے کو یہ حکم دیا تھا کہ:

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ۔ (سورۃ لقمان۔ آیت ۱۸)

"لوگوں سے حقارت کا سلوک نہ کرو اور نہ زمین پر تکبر سے چلو۔ بے شک اللہ کسی شیخی خور کو دوست نہیں رکھتا۔"

کبھی کبھی ارشاد تصوف اور تہذیب باطن کے دعویداروں میں بھی ایسے لوگ دیکھنے میں آتے ہیں جو عام لوگوں کے ساتھ غرور سے پیش آتے ہیں۔ اور علماء و فقہاء اور ان کی پیروی کرنے والوں کو بُری نظر سے دیکھتے ہیں۔ وہ لوگ علماء اور حکماء پر طعنہ زنی کرتے ہیں۔ اور اپنے علاوہ دوسرے تمام افراد کو خصوصاً انہیں جو خود ان کے قائل نہیں ہیں اہل عذاب اور ہلاکت میں شمار کرتے ہیں۔ چونکہ خود علم سے عاری ہوتے ہیں۔ تمام علوم کو اپنی راہ کا کانٹا سمجھتے ہیں۔ اور ان علوم کے ماہروں کو راہِ سلوک کا شیطان کہتے ہیں۔ جس اعلیٰ مقام کے وہ دعوے دار ہوتے ہیں ان کا رویہ اس کے تقاضوں کے

برخلاف ہوتا ہے جبکہ خدا کے بندوں کی ہدایت کے مدعی اور گمراہوں کے مرشد ہونے کے ناطے ان کو تمام مہلکات اور دوزخی خصائل سے پاک ہونا چاہیئے۔ ایسے افراد کو دنیاوی چیزوں سے بلند، ماوراء اور جلوۂ جمالِ حق میں محو ہونا چاہیئے۔ ایسے شخص کے لئے یہ لازم تھا کہ وہ بندگانِ خدا سے غرور و تکبر نہ برتتا اور ان کو بُری نظر سے نہ دیکھتا۔ فقہا، علمائے فقہ، محدثین اور طلباء میں بھی گاہے گاہے ایسے اشخاص دیکھنے میں آتے ہیں جو دوسروں کو حقیر سمجھتے ہیں۔ اور ان پر اپنے آپ کو فوقیت دیتے ہیں۔ وہ صرف اپنے آپ کو ہی عزت و اکرام کا مستحق سمجھتے ہیں۔ اور اس چیز کو لازم سمجھتے ہیں کہ تمام لوگ ان کے حکم کے تابعدار رہیں۔ وہ جو کچھ کہیں بغیر چون وچرا ہر ایک اُسے مان لے۔ وہ خود کو مصداق سمجھتے ہیں اس آیت کریمہ کا:

لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وھم یُسْئَلون۔ (سورۃ انبیاء۔ آیت ۲۳)

(اس سے اس کے کسی بھی عمل کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا لیکن وہ مورد سوال قرار پائیں گے۔)

وہ سوائے خود کے اور اپنی ہی طرح کے تھوڑے سے لوگوں کے کسی دوسرے کو اہلِ بہشت میں نہیں شمار کرتے۔ وہ سوائے اپنے علم کے، حالانکہ اسمیں بھی وہ کچھ نہیں جانتے۔ دوسرے تمام علوم کو ہدف طنز و ملامت بنائے رہتے ہیں۔ انہیں بغیر سمجھے اور جانے رد کر دیتے ہیں۔ اور ان کو مایۂ ہلاکت اور بربادی ٹھیراتے ہیں۔ دوسرے علوم کے ماہرین اور علماء کو جہل اور نادانی کا الزام دے کر مردود قرار دیتے ہیں۔ ان کا رد یہ کچھ اس طرح کا ہوتا ہے کہ گویا مذہبیت کا تقاضا یہی ہے کہ دوسرے عالموں کی توہین اور تحقیر کی جائے۔ حالانکہ سچی مذہبیت اور دینداری اس طرح کے چیزوں سے مبرّا۔ شریعتِ مطہرہ بغیر کسی علم کو جانے ہوئے اس پر رائے دینے کو حرام قرار دیتی ہے۔ اور مسلمان کی حرمت کو واجب مانتی ہے۔ یہ بے چارہ علم و دینداری سے بے خبر اور خدا اور رسول کے اقوال کے خلاف عمل کرتا ہے۔ اور اس کو دین کا نام دیتا ہے۔ جبکہ اسلاف و اخلاف اور علمائے کرام کا عمل اس سے بالکل مختلف تھا۔ علوم شرعیہ میں سے ہر ایک اس بات کا متقاضی ہوتا ہے کہ اس کا جاننے والا خود میں

تواضع کی صفت پیدا کرے۔ اور اپنے دل میں غرور و تکبر کو پنپنے نہ دے۔ کوئی علم ایسا نہیں ہے جو تکبر پیدا کرتا ہو اور تواضع اختیار کرنے میں مانع ہو۔ یہاں اس بات کا اس لیے ذکر کیا جا رہا ہے کہ مذکورہ بالا اشخاص کا علم ان کے اعمال کی تائید نہیں کرتا۔ دوسرے علوم جیسے طب، ریاضی، علوم طبیعی کے ماہرین اور ٹیکنالوجی کے ماہرین میں بھی غرور کی بہت مثالیں ملتی ہیں۔ یہ افراد بھی دوسرے علوم کو، چاہے کتنے ہی اہم کیوں نہ ہوں ہیچ سمجھتے ہیں۔ اور ان کے ماہرین کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک یہ گمان رکھتا ہے کہ اصل علم وہی ہے جو اس کے پاس ہے۔ یہ اپنے دل میں دوسروں کو حقیر سمجھتے ہیں، اور اپنے رویہ میں لوگوں سے غرور اور تکبر برتتے ہیں۔ جبکہ ان کا علم بھی انہیں اس طرز رفتار کی اجازت نہیں دیتا۔ عالموں کے علاوہ دوسرے لوگوں میں بھی مثلاً مذہبی مناسک اور عبادات کی پابندی کرنے والوں میں بہت سے ایسے لوگ ملیں گے جو دوسروں سے غرور کا برتاؤ کرتے ہیں۔ وہ دوسرے لوگوں کو حقیر سمجھتے ہیں، اور ان کی تحقیر کرتے ہیں۔ اور دینی علماء تک کو نجات کا مستحق نہیں سمجھتے۔ جب کبھی علم کا ذکر آتا ہے تو کہتے ہیں کہ بغیر عمل کا علم بیکار ہے، اصل چیز تو عمل ہے۔ جس علم سے انہیں شغف ہوتا ہے اسی کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ اور دوسرے تمام طبقات کے ساتھ عُجب و غرور برتتے ہیں۔ حالانکہ اگر کوئی صاحب اخلاص اور حقیقی عبادت گزار ہے تو اس کو چاہیئے کہ اپنے عمل کی اصلاح کرے۔ نماز منکرات اور فحشاء سے روکتی ہے اور مومن کی معراج کہلاتی ہے۔ لیکن یہ شخص جس نے پچاس برس نماز گزاری میں بسر کئے ہیں اور واجبات ہی نہیں مستحبات پر بھی سختی سے کاربند رہا ہے۔ اس نے غرور ایسی رذیل عادت ہوا الحاد کی جڑ ہے اور عُجب کو جو الحاد ہے، جو تمام فحشاء سے بُری شے ہے، اپنے اعمال اور افکار میں دخیل کر لیا ہے۔ اسطرح سے اس نے شیطان اور اس کے کردار سے قربت اختیار کر لی ہے۔ وہ نماز ہی نہیں جو فحشاء سے روکے اور قلب انسانی کی دیکھ بھال نہ کرے بلکہ اس کی کثرت دل کو فاسد اور اعمال کو خراب کر دے، مجھے مغرور بنا دے جو شیطان کی خاصیت ہے، تو وہ نماز کہاں رہی؟ نماز کا اقتضاء یہ نہیں کچھ اور ہے

یہ تو علم و عمل کے نتیجے میں پیدا ہونے والے غرور کا بیان تھا ان کے علاوہ دوسرے مصادر بھی ہیں جن سے غرور جنم لیتا ہے۔ ان حالتوں میں بھی آدمی اپنے کمال پر نازاں ہوکر دوسروں کو ان سے محروم جانتا ہے مثلاً اعلیٰ حسب و نسب کا مالک دوسرے سے جو اس کی طرح اعلیٰ نسب نہیں غرور سے پیش آتا ہے یا صاحبِ حسن و جمال ان افراد سے تکبّر برتتا ہے جو صاحبِ جمال نہیں یا جمال کے پرستار ہیں۔ اسی طرح کوئی اپنے رشتہ داروں، دوستوں اور شاگردوں کی کثرت کی وجہ سے دوسرے لوگوں کے ساتھ جو اس نعمت سے بہرہ ور نہیں، غرور سے پیش آتا ہے۔ ان تمام مباحث کا خلاصہ یہ ہے کہ غرور نام ہے اُس ہیجت و سرور اور عُجب کا جو کسی شخص میں اپنے کسی مفروضہ کمال کی بناء پر اور دوسروں کو اس سے محروم پاکر پیدا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اخلاق فاسدہ اور اعمال قبیحہ کے حامل لوگ بھی دوسروں سے غرور سے پیش آتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ اپنی مذموم صفات کو بھی ایک قسم کا کمال سمجھتے ہیں۔ باوجود اس کے کہ غرور کا حامل شخص بعض مصلحتوں کی بناء پر اس کا اظہار کرنے سے پرہیز کرے اور حتی الامکان اُسے مخفی رکھنے کی کوشش کرے۔ لیکن چونکہ اس شجر خبیثہ کی جڑیں اس کے دل میں گہری پیوست ہو چکی ہوتی ہیں لہٰذا اس کے آثار بھی کبھی نہ کبھی کسی طرح ظاہر ہو ہی جاتے ہیں۔ خصوصاً اُس وقت جبکہ وہ عام حالت میں نہیں رہتا۔ مثلاً جب وہ غصّے میں آپے سے باہر ہوجاتا ہے تو وہ اپنی بڑائی، عظمت اور اپنی صلاحیتوں کو خواہ وہ علم سے تعلق رکھتی ہوں یا عمل سے یا کسی اور چیز سے، بڑھا چڑھا کر پیش کرتا اور ان پر فخر و ناز کا موقع نکال لیتا ہے۔ اس کا اظہار کرتے وقت کبھی کبھی غرور میں مبتلا انسان اطراف و اکناف کو بھی فراموش کر دیتا ہے۔ اور اُسے ایک جگہ میں نہیں رکھ سکتا۔ غرور کا اظہار حرکات و سکنات سے بھی ہوتا ہے جیسے کوئی محافل و مجالس میں اپنی اہمیت جتائے اور اندر داخل ہوتے وقت یا باہر نکلتے وقت دوسرے لوگوں سے سبقت لے جائے۔ غریب لوگوں کو اپنی محافل اور مجالس میں آنے نہ دے، اور نہ خود اُن کی مجالس میں شریک ہو۔ اپنے اطراف احترام کا ایک ہالا بنالے اور راستہ چلنے میں اور دوسرے لوگوں سے بات چیت کرنے اور سوال جواب کرنے میں اپنی

برتری اور تفوق کا مظاہرہ کرے۔ بعض محققین، جنکی کتابوں سے ہم نے بہت ساری مثالیں اور احوال اخذ کئے ہیں کہتے ہیں کہ دنیا میں غرور کا ادنیٰ ترین درجہ یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی دوسرے لوگوں کی طرف سے اپنا منہ پھیر لیتا ہے، گویا وہ ان سے بچنا چاہتا ہے اور کسی عابد میں اس حالت کی نشانی یہ ہے کہ وہ لوگوں سے سرد مہری سے پیش آتا ہو اور بھنوؤں میں گرہ ڈال کر بات کرتا ہے۔ جیسے وہ ان لوگوں سے دور رہنا چاہتا ہے یا ان لوگوں سے برہم ہے۔ وہ بیچارہ یہ نہیں جانتا کہ زہد کا تعلق پیشانی سے نہیں نہ ہی ماتھے کی شکن اور چہرے کی سختی و ترشی اس کی علامات ہیں۔ ورع و تقویٰ لوگوں سے کج روی برتنے ان سے بھاگنے، گردن ٹیڑھی رکھنے، سر جھکائے رہنے کا ہی نام نہیں بلکہ اس کا تعلق قلب سے ہے۔ پیغمبر (ص) نے فرمایا "تقویٰ یہاں ہے" اور اشارہ کیا اپنے سینے کی طرف کبھی غرور کا اظہار زبان اور الفاظ سے ہوتا ہے اور وہ اپنے اوپر فخر و مباہات کرتا اور تزکیۂ نفس کے اصولوں پر کاربند ہونے کا اعلان کرتا ہے۔ عبادت گزار تفاخر کے موقع پر کہتا ہے کہ میں نے فلاں فلاں کام کیا ہے۔ ساتھ ہی وہ دوسروں کے ساتھ تنقیص کرتا اور اپنے عمل کو بڑھا کر پیش کرتا ہے۔ کبھی کبھی وہ عابد اپنے اعمال کا ذکر صراحت سے نہیں کرے گا۔ لیکن کچھ ایسی بات کہے گا جس میں اپنے تزکیۂ نفس کی طرف اشارہ ہو عالم غرور کے اظہار میں دوسرے لوگوں سے یہ کہتا ہے "تم کیا جانتے ہو۔ میں نے فلاں فلاں کتاب اتنے بار پڑھی ہے۔ اتنے سال مختلف یونیورسٹیوں میں گزارے ہیں۔ اور اتنے اساتذہ اور استادوں سے ملا ہوں، اتنی زحمتیں اٹھائی ہیں، کتابیں لکھی ہیں اور تصنیف و تالیف کا کام کیا ہے وغیرہ وغیرہ" ہر حال میں اپنے نفس کے شر اور اسکی جعلبازیوں سے بچنے کے لئے خدا کی پناہ میں رہنا چاہیئے۔

غرور سے پیدا ہونیوالی روحانی اور سماجی بُرائیاں :

یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ صفت ناہنجار و زشت نہ صرف اپنے اندر بہت ساری برائیاں رکھتی ہے

بلکہ اس سے دوسرے بے حساب مفاسد بھی پیدا ہوتے ہیں۔ یہ صفتِ رذیلہ جہاں ظاہری اور باطنی ترقی اور کمالات کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہے۔ اور دنیوی اور اخروی مسرتوں کے حصول میں مانع ہوتی ہے، وہیں بغض اور دشمنی کا بھی وسیلہ بنتی ہے اور انسان کو خدا کی مخلوق کی نظروں سے گرانے کا بھی باعث بنتی ہے اور مغرور دوسروں کی نظروں میں حقیر و ناچیز ہو جاتا ہے۔ دوسرے لوگ مجبور ہو جاتے ہیں کہ اسکے ساتھ اسی طرح کا عمل روا رکھیں اور اس کی تذلیل اور تحقیر سے دریغ نہ کریں۔ کافی شریف کی حدیث میں آیا ہے کہ حضرت امام صادق (ع) نے فرمایا:

کوئی بندۂ خدا ایسا نہیں ہے کہ جس کے منہ میں لگام نہ دی گئی ہو اور ایک فرشتہ ہر وقت اسکی نگرانی نہ کرتا ہو۔ جس وقت وہ تجبّر کرتا ہے وہ فرشتہ اس سے کہتا ہے کہ فروتنی سے کام لے، خدا تجھے نیچے گرا رہا ہے۔ پس ایسا شخص ہمیشہ اپنے زعم میں خود کو دوسروں سے بڑا سمجھتا ہے۔ جبکہ لوگوں کی نظروں میں وہ سب سے چھوٹا اور حقیر ہوتا ہے۔ جب وہ تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسکی لگام کو کھینچ لیتا ہے، اسے حکم ہوتا ہے، بلند ہو اسلئے کہ خدا نے تجھے اونچا اور اعلیٰ کیا ہے۔ پس وہ اپنی نظر میں سب سے چھوٹا ہوتا ہے۔ لیکن لوگوں کی نگاہ میں بہت زیادہ ارفع ہوتا ہے۔[۵]

اے عزیز! جو دماغ تیرے پاس ہے دوسروں کے پاس بھی ہے۔ اگر تو فروتن رہے تو لوگ مجبور ہوں گے کہ تیرا احترام کریں، اور تیری بزرگی کو مانیں۔ اگر تو نے غرور کیا تو تیرے لئے آگے بڑھنے کا راستہ مسدود ہو جائے گا۔ اگر لوگ قادر ہوں تو تجھے ذلیل و خوار بھی کریں گے، اور تیری پرواہ نہیں کریں گے۔ اگر وہ ایسا نہیں کر سکے تب بھی تجھے اپنے دل میں ذلیل و خوار سمجھیں گے اور ان کی نظروں میں تو حقیر رہے گا تو اپنی تواضع سے اپنے دلوں کو فتح کر۔ جو جیسا بوتا ہے ویسا ہی کاٹتا ہے۔ اگر لوگوں کے دل تم سے پھر گئے تو یہ صورت تمہارے مُدعا کے برخلاف ہوگی۔ فرض کرو کہ اگر تم احترام طلب

۵۔ ترجمہ اصول کافی ج ۳۔ ص ۴۶۱

ہو اور بزرگی چاہتے ہو تو تمہیں چاہیئے کہ وہی راہ اختیار کرو جس کی سمت لے جاتی ہے۔ یعنی لوگوں سے خوش اخلاقی اور تواضع سے پیش آؤ۔ غرور اور تکبّر کا نتیجہ تمہارے مقصود و مطلوب کے خلاف ہی نکلے گا۔ دنیا تو تمہارے ہاتھ نہیں آئیگی، جو سہل ہے بلکہ اس کا نتیجہ برعکس ہوگا۔ علاوہ اس کے برے اخلاق کے نتیجے میں اُس عالم میں تمہاری خواری کے اسباب فراہم ہوں گے۔ جس طرح اس عالم میں تم نے لوگوں کو حقیر سمجھا اور بندگانِ خدا پر اپنی برتری جتائی اور ان کے سامنے اپنی عزت، عظمت، جلال اور حشمت کا مظاہرہ کیا، اسی طرح آخرت میں یہ فضل فروشی تمہارے ذلیل اور خوار ہونے کا سبب بنے گی۔ ایک حدیث شریف میں کہا گیا ہے:

باسناد عن داؤد بن فرقد عن اخیہ قال: سمعت ابا عبد اللہ علیہ السلام یقول اِنَّ الْمُتَکَبِّرِینَ یُجْعَلُونَ فی صُوَرِ الذَّرِّ یَتَوَطَّأُھُمُ النَّاسُ حتّٰی یفرغ اللہ من الحساب[۶]

ترجمہ:

داؤد بن فرقد نے اپنے بھائی سے روایت کی ہے کہ انہوں نے حضرت امام جعفر صادق (ع) کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ "بے شک متکبّرین بنا دیئے جائیں گے کمزور و ناتواں چیونٹیوں کی شکل کے، اور ان کو پائمال کریں گے لوگ اس وقت تک جب تک کہ اللہ تعالیٰ حساب کتاب سے فارغ نہ ہو۔"

حضرت امام جعفر صادق (ع) نے اپنے اصحاب کو جو وصیتیں کی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے:

قال واِیّاکم والعَظَمۃ والکِبر فاِنَّ الکِبر رِداءُ اللہ عزّ وجلّ فمن نازع اللہ رِدائَہ قَصَمہ اللہ وأذلّہ یوم القیٰمۃ[۷]

ترجمہ:

۶۔ ایضاً۔ ص ۴۵۶

۷۔ تحف العقول، ترجمہ احمد جنتی عطائی۔ ص ۳۶۴۔

کبر اور خودستائی سے پرہیز کرو کیونکہ بے شک کبر خدائے عزّ و جلّ کی ردا ہے اور اسی کو زیب دیتا ہے اور جو کوئی اللہ کی ردا کے لیے اس سے جھگڑا کرتا ہے خدا اُسے تباہ کر دے گا۔ اور روز قیامت اُسے ذلیل کرے گا۔"

مختصر یہ کہ غرور کرنے اور اپنی بڑائی دکھاتے وقت خدا سے ڈرو کیونکہ کبر خدائے عزّ و جلّ کی ذات سے مختص ہے۔ اور جو خدا سے مقابلہ کرنے کی کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو تباہ کر دیتا ہے اور قیامت کے دن وہ ذلیل ہوتا ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ جسے اللہ تعالیٰ ذلیل کرے اس کے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ اور اس کو کس عذاب میں مبتلا کرے گا۔ اس لئے کہ امورِ اُخروی اور دنیوی میں کافی فرق ہوگا۔ آخرت کی ذلت دنیا کی ذلت سے مختلف ہوگی۔ جس طرح سے وہاں کے عذاب اور وہاں کی نعمتیں یہاں کے عذابوں اور نعمتوں سے کوئی مناسبت نہیں رکھتیں۔ وہاں کی نعمتیں ہمارے تصوّر سے باہر ہیں۔ اور وہاں کے عذاب بھی ہمارے تخیّل کی حد سے ماوراء ہیں۔ وہاں کی کرامتیں ہماری پروازِ فکر سے بہت بلند ہیں۔ اور وہاں کی ذلتیں ہمارے وہم و گمان سے بڑھ کر ہیں۔ متکبّر کے اعمال کا انجام جہنّم ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ "الکبر مطایا النّار" جو غرور کے گھوڑے پر سوار ہوتا ہے اس کا مرکب اسے آتش کی طرف لے جاتا ہے، وہ بہشت کی شکل بھی نہیں دیکھے گا جب تک کہ اس میں اس صفتِ رذیلہ کے اثرات باقی رہتے ہیں۔ جیسا کہ رسول اکرم (ص) سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:

لَنْ یَدْخُلَ الْجَنَّۃَ مَنْ فِی قَلْبِہٖ مِثْقَالُ حَبَّۃٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ کِبْرٍ[1]

ہرگز وہ فرد جس کے دل میں ذرہ برابر بھی غرور ہو، بہشت میں داخل نہیں ہوگا۔

جناب امام محمد باقر (ع) اور جناب امام جعفر صادق (ع) نے بھی تقریباً یہی بات دہرائی

---

[1] ترجمہ اُصول کافی۔ ج ۳۔ ص ۴۵۸

ہے۔ حدیث شریف کافی میں لکھا ہے کہ حضرت محمد باقر (ع) نے فرمایا :

العِزُّ رِدأ اللّٰہ والکبرُ ازارہُ فَمَن تَناوَلَ شَیئًا مِنہ اکبَّہُ اللّٰہ فی جَہَنَّمَ[1]

عزت و کبریائی اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، جو کوئی اس میں حصہ لگائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو جہنم میں جھونک دے گا۔ اور وہ بھی کیسا جہنم! وہ جہنم جو متکبرین کے لئے تیار کیا گیا ہے، اس جہنم سے مختلف ہو گا جو عام آدمیوں کے لئے خلق ہوا ہے۔ یہاں میں اس حوصلہ فرسا حدیث کو نقل کرنا ضروری سمجھتا ہوں جس کا صرف ترجمہ سابق میں پیش کیا تھا :

محمّد بن یعقوب عَن علی بن ابراھیم عن ابیہ عن ابن ابی عُمَیر عن ابن بُکَیر عن اَبی عبدِ اللّٰہ علیہ السلام، قال : اِنَّ فی جھنّم لَوادِیاً لِلمُتکبّرِینَ یُقالُ لَہُ سَقَرٌ شکی اِلَی اللّٰہ عَزّوجَلّ شِدّۃَ حَرّۃ وسَالَہُ اَن یاذَنَ لَہُ اَنْ یَتَنَفَّسَ فَاَحرَقَ جَھنّم[2]

یہ حدیث انتہائی معتبر ہے بلکہ صحیح کا درجہ رکھتی ہے۔

ابن بکیر حضرت امام صادق (ع) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا : بے شک جہنم میں ایک وادی متکبرین کے لئے مختص ہے۔ جسے 'سقر' کہتے ہیں۔ ایک روز اس نے خدائے عزّوجلّ سے اپنی شدّت حرارت کا شکوہ کیا اور خدا سے درخواست کی کہ اس کو اجازت ملے کہ وہ سانس لے سکے۔ پس اس نے سانس لی اور جہنم بھڑکنے لگا۔

خدا کی پناہ اس جگہ سے جو خود دارِ عذاب ہوتے ہوئے اپنی حرارت و گرمی کی شکایت کرے۔ اور جہنم اسکے سانس لینے سے جل اُٹھے۔ آگ کی اس شعلہ فشائی اور آخرت کے عذاب

---

[1] : ترجمہ اصول کافی۔ ج ۳۔ ص ۴۵۸

[2] : ایضاً۔ ص ۴۵۹

کی اس شدت کو ہم موجودہ دنیا میں نہیں سمجھ سکتے۔ کیونکہ عذاب کی زیادتی اور کمی کے سبب کا انحصار محسوس کرنے کی صلاحیت اور اس کے قوت و ضعف پر ہوگا۔ اور دوسرے وسیلۂ عذاب کی نوعیت پر ہوگا کہ وہ حرارتِ جہنم کا اثر کس حد تک قبول کر سکتا ہے۔ مختلف چیزیں حرارت کو قبول کرنے کی صلاحیت کے لحاظ سے مختلف درجوں میں گنی جاتی ہیں۔ لوہا اور سونا، جست اور سیسے کے مقابلے میں زیادہ حرارت جذب کر سکتے ہیں، جو خود لکڑی اور کوئلے کے مقابلے میں حرارت کے زیادہ فعال حامل ہوتے ہیں۔ موخر الذکر اشیاء گوشت و پوست کے مقابلے میں حرارت کو قبول کرنے کی زیادہ صلاحیت رکھتے ہیں۔ اور دوسرا اہم عامل حس کرنے کی صلاحیتوں کا باہمی فرق ہے مثلاً انسانی دماغ جو ہڈیوں وغیرہ کے مقابلے میں کم حرارت کو قبول کرتا ہے لیکن اس پر حرارت کا اس لئے کہیں زیادہ اثر پڑتا ہے کہ اس کی قوتِ حس بہت تیز ہوتی ہے۔ ایک اور عامل خود حرارت کی تیزی اور نرمی بھی ہے۔ ۱۰۰ درجہ سنٹی گریڈ پر حرارت زیادہ شدید اور جلانے والی ہوگی بہ نسبت ۵۰ درجہ سنٹی گریڈ کے۔ ایک اور بھی عامل اہم ہے وہ یہ کہ حرارت پیدا کرنے والے مادے اور اس کو قبول کرنے والے مادے کے درمیان کیا ربط اور کتنا فاصلہ ہے اگر آگ ہاتھ کے نزدیک رکھی جائے تو اس کا اثر کم ہوگا۔ جبکہ ہاتھ کے متصل رکھ دی جائے تو اس سے جلنے کا نتیجہ کہیں زیادہ تباہ کن ہوگا۔

یہ پانچوں اسباب جن کا ذکر کیا گیا ہے اس عالم میں انتہائی ضعف کی حالت میں پائے جاتے ہیں جبکہ دوسری دنیا میں یہ اپنی شدت کے عروج پہ ہوں گے۔ ہمارے تمام ادراکات اور احساسات اس عالم میں ناقص اور ضعیف ہیں۔ وہ ہزاروں نقابوں اور پردوں میں لپٹے ہوئے ہیں، جن کا ذکر اس مقام پر مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ یہ طوالت کا موجب ہوگا۔ آج ہماری آنکھیں ملائکہ اور جہنم کے نظارے سے معذور ہیں۔ ہمارے کان برزخ کے مکینوں کی عجیب و غریب آوازیں اور قیامت و اہل قیامت کی صدائیں نہیں سن سکتے۔ ہمارے ادراکات

وہاں کی حرارت کو محسوس کرنے سے قاصر ہیں۔ یہ سب اس دنیا میں ہماری کمزوریاں اور حدود ہیں۔ آیاتِ قرآنی اور اہل بیت صلوٰت اللہ علیہم کی احادیث ان چیزوں کے ذکر سے بھری ہوئی ہیں۔ یہ ذکر کتابوں اور تلمیحوں میں بھی ہے۔ اور صریحاً بھی۔ اس کے ساتھ کوئی بات بغیر دلیل نہیں کہی گئی ہے۔ انسانی جسم اس دنیا میں حرارت کو برداشت کرنے کے قابل نہیں ہے۔ اگر ایک گھنٹے کے لئے بھی اس دنیا کی آتشِ سرد میں اسے چھوڑ دیا جائے تو یہ جل کر راکھ ہو جائے۔ لیکن خداوند قادر قیامت میں اس جسم کو کچھ اس طرح سے دوبارہ ترتیب دے گا کہ وہ جہنم کی شدید ترین آتش میں بھی باقی رہے گا اور خاکستر نہ ہوگا۔ جبرائیل امین کی شہادت کے مطابق اگر اس آتشِ جہنم کا ایک چھوٹا سا شعلہ بھی جس کا طول ستر ذرع ہے اس دنیا میں پھینک دیا جائے تو تمام پہاڑ اس کی گرمی سے پگھل جائیں گے۔ (ایسی خوفناک آگ میں بھی انسان باقی رہے گا تاکہ اس کی شدت کو جھیلے)۔ قیامت کے دن انسان کے جسم کی حالت کا بھی اندازہ اس دنیا میں رہ کر نہیں لگایا جا سکتا۔ اس لئے کہ اس دنیا میں جسم اور روح کا جو رابطہ ہے وہ بہت ہی بودا اور ناقص ہے۔ یہ عالم اس چیز کی اجازت نہیں دیتا کہ روح یہاں پر اپنے قوا کو پوری طرح کام میں لائے۔ لیکن وہ عالم جو روح کے ظہور کی مملکت ہے وہاں روح کا جسم کے ساتھ فاعلیت اور خلاقیت کا رشتہ ہے یہ رشتہ ثابت اور قائم رہے گا۔ اس لئے یہ ارتباط کی انتہائی شکل اور مکمل ترین درجہ ہے۔

اس دنیا کی آتش ایک سرد اور خاموش آگ ہے۔ جو اشیاء کی ذات میں شامل نہیں بلکہ ان خارجی مادوں کے اثر سے عارض ہوتی ہے۔ لیکن آتشِ جہنم خالص اور بے ملاوٹ ہے۔ وہ جوہر ہے جو اپنی ذات سے قائم ہے۔ وہ زندہ اور بالارادہ شئے ہے۔ اس قابل ہے کہ اپنے شعور سے اہلِ جہنم کو جلا ڈالے اور جہاں تک ممکن ہو ان کو ہر طرح کی سختی میں مبتلا رکھے۔ اس کی خصوصیات تم نے صادق مصدق جبرئیل امین سے سنی ہیں۔ قرآن اور اخبارِ اہل بیت اس کے ذکر سے پُر ہیں۔ لیکن آتشِ جہنم کے انسانی جسم پر اثر انداز ہونے کی اس دنیا میں

کوئی مثال نہیں مل سکتی۔ اگر اس دنیا کے تمام آتشین مادے انسان کا ہر طرف سے احاطہ کر لیں تب بھی وہ ظاہری سطح کا احاطہ کر سکیں گے۔ لیکن آتشِ جہنم کا حصار اتنا وسیع ہے کہ وہ اپنے تمام متعلقات کے ساتھ افراد کے ظاہر اور باطن اور ان کے تمام حواس کے وسائل کا احاطہ کر لے گی۔ یہ وہ آتش ہوگی جو قلب، روح اور قواء کو ایک ساتھ جلا کر خاک کر دے گی۔ اس کے اثر سے ان سب میں ایسا اتحاد پیدا ہوگا، جس کی نظیر اس عالم میں ڈھونڈنا عبث ہے۔

پس معلوم ہوا کہ عذاب کے وسائل و موجبات اس دنیا میں فراہم نہیں ہیں۔ نہ یہاں کا مادہ وہ صلاحیت رکھتا ہے کہ حرارت کا پورا اثر قبول کرے نہ یہاں کی حرارت پوری طرح اپنا اثر کسی چیز پر ڈال سکتی ہے۔ اور نہ ہی مکمل ادراک ہو سکتا ہے۔ وہ آتش جس کے سانس لینے سے جہنم بھڑک اٹھے۔ ہم اس کا نہ تو ادراک کر سکتے ہیں نہ تصور۔ خدا نہ کرے کہ ہم متکبروں میں شمار کیے جائیں۔ اور اس بدترین صفت کی اصلاح کیے بغیر اس عالم سے انتقال کر جائیں اور دوسری دنیا میں اس کو نزدیک سے دیکھیں فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ۔

تکبّر کے اسباب و عوامل:

ان امور کے علاوہ جن کا ذکر کیا گیا ہے غرور کے اسباب میں دماغ کی تنگی، قابلیت کی کمی، پست فطرتی اور کم حوصلگی بھی شامل ہیں۔ کوئی کم ظرف اپنے آپ میں جیسے ہی کوئی خوبی دیکھتا ہے یا اپنے آپ کو کسی امتیاز کا حامل سمجھتا ہے وہ اپنے آپ کو ایک مقام اور مرتبے پر فائز سمجھنے لگتا ہے۔ حالانکہ اگر وہ غور سے اپنی صلاحیت و مہارت کا جائزہ لے اور انصاف کرے تو دیکھے گا کہ وہ جس کام میں بھی مہارت رکھتا ہو یا جس کمال سے خود کو متصف سمجھتا ہے اسکی حقیقت کیا ہے۔ انصاف کی نظر اور اعتبار کی آنکھ اُسے بتلائے گی کہ جس چیز کو اس نے خوبی سمجھ رکھا تھا اور جس پر افتخار و غرور کیا تھا وہ

اصل میں کوئی خوبی نہیں تھی۔ اور اگر تھی بھی تو دوسرے لوگوں کی خوبیوں کے مقابلے میں کوئی قیمت نہ رکھتی تھی۔ اس کے بعد وہ اس قدر توبہ کرے گا کہ اپنا چہرہ طمانچوں سے سُرخ کرلے گا:
اِسْتَسْمَنَتْ ذَاوَرَمٍ (اس نے اپنا چہرہ طمانچوں سے سُرخ کرلیا اور لوگ اس کو صحت مند و سرخرو سمجھ رہے ہیں) مثال کے طور پر وہ عارف جو اپنے عرفان کی بنا پر دوسروں کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے اور اپنے علاوہ سب کو سطحی اور اُتھلا سمجھتا ہے وہ خود معارف الٰہیہ کا کتنا علم رکھتا ہے؟ سوائے تھوڑے سے مفاہیم کے جو حقیقتوں کے چہروں کی آڑ بنے ہوئے ہیں۔ اور آسمان کا راستہ روکے ہوئے ہیں۔ معدودے چند دلفریب و زرق برق اصطلاحات کے جن کا معارف الٰہی سے کوئی رشتہ نہیں۔ اور جو خداشناسی اور اسماء اور صفات کے علم سے کوسوں دُور ہیں۔ اس کی جھولی میں اور کیا ہے؟ معرفت دل کی کیفیت و حال کا نام ہے اور میرا عقیدہ ہے کہ معرفت حال کا علم ہے۔ صرف کچھ اصطلاحات کو جان لینا اور ان کا رنگین جال بُننا معرفت نہیں۔ میں نے اپنی اس مختصر سی عمر میں اپنی کم علمی کے باوجود ان اصطلاحات شناس علم و عرفان کے دعویدار عالموں میں ایسے اشخاص دیکھے ہیں کہ حق عرفان اور علم کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ان اصطلاحات نے ان کے دل پر ذرا سا بھی اثر نہیں کیا۔ اور اگر اثر ہوا بھی ہے تو الٹا۔

اے عزیز دوست! خدا کا عرفان تیرے الفاظ کو اور تیرے دل کو اسماء و صفات کی جلوہ گاہ بناتا اور اس کو سلطانِ حقیقی کے نزول اجلال فرمانے کے قابل ہونے کی فضیلت عطا کرتا ہے۔ تمام گندگیاں اور لوث اور ان کے آثار کو مٹا دیتا اور تعینات کے پردوں کو دل سے دور کرلیتا ہے۔

اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً۔
(سُورۃ نمل۔ آیہ ۳۴)

بے شک جب بادشاہ کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو تباہ کر کے رکھ دیتے ہیں اور وہاں کے رہنے والوں کی عزت کو ذلت بنا دیتے ہیں ۔

۵۔ قلبِ انسانی کو قلبِ احدی اور احمدی بناتا ہے ۔ کیوں تیرے دل نے تجھکو اپنے فرضی حسن کا گرویدہ بنا رکھا ہے ، جو ساری رنگینیاں سمیٹ کر ان کے گرد تعلقات اور تعینات کا میلہ لگا کر کیوں تو نے اپنے دل کو حق تعالیٰ اور اس کے اسمائے شریفہ کے تجلیوں کے جلوے سے بیگانا بنالیا ہے ؟ تو نے اپنے دل کو شیطان کی آماجگاہ بنالیا ہے اور تو بندگانِ خدا اور خاصانِ درگاہِ حق اور جمالِ محبوب کے جلووں کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے ۔ حیف ہے تیرے حال پر اے نام نہاد عارف کہ تیری حالت سب سے بدتر ہے اور تجھ پر حجت تمام ہے ۔ تو حق کے ساتھ غرور کرتا ہے اور اسماء صفات و تجلیّات ذات کے حضور بھی اپنی فرعونیت کا مظاہرہ کرتا ہے اے مفاہیم کو رٹنے والے ، اے حقائق سے دُور افتادہ انسان ! ذرا تأمل تو کر دیکھ کہ تیرے پاس کتنا علم ہے ؟ تو اپنے باطن میں کتنا اثر حق اور اس کی صفات کا دیکھتا ہے ؟ موسیقی اور اس کے راگ راگنیوں کا علم بھی شاید تیرے علم کے مقابلے میں زیادہ گہرا ہوگا ۔ علم ہیئت ، ٹیکنالوجی ، تمام حیاتی ، طبیعی ، سائنسی اور ریاضی اصطلاحات کی پیچیدگی اور نزاکت کے لحاظ سے تیرے علم کے مساوی ہیں ۔ جس طرح یہ علوم ، عرفانِ خدا سے تعلق نہیں رکھتے ، تیرا علم بھی اصطلاحات کے حجابوں میں لپٹا ہوا ہے ۔ اور مجرّد تصورات کے پردوں میں چھپا ہوا ہے ۔ نہ وہ کوئی کیفیّت پیدا کر سکتا ہے اور نہ حال لا سکتا ہے ۔ بلکہ شریعت کے لحاظ سے طبیعی ، سائنسی اور ریاضی علوم تیرے علم سے بہتر ہیں کیونکہ ان سے کچھ نہ کچھ حاصل تو ہوتا ہے ۔ تیرا علم نہ صرف یہ کہ لاحاصل ہے بلکہ اسکا الٹا اثر ہوتا ہے جیومیٹری کا ماہر انجینئرنگ میں اپنے علم سے فائدہ اٹھاتا ہے اور ایک سنار اپنے علم سے بہرہ مند ہوتا ہے ، لیکن تیرا علم دنیوی فائدہ تو دور کی بات ہے نظری لحاظ سے بھی مفید نہیں ۔ تیری آنکھوں پر پڑا ہوا پردہ اتنا دبیز ہے کہ اس میں سے تجھے مقام احدیت کی جھلک بھی دکھائی

نہیں دیتی، تو ایسی گھنگھور تاریکیوں میں گھرا ہوا ہے کہ اسماء و صفات کا ایک شمّہ بھی، تجھ تک نہیں پہنچ سکتا۔ تو نے کثرت کا ایک لامتناہی جال اپنی نظروں کے سامنے پھیلا لیا۔ اصطلاحات کی ان بھول بھلیوں میں سے حقائق تک پہنچنے کی راہ بھی صاف نظر نہیں آتی۔ اسی سرمائے پر تو علمائے دین کے سامنے غرور و تکبّر کا مظاہرہ کرتا ہے۔ وہ علم جو دل کی کدورت کو بڑھائے علم نہیں۔ افسوس ہے اس علم پر جو اپنے حامل کی عاقبت کو شیطان کی میراث بنائے!

غرور اخلاقِ شیطان کا خاصّہ ہے۔ اس نے تیرے جدِّ امجد حضرت آدمؑ سے غرور کیا تھا جس کی بناء پر درگاہِ الٰہی سے نکالا گیا۔ تو جو تمام انسانوں اور آدم زادوں کے ساتھ غرور سے پیش آتا ہے، تو بھی مردود ہے۔

دوسرے علوم کی حقیقت بھی سمجھنے کی کوشش کرو۔ حکیم اگر حقیقت میں حکیم ہے اور حق تعالیٰ کے مقام کو اپنی نسبت، اپنے مقام، اور دوسروں کی نسبت سے سمجھتا ہے تو غرور اس کے دل سے چلا جائے گا۔ اور وہ اس برائی سے آزاد ہو جائے گا۔ لیکن یہ بیچارہ مفاہیم اور اصطلاحوں کے پیچھے دوڑنے والا اسی دھوکے میں رہتا ہے کہ حکمت یہی ہے اور صرف وہی ان کا ماہر، حکیم و عالم ہے۔ کبھی اپنے آپ کو صفاتِ واجب الوجود سے پیوست سمجھ لیتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ صفاتِ حق کا حکیم ہے۔ "اَلْحِکْمَۃ ھِی التَّشَبُّہ بِاللّٰہ" کبھی خود کو انبیاء و مرسلین کے زمرے میں شامل کرتا ہے اور "یعلمھم الکتاب والحکمۃ" کی تلاوت کرتا ہے اور راگ الاپتا ہے کہ "الحکمۃ ضالّۃ المؤمن ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا" (حکمت مؤمن کی دولتِ گم گشتہ ہے۔ جس نے حکمت کو پا لیا اس نے خیرِ کثیر کو پا لیا۔ حدیث نبویؐ) جبکہ اس کا دل حکمت سے بے بہرہ ہے۔ خیر سے ہزاروں میل دور اور حکمت سے مہجور ہے۔

ایک حکیم صاحبِ نظر و فیلسوف عالی قدر جناب آقائی محقق داماد رضوان اللہ علیہ نے

کہا ہے کہ "حکیم وہ ہے جس کے لئے بدن ایک لباس کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس وقت ارادہ کیا اُسے رہا کر دیا۔" انہوں نے کیا کہا تھا اور ہم کیا کہتے ہیں۔ حکمت سے انہوں نے کیا مطلب سمجھا اور ہم کیا سمجھ رہے ہیں۔ بہر حال تم نے کچھ تصوّرات کی بنا پر اور تھوڑی اصطلاحات کو رٹ کر اپنے آپ پر ناز کرنا سیکھ لیا ہے، اور لوگوں سے غرور سے پیش آنے لگے ہو۔ معلوم ہوا کہ یہ سب کم ظرفی، تنگ حوصلگی اور قابلیت کی کمی کی وجہ سے ہے۔

وہ جو اپنے آپ کو لوگوں کا مرشد اور ہادی سمجھے ہوئے ہیں اور مسندِ ارشاد و تصوّف پر براجمان ہیں ان کا حال مقدم الذکر دو گروہوں کے افراد سے بدتر اور اس کا ناز و غمزہ ان سے بڑھ کر ہے اصطلاحات کا ذخیرہ اس نے ان دو گروہوں سے چرا کر اپنی متاع کو ان سے سجا لیا ہے تاکہ بازار میں اس کے اونچے دام لگیں۔ ان کے وسیلے سے اس نے بندگانِ خدا کے دلوں کو حق سے منحرف کر کے اپنا گرویدہ بنا لیا ہے۔ اور ان سادہ دل اور بے آلائش لوگوں کو علماء اور دوسرے لوگوں کے خلاف کر دیا ہے۔ اپنی دکان کو چمکانے کے لئے اس نے جان بوجھ کر یا بلا سوچے سمجھے کچھ جاذبِ نظر اصطلاحات سے بیچارے عوام کو پھنسا لیا ہے۔ اُسے یہ خوش فہمی ہے کہ مجذوب علیشاہ یا محبوب علیشاہ نام رکھ لینے سے حال و جذب کی کیفیت خود بخود حاصل ہو جاتی ہے۔ اے طالبِ دُنیا! اے مفاہیم کے سارق! تیری یہ کارکردگی جو توہّم پر مبنی ہے۔ اس قدر غرور و تکبّر کی چیز نہیں ہے۔ بیچارہ اپنے دماغ کے چھوٹے پن اور حوصلے کی تنگی کی وجہ سے دھوکے میں رہا اور اپنے آپ کو صاحبِ مقام سمجھتا رہا۔ حبِ نفس و دنیا کو چرائے ہوئے مفاہیم، اصطلاحات اور تصوّرات سے ملا کر اُس نے ایک عجیب چیز کر بنم دیا ہے اور ان سب کی آمیزش سے ایک معجون مرکب اور ایک عجیب ملغوبہ تیار کیا ہے۔ ان تمام عیوب کے رکھتے ہوئے وہ اپنے آپ کو آدمیت کا مرشد۔ نجاتِ امت کا ضامن و ہادی اور صاحبِ شریعت سمجھتا ہے! یہ دراصل صلاحیت کے فقدان، قابلیت کی کمی، سینے کی تنگی اور دل کے چھوٹے پن کا نتیجہ ہے۔

تم فقہ، حدیث اور دوسرے علوم کے طلباء! تم علم کی سطح پر کچھ اصطلاحات کے سوا جو اُصول و حدیث میں رائج ہیں کچھ بھی نہیں جانتے۔ اگر یہ علم جو تم کا تمام عمل سے تعلق رکھتا ہے، تمہارے کردار کو بہتر نہیں بنا سکا اور تمہاری اصلاح کرنے کے بجائے تم میں اخلاقی اور عملی خرابیوں کو راہ دینے کا وسیلہ بنے تو تمہارے کام نہ صرف دوسرے علوم کے علماء کے مقابلے میں پست تر اور ناچیز تر ہیں، بلکہ عام آدمیوں کے بھی کاموں سے گئے گزرے ہیں۔ یہ لفاظی اور بے فائدہ بحثیں جن میں کئی دین خدا سے کوئی رابطہ بھی نہیں رکھتیں اور علوم کی تعریف میں بھی نہیں آتیں، جنکو تم نے ثمر علم کا نام دے رکھا ہے۔ ایسی نہیں جن پر تم اتنا اتراؤ اور غرور کرو۔ خدا شاہد ہے اور یہ بہت بڑی شہادت ہے کہ ایسا علم جو تمہیں ہدایت کے راستے پر نہیں چلا سکتا اور تمہیں عملی اور اخلاقی مفاسد سے دور نہیں رکھ سکتا۔ ایسے علم سے پست ترین پیشے بہتر ہیں، اس لئے کہ ان کے فوری نتیجے نکلتے ہیں۔ اور ان کے دنیوی اور اُخروی مفاسد بھی اس سے کم ہیں۔

افقِ فکری کی تنگی کا نتیجہ:

تم بیچارے علم سے سوائے آفت اور وبال کے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکے۔ کچھ حاصل بھی کیا تو فقط مفاسدِ اخلاقی اور اعمال ناہنجار۔ اس لئے علمی اعتبار سے بھی تمہارا علم قابل تکبر نہیں۔ لہٰذا تمہارا علمی افق اس قدر تنگ ہے کہ جونہی تم نے دو چار اصطلاحیں ادھر اُدھر سے جمع کرلیں، اپنے آپ کو عالم اور دوسرے لوگوں کو جاہل سمجھنے لگے، ملائکہ مقربین کے پروں کو اپنے پیروں تلے روندنے لگے اور مجالس میں، بازار میں، گلی کوچوں میں بندگانِ خدا کے لئے جینا بھی مشکل کرنے لگے۔

ان سب میں حقیر ترین وہ شخص ہے جو ظاہری امور جیسے اپنے مال و دولت حشم اور قوم قبیلے پر غرور کرے۔ یہ بیچارہ آدمیت کے تمام اخلاق اور آدابِ انسانی سے دور ہے اور

اس کے ہاتھ تمام علوم و معارف سے خالی ہیں۔ لیکن چونکہ اس نے صوف (بھیڑ کی اون) سے بنا ہوا لباس اوڑھ لیا ہے اور اس کا باپ فلاں ابن فلاں ہے اس لئے وہ لوگوں سے غرور سے پیش آتا ہے۔ کتنی چھوٹی ذہنیت اور کیسا تنگ و تاریک دل والا ہے یہ شخص جو تمام کمالات کو بالائے طاق رکھ کر صرف لباس کی خوش نمائی اور اس میں بھی ٹوپی اور قبا کی خوبصورتی پر قانع ہے یہ بیچارہ تمام انسانی بلندیوں سے مبرا اور حقیقت سے نابلد ہونے کے باوجود اپنے آپ کو صاحبِ مقام و رتبہ سمجھتا ہے۔ یہ اس قدر نیچ اور نالائق ہے کہ اگر کوئی شخص جو اس سے دنیاوی حیثیت سے ذرا بھی اونچا ہو اس سے اس طرح سے بات چیت کرے گا جیسے ایک غلام اپنے آقا سے۔ سوائے دنیا کے اسکو اور کسی چیز کی فکر نہیں ہوتی۔ بے شک وہ دنیا کا بندہ ہے۔

بہر حال فکری افق کی تنگی اور قابلیت کی کمی بھی غرور کی وجوہات میں سے ایک ہے۔ جو چیز کہ کمال نہیں یا کمال سمجھے جانے کے لائق نہیں اُسے بہت زیادہ متاثر کرتی ہے۔ اور اس کو عجب اور غرور پر اکساتی ہے۔ جتنا ہی اس میں سبِ نفس اور حبِ دنیا زیادہ ہوگی یہ چیزیں اس پہ اتنا ہی زیادہ اثر انداز ہونگی۔

کبر کا علاج :

اب جبکہ تم غرور کے مفاسد جان گئے ہو، اس کے علاج اور روک تھام کی کوشش کرو۔ دل کو کدورت سے پاک کرنے اور آئینۂ دل سے اس گہرے غبار کو صاف کرنے کی ٹھان لو۔ اگر تم قوتِ ارادی اور دل کی کشادگی کے حامل ہو۔ اگر دنیا نے تمہارے دل میں جڑیں پیوست نہیں کر لی ہیں، دنیوی طمطراق اور تام جھام سے تمہارا دل متاثر نہ ہوا ہو اور تمہاری انصاف سے جانچنے والی آنکھیں ابھی کھلی ہوئی ہوں تو یاد رکھو کہ گذشتہ فصل میں بیان کیا ہوا علاج ہی بہترین سائنٹیفک علاج ہے۔ اگر تم ابھی اس مرحلے میں نہیں پہنچے ہو تو اپنے حالات پر ذرا

غور کرو شاید تمہارا دل بیدار ہو جائے ۔ اے انسان ! تیری ابتداء کچھ بھی نہیں تھی، تو لامتناہی زمانوں اور کائناتوں کے درمیان عدم کے بطن میں چھپا ہوا تھا ۔ خود عدم سے بھی زیادہ حقیر ! صفحۂ ہستی پر تیرا کہیں بھی نام و نشان نہ تھا ۔ جب ارادۂ حق نے تجھے دنیا میں لانے کا فیصلہ فرمایا اس وقت بھی تو انتہائی ناقص اور پست ترین چیز تھا ۔ اور تو اس فیض کو قبول کرنے کے قابل بھی نہ تھا ۔ اس مادی عالم سے جو محض بالقوہ تھا اور ضعفِ خالص کے سوا کچھ نہ تھا ۔ تجھے عنصری و جسمانی صورت میں لایا گیا جو کائنات کی ادنیٰ ترین موجودات کی شکل ہے ۔ پھر وہاں سے تجھے نطفے کی صورت دی گئی ۔ جسے تمہارا ہاتھ چھو بھی جائے تو تمہیں گھن آئے گی ۔ اور ہزاروں جتن سے اُسے پاک کرنے کی کوشش کرو گے ۔ اس نطفے کو ایک تنگ و ناپاک مقام (باپ کے فوطوں میں) رکھا گیا اور پیشاب کے راستے سے بہت ہی زشت اور بری حالت میں تمہیں ماں کے رحم میں پہنچایا اور ایسی جگہ تمہیں رہنے کو دی گئی جس کے ذکر سے بھی تمہیں کراہت ہوگی ۔ وہاں تم نے خون کے لوتھڑے کی شکل اختیار کی اور ایسی غذا سے تمہارا بدن پلتا رہا جس کا ذکر سُن کر تمہیں وحشت و شرمندگی ہوگی ۔ لیکن چونکہ سبھی انسانوں کو ایسی چیزوں سے گزرنا پڑتا ہے اس لئے سب کی شرم زائل ہو جاتی ہے : "والبلیّۃ اذا عمت طابت" (جب کوئی بلا عام ہو جائے تو گوارا کر لی جاتی ہے) ۔ ان تمام تبدیلیوں کے دوران تمہارا شمار حقیر ترین اور ادنیٰ ترین موجودات میں ہوتا تھا ۔ تم تمام ظاہری اور باطنی ادراکات سے عاری اور تمام کمالات سے خالی تھے ۔ جب خدائے عزّوجلّ نے اپنی رحمتِ واسعہ کے ذریعے تمہیں زندگی بخشی، اس وقت بھی تم حیات کے ناقص ترین مظہر تھے ۔ ایک کیڑے سے بھی بدتر ۔ خدا نے اپنی رحمت سے تمہیں زندگی اور اس کے مظاہر کے اعلیٰ درجات تک تدریج اونچا اٹھایا یہاں تک کہ تم دنیا میں آنے کے قابل بنے ۔ ادنیٰ ترین راہ سے بدترین حالات میں تم اس فضائے کشادہ میں وارد کئے گئے ۔ اس وقت بھی تم اپنی صلاحیتوں اور ان کو کام میں لانے کی حد تک تمام حیوانات کے بچوں میں کمزور ترین اور ادنیٰ ترین تھے ۔ اللہ تعالیٰ

نے اپنی قدرتِ کاملہ سے تمہیں قوائے ظاہرہ اور باطنہ عنایت فرمائے ۔ لیکن پھر بھی تم اتنے کمزور اور حقیر ہو کہ اپنی قوتوں میں سے کسی پر بھی پوری طرح قدرت نہیں رکھتے ۔ نہ تم اپنی صحت کی حفاظت کر سکتے ہو نہ اپنی طاقت اور زندگی کی دیکھ بھال اور نہ اپنی جوانی و جمال کو محفوظ رکھ سکتے ہو ۔ اگر کوئی بلا یا مرض تمہیں آگھیرے تو تم اس کو دور نہیں کر سکتے ۔ اب بھی تمہارے اختیار میں کچھ نہیں ہے ۔ اگر ایک دن بھوکا رہنا پڑے تو تم کوئی بھی مُردار، گندی شئے کھانے کو تیار ہو جاؤ گے ۔ اور اگر پیاس کی شدت تمہیں ستائے تو تم کوئی بھی گندا ناپاک پانی پینے کو تیار ہو جاؤ گے ۔ ہر ایک حالت میں تم اب بھی ایک ذلیل و ناچیز بندے ہو جو کسی بھی چیز پہ قادر نہیں ۔ اگر تم خود اپنا دنیا کی دوسری موجودات اور ان کے کمالات سے مقابلہ کرو تو دیکھو گے کہ تمہاری کوئی حیثیت نہیں ۔ یہی نہیں بلکہ تمام کرۂ زمین بلکہ تمام نظامِ شمسی بھی اس عالم طبیعی کے آگے جو تمام دنیاؤں میں ادنیٰ ترین دنیا ہے اور تمام کائناتوں میں سب سے چھوٹا ہے ۔ خود کسی بھی قدر و قیمت کا حامل نہیں ۔

اے عزیز ! تم نے اپنے سوا دیکھا ہی کیا ہے ۔ اور اگر کچھ دیکھا بھی ہے تو اُسے تولا جانچا اور پرکھا نہیں ۔ اپنے آپ کو اور جو کچھ بھی تمہارا سرمایہ ہے اس کا اپنے شہر سے مقابلہ کر کے دیکھو اور اس کے بعد اپنے شہر کا مقابلہ مملکت سے اور اپنی مملکت کا موازنہ دوسرے ممالک سے کرو جن میں ایک بٹا سو بھی تم نے دیکھا سنا نہیں ۔ پھر ان کا پوری زمین سے اور زمین کا نظامِ شمسی اور اس کے دوسرے وسیع و عریض سیاروں سے مقابلہ کرو جو سورج کی شعاؤں سے فیض یاب ہوتے ہیں ۔ اس نظامِ شمسی کا جو تمہاری فکروں کے حدود سے زیادہ وسیع ہے ۔ دوسرے نظامہائے شمسی سے موازنہ کرو جن کے سامنے ہمارا سورج اپنے تمام سیاروں سمیت ایک چھوٹا سا ذرّہ ہے ۔ کیوں کہ ان میں سے ہر ایک سورج ہمارے سورج اور اس کے سیاروں کے مجموعے سے کہیں زیادہ وسعت رکھتا ہے ۔ جو کچھ اب تک دریافت ہو سکا ہے وہ کئی ملین کہکشانوں سے کم نہیں ہے ۔ اور نزدیک ترین اور سب سے چھوٹی کہکشاں میں کئی ملین نظامہائے شمسی ہیں ۔

جن میں سب سے چھوٹا نظامِ شمسی ہمارے نظامِ شمسی سے کئی گنا بڑا اور کہیں زیادہ نورانی ہے۔ یہ تو ہوا عالمِ مادی کا ذکر جس کی ابتدائی چوڑائی سوائے اس کے خالق کے کوئی نہیں جانتا۔ اربابِ کشف کے اکتشافات اب تک اس کی ایک تھوڑی سی مقدار ہی اکتشاف کر سکے ہیں۔ یہ عالمِ اجسام عالمِ ماوراء الطبیعہ کے مقابلے میں کوئی حیثیت و قدر و اہمیت نہیں رکھتا۔ اس عالم میں ایسی دنیائیں ہیں جن کا تصور بھی کوئی انسانی فکر نہیں کر سکتی۔ اس وسیع و لامتناہی حیات و کائنات میں سے ہمیں اور تمہیں کیا ملا ہے۔ یہی مختصر سی زندگی اور اس کی صلاحیت!

غرور کے علاج کے طریقے:

نظامِ خلقیت کی عظمت اور انسان کی ناچیزی

جب حق تعالیٰ اس بات کا ارادہ کرتا ہے کہ تمہیں اس دنیا سے اٹھالے، وہ حکم دیتا ہے کہ تمہارے تمام قوا ضعیف اور انحطاط کی طرف مائل ہو جائیں۔ وہ تمہارے تمام حواس کو فرمان دیتا ہے کہ وہ اپنی ساری کارکردگی روک دیں۔ وہ تمہارے کارخانۂ وجود کو مختل کر دیتا ہے۔ وہ تمہاری سماعت، ابصارت اور قوت و قدرت کو سلب کر لیتا ہے۔ اور تم ایک جامد لاش بن جاتے ہو۔ ایسی شئے کہ کچھ ہی دن میں اس کی بدبو سڑاند لوگوں کے لئے اذیت کا باعث ہو جاتی ہے۔ وہ اس کی شکل و صورت سے بھی بھاگنے لگتے ہیں۔ اور کچھ مدت گزرنے کے بعد تمہارے تمام اعضاء ایک ایک کر کے گلنے اور بکھرنے لگتے ہیں۔ یہ تو ہوا تمہارے جسم خاکی کا حال! تمہارے مال و منال اور جاہ و حشم کی بے اعتباری تو اظہر من الشمس ہے ہی۔ لیکن برزخ کا حال خدا ہی کو معلوم ہے۔! اگر تم نے خدانخواستہ اپنی اصلاح نہیں کی تو تمہیں وہاں ایسی حالتوں اور ایسی صورتوں کا مقابلہ کرنا ہوگا کہ اس دنیا کے حواس ان کو دیکھنے، سننے اور محسوس کرنے سے قاصر

ہیں۔ تم نے فشارِ قبر کی ظلمتوں اور دہشتوں کے بارے میں جو کچھ بھی سُن رکھا ہے۔ تم شاید اپنی موجودہ دنیا کی تاریکیوں، دہشتوں اور فشاروں سے اس کا قیاس کرتے ہوگے۔ حالانکہ یہ ایک وہمِ باطل ہے۔ خدایا! تو ہماری فریاد کو سُن اور ہمیں اس عذاب سے محفوظ رکھ جس کے ہم خود اپنی مرضی سے مستوجب قرار پائے ہیں۔ عذابِ قبر جو عذابِ آخرت کا نمونہ ہوگا، جس سے بچنے کے لئے بعض روایات کی رُو سے (خدا نہ کرے) ہمیں شافعین کا دامن بھی میسّر نہ ہو سکے گا۔ خدا ہی جانتا ہے کہ وہ کیسا عذاب ہوگا۔ دنیائے آخرت کا حال تو تمام سابقہ حالتوں سے بدتر اور زیادہ وحشتناک ہوگا۔ وہ حقائق کے ظاہر ہونے کا اور اسرار کے کشف ہونے کا دن ہوگا۔ اس روز ہمارے اخلاق اور اعمال مجسم ہو کر ہمارے سامنے آئیں گے۔ اور ہمیں ہر چیز کا حساب کتاب دینا ہوگا۔ وہ ذِلت و خواری کا دن ہوگا۔

عذابِ آخرت کا تجسّم:

قیامت کے بعد جو حال جہنم میں میں ہوگا، وہ بھی ظاہر ہے۔ جہنم کے بارے میں کچھ جاننا چاہتے ہو؟ عذابِ جہنم صرف آتش پر ہی منحصر نہیں، اس کا ایک ہولناک دروازہ تمہاری آنکھوں کے لئے کھول دیا جائے گا۔ اگر وہ اس دنیا پر کھولا جائے تو تمام اہلِ دنیا اس کی دہشت سے ہلاک ہو جائیں گے۔ اسی طرح ایک اور تمہارے گوشت کو عذاب دینے کے لئے کھولا جائے گا۔ ایک تمہاری ناک کی طرف، جن میں سے ایک بھی مادّی دنیا کے رہنے والوں کے لئے کھولا جائے تو وہ اس کی شدتِ عذاب سے ہلاک ہو جائیں۔ آخرت کی حقیقت جاننے والے علماء میں سے ایک کا کہنا ہے کہ جس طرح جہنم کی آگ شدت کی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے اسی طرح وہاں کی ٹھنڈک بھی اپنی شدت کے کمال پر ہوگی اللہ تعالیٰ شدید گرمی اور شدید ٹھنڈک کو یکجا کرنے پر قادر ہے۔ یہ ہے ہمارے اعمال کا

انجام ۔ وہ ابتداء غیر متناہی عدم ہے اور جو دنیائے وجود میں قدم رکھنے کے ساتھ ہی ان مراحل تغیر سے گزرنے لگتا ہے جو کریہہ اور زشت ہیں ۔ وہ تمام حالتیں جو وہ اختیار کرتا ہے ایک سے ایک بڑھ کر شرم آور ہیں ۔ اور جس کی دنیا برزخ اور آخرت میں سے ہر ایک دوسرے سے بڑھ کر ہیبت ناک اور عبرتناک ہے ۔ وہ کس چیز پر اتنا غرور کرتا ہے ، کون سے جمال یا کمال پر وہ اکڑتا اور افتخار کرتا ہے؟ پس معلوم ہوا جس شخص کا جہل جتنا زیادہ ہوگا اس کی عقل اتنی ہی ناقص ہوگی ، اور اسی نسبت سے اس کا غرور بھی اوروں سے بڑھ کر ہوگا ۔ جو علم میں وسیع ہوگا اور روح اعلیٰ ، اس کا سینہ بھی زیادہ کشادہ ہوگا ۔ اور اسی مناسبت سے متواضع بھی ہوگا ۔

رسُول خدا کی تواضع اور فروتنی :

رسول خدا (ص) جنہوں نے وحی الٰہی سے علم اخذ کیا تھا جن کی روح اتنی اعلیٰ تھی کہ کروڑوں لوگوں کی روحوں پر بھاری تھی ۔ جنہوں نے جاہلیت کے تمام رسوم اور باطل عقیدوں کو اپنے پیروں تلے روند دیا تھا ۔ جنہوں نے تمام پچھلی کتابوں کو منسوخ کر دیا ۔ جن کی ذات پر سلسلۂ نبوت ختم ہوتا ہے ۔ جو سلطانِ دنیا و آخرت بھی تھے ۔ اور خدا کی مرضی سے تمام دنیاؤں پر متصرف بھی تھے ۔ خدا کے بندوں کے ساتھ تواضع میں ہر ایک سے آگے تھے ۔ وہ اس چیز سے سخت نفرت کرتے تھے کہ اصحاب ان کے احترام میں اٹھ کر کھڑے ہوں ۔ جب کسی محفل میں تشریف لاتے تو سب سے پچھلی صف میں بیٹھتے ۔ زمین پر بیٹھنے کو ، زمین پر کھانے کو پسند کرتے تھے ۔ فرماتے تھے کہ میں خدا کا بندہ ہوں ۔ اس طرح کھاتا ہوں جیسے بندے کو کھانا چاہیئے ۔ اس طرح بیٹھتا ہوں جس طرح ایک بندے کو بیٹھنا چاہیئے ۔ حضرت امام جعفر صادق (ع) سے روایت ہے کہ پیغمبرؐ بغیر زین کسے ہوئے خچر پر سوار ہونے کو پسند کرتے تھے ۔ اپنے نوکروں کے ساتھ نیچے بیٹھ کر طعام نوش فرماتے تھے اور فقیروں کو

اپنے دونوں ہاتھوں سے خیرات دیتے تھے۔ وہ بزرگوار خچر کی سواری کرتے تھے۔ اپنے غلاموں اور اسی طرح کے لوگوں کے ساتھ بیٹھتے تھے۔ ان سرورِ عالمیانؐ کی سیرت پاک میں لکھا ہے کہ گھر کے کاموں میں اپنے گھر والوں کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ اور اپنے دست مبارک سے گوسفند کا دودھ دوہتے تھے۔ اپنے پھٹے ہوئے کپڑے اور جوتے خود سیتے تھے۔ اور اپنے خادم کے ساتھ چکی پیستے اور آٹا گوندھتے تھے۔ اپنی چیزیں خود اٹھاتے تھے اور فقراء اور مسکینوں کے ساتھ وقت گزارتے تھے۔ اور ان کے ساتھ طعام تناول فرماتے تھے۔ ہمارے سرورؐ کی سیرت اور ان بزرگوار کی تواضع کی مثالیں اس سے کہیں زیادہ ہیں۔ یہ بھی اس وقت جبکہ ان کا روحانی مقام اور ظاہری سلطنت و ریاست بھی اوجِ کمال پر تھی۔ اسی طرح حضرت علےؑ ابن ابی طالب صلوات اللہ علیہ نے بھی ان ہی بزرگوار کی پیروی کی۔ اور ان کی سیرت سیرتِ رسولؐ کی شبیہ تھی۔۔

کبر کا علاج یہ ہے کہ اس کے تقاضوں کے خلاف عمل کیا جائے

اے عزیز دوست! اگر تجھے اپنے روحانی کمال پر غرور ہے تو رسولؐ اور آئمہؑ کے مراتب کا تصوّر کر جو ہر ایک سے بڑھ کر تھے۔ اور اگر تجھے ریاست و سلطنت پر غرور ہے تو وہ بزرگ حقیقی سلطنت کے مالک تھے۔ ان سب صلاحیتوں کے باوجود ان کی فروتنی و خاکساری ہر ایک سے بڑھ کر تھی۔ اس لیے یہ جان لو کہ تواضع و انکسار علم و معرفت کی پیداوار ہے۔ اور غرور و سرکشی اس کے برعکس جہل و نادانی کا نتیجہ۔ اس ننگِ جہل و پستی کی ذلالت سے چھٹکارا حاصل کر اور انبیائے خدا کی صفات سے خود کو متصف کر۔ شیطانی صفات سے چھٹکارا حاصل کر اور۔ خدا کی کبریائی کے معاملات میں منازعہ نہ کرو۔ اس لئے کہ حق سے جھگڑا کرنے والا اس کے قہر و غضب کا نشانہ بنتا ہے۔ اور آتش میں جھونکا جاتا ہے۔ اگر تم اپنے نفس کی اصلاح میں کامیاب ہو جاؤ تو تھوڑی سی احتیاط کے بعد اس راستے پر چلنا بھی تمہارے لئے آسان ہوگا۔ ہمت مردانہ، حریّت خیال اور بلندیٔ نظر سے کام لو تو اس راہ میں کسی بھی اچانک حادثے کا کوئی خطرہ نہیں۔ خود اپنے نفسِ امارہ اور شیطان پر غلبہ پانے

اور نجات کی راہ پر چلنے کی صرف یہی ایک صورت ہے کہ اپنے میلِ طبع اور نفسانی خواہشات کے خلاف عمل کرو۔ نفس کی سرکوبی کا اس سے بہتر طریقہ ممکن نہیں کہ تم متواضعین کی صفتوں کو اپنانے اور ان کے کردار و سیرت کے سانچے میں اپنے آپ کو ڈھال لو۔ تمہارا منبر کتنا ہی زیادہ بڑھا ہوا ہو اور علم کی کسی بھی مخصوص شاخ میں تمہاری مہارت کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو، تھوڑے دن اپنے نفسانی میلان کے خلاف عمل کرو۔ کبر کی خرابیوں کے نظری اور عملی خطرات کو ذہن میں رکھو۔ ان کے دنیاوی اور اُخروی نتائج پر غور کرو تو امید ہے کہ تمہاری راہ آسان ہو گی۔ اور تمہیں اپنا مطلوب حاصل ہو گا۔ اگر تمہارا نفس تم سے یہ تمنا کرے کہ صدرِ مجلس کی توجہ اپنی طرف مبذول کر کے اپنے ہم چشموں پر فوقیت حاصل کرو تو اس میلان کے خلاف عمل کرو۔ اگر تمہیں غریبوں اور مسکینوں کی صحبت سے وحشت ہوتی ہو تو خود کو انتہائی عجز و انکسار کے ساتھ ان کی صحبت میں بیٹھنے اور اٹھنے پر مجبور کرو۔ ان کے ساتھ کھاؤ، پیو اور سفر کرو، شاید تمہارا نفس اپنی کج فہمی سے تمہیں اس طرح عمل کرنے سے روکنا چاہے تم سے کہے کہ تم ایک اعلیٰ مقام کے حامل ہو تمہیں چاہیئے کہ شرع کی ترویج کی خاطر خود کو عوام سے دُور رکھو۔ ایسا نہ کرو گے تو غریبوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے لوگوں کے دلوں میں تمہاری وقعت کم ہو گی" "اپنے ماتحتوں کے ساتھ ہنسی مذاق کرنے سے تمہارا وقار ان کی نظروں میں سبک ہو جائے گا" "محفل میں پیچھے بیٹھنے سے تمہارا مقام کم ہو جائے گا۔ اور تم اپنے فرائض شرعی کو ٹھیک سے انجام نہیں دے سکو گے۔" ان دلائل کو نہ سنو، سمجھو کہ یہ سب شیطان کے مکروہ فریب ہیں اور نفس کی جعل سازیاں ہیں۔ سوچو رسولِ اکرم (ص) کا دنیاوی مقام کتنا بلند تھا۔ ان کی فضیلت کے مقابل تمہاری حیثیت ہی کیا ہے؟ تم نے خود پڑھا اور سنا ہے کہ ان بزرگوار کی سیرت اس معاملے میں کیا تھی۔

اپنے ہم عصر علماء میں میں نے خود ایسے افراد دیکھے ہیں جو ایک ریاست کے بلا شرکت غیرے مالک تھے اور تمام عالم کے شیعوں کی ریاست انہیں حاصل تھی اور ساتھ ہی ان کی سیرت رسولِ اکرمؐ

کے اسوۂ حسنہ کے عین مطابق تھی جناب استادِ معظم فقیہہ کرم حاجی شیخ عبدالکریم حائری یزدی جو ۱۳۴۰ ہجری سے ۱۳۵۵ تک تمام شیعہ دنیا کے مرجع عالیقدر تھے۔ سبھوں نے دیکھا ہے کہ ان کا کیا کردار تھا۔ اپنے نوکروں کے ساتھ کھاتے پیتے تھے۔ زمین پر بیٹھا کرتے تھے۔ اور کم سن سے کم سن طلّاب سے بے تکلفانہ، مزاح فرماتے تھے۔ آخری عمر میں جبکہ ان کی صحت گر چکی تھی، مغرب کے بعد بغیر عبا کے سر کے اطراف ایک مختصر سا کپڑا لپیٹ کر، پیروں میں چپل پہن کر گلی میں ٹہلنے نکلتے تھے۔ لوگوں کے دلوں میں ان باتوں سے ان کی وقعت کم نہیں ہوئی بلکہ کچھ اور بڑھ گئی۔

ان مرحوم کے علاوہ بھی قم کے علماء میں کئی محترم اشخاص ایسے تھے جو ان قیود تکلفات کے پابند نہ تھے، جن میں شیطان نے ہمیں مبتلا کر رکھا ہے۔ وہ اپنی ضرورت کا ہر سامان بازار سے خود خریدتے تھے۔ اپنے گھر کے لیے خزانۂ آب سے خود پانی لاتے تھے۔ اور گھر کے کاموں میں برابر حصّہ لیتے تھے۔ ان کی نظر میں مقدم و موخر کی اہمیّت نہ تھی۔ صدر نشینی اور خاک نشینی دونوں یکساں تھیں۔ ان کی تواضع لوگوں کے لیے حیرت و تعجب کا باعث ہوتی تھی۔ لوگوں کی نظر میں ان کا مقام محفوظ تھا۔ اور دلوں میں ان کی محبوبیّت قائم تھی۔ یہ سچ ہے کہ رسول اکرم (ص) اور حضرت علی (ع) کی صفات کو اپنانے سے انسان چھوٹا نہیں ہوتا، لیکن انسان کو نفس کی مکاریوں سے چوکنا رہنا چاہیئے کہ کہیں وہ تمہیں اپنے دام میں پھنسا کر کسی اور راستے سے تمہیں چت نہ کر دے۔ مثلاً یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ بعض لوگ کسی محفل میں اسطرح سے پیچھے بیٹھتے ہیں کہ جیسے وہ لوگوں پر یہ جتانا چاہتے ہیں کہ ان کا مقام تو اس سے کہیں اونچا ہے۔ لیکن یہ ان کی تواضع ہے کہ پچھلی صف میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی شخص جسے اپنے بلند مقام ہونے کا خیال ہو، ایسے فرد کو جس کی حیثیت سب کی نظر میں اس سے کم تر ہے، اپنے آپ سے آگے جگہ دے۔ لیکن اس تقدم کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ لوگ سمجھ جائیں کہ اس کا یہ عمل صرف تواضع کی وجہ سے تھا۔ یہ اور اس طرح کی سیکڑوں جعلسازیاں ہیں جن کا نفس مرتکب ہوتا ہے۔ جن میں غرور کے علاوہ

ریاکاری اور دھوکا بھی شامل ہوتا ہے۔ نفس کی اصلاح اس وقت ہی ممکن ہے جبکہ خالص ارادے سے مجاہدہ کیا جائے۔ تمام صفاتِ نفسانیہ کی اصلاح ہوسکتی ہے۔ صرف شروع شروع میں تھوڑی سی زحمت اٹھانی پڑتی ہے۔ لیکن اگر کوئی اپنے نفس کی اصلاح کرنے کی ٹھان ہی لے تو سب مشکلیں آسان ہوجاتی ہیں۔ اصل چیز یہ ہے کہ اصلاح اور بہتری کا ارادہ سچا اور پکا ہو اور یہ کہ خوابِ غفلت سے بیدار ہونا ہی مقصود و مطلوب ہو۔

"یقظہ" انسانیت کی پہلی منزل:

انسانیت کی پہلی منزل "یقظہ" ہے جس کے معنی ہیں غفلت کی نیند اور نشے کی حالت سے بیدار ہونا اور یہ سمجھنا کہ انسان دنیا میں مسافر کی طرح آیا ہے۔ اور ہر مسافر کو زادِ راہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ ہر فرد کا زادِ راہ اس کے اپنے خصال ہیں۔ اس پرخوف وخطر سفر کی تاریک راہ پل صراط کی مثال ہے۔ تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک اس راستے میں ہمت مردانہ ہی اس کی رفیق ہے۔ اس حوصلہ شکن تاریکی کو نورِ ایمان اور خصال حمیدہ سے ہی روشن کیا جاسکتا ہے۔ اگر وہ سستی سے کام لیتا ہے، قدموں میں لغزش آتی ہے تو وہ اس پل سے سلامت نہیں گزر سکتا۔ بلکہ آگ میں گر کر خاکِ مذلت میں مل جائے گا۔ اور ہلاکت کی چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہوجائے گا۔ جو اس صراط سے نہیں گزر سکتا اس کے لئے آخرت کے پل صراط کو پار کرنا بھی ممکن نہیں۔

اے عزیز دوست! ہمت کر، اور جہل و نادانی کے اس پردے کو تار تار کردے اور اس بھیانک اندھیرے سے نجات حاصل کر۔ مولائے متقیان، راہ سلوک کے سالک اور رہنمائے حقیقی مسجد میں اس طرح نالہ و فریاد کرتے تھے کہ ان کی آواز پڑوس میں رہنے والے صاف سنتے تھے، فرماتے تھے: "تجھّزوا رحمکم اللّٰہ فقد نودی فیکم بالرّحیل" "سامانِ سفر درست کرلو اور آمادہ ہوجاؤ کہ کوچ کا

نقارہ بج چکا ہے" اس راہ میں کوئی توشہ کام نہ آئے گا۔ مگر کمالاتِ نفسانیہ، تقوائے قلب، اعمالِ صالحہ، صفائے باطن اور ہر عیب سے پاک و پاکیزہ ہونا۔ بالفرض محال اگر تمہارا تعلق فقط ایمان کی ظاہری صورت رکھنے والے ناقص گروہ سے ہے تو تمہیں چاہیئے کہ ریاکاری وسالوس کے عیب ولوث سے اپنے آپ کو پاک کرو۔ تاکہ تمہارا شمار صالحین کے زمرے میں ہو۔ نفس کے جھوٹ اور عیاری کا مداوا توبہ اور ندامت کی آگ ہے۔ اپنے نفس کو آتشِ ملامت کی بھٹی میں پگھلا کر پانی پانی کردو۔ اس کو پشیمانی کی آگ میں تپا کر ہر لوث سے پاک کر لو یہی خدا کی طرف واپسی کا واحد طریقہ ہے۔ تم خود ہی اس عالم میں اپنا مداوا کرو ورنہ پھر خدائی آتش ہی اس کا علاج کرے گی۔ جس کے لئے کہا گیا ہے کہ :

نار اللّٰہ الموقدۃ الّتی تطلع علی الأفئدۃ ۔

یہ وہ آگ ہوگی جو دل کو جلا کر راکھ کر دے گی۔ اور خدا ہی جانتا ہے کہ کتنی ہی صدیاں وہ بھی اس دنیا کی نہیں آخرت کی اسکی اصلاح کے لئے درکار ہوں گی۔ اس دنیا میں ان ناہنجاریوں کو دور کرنا بہت آسان ہے۔ یہاں پر تغیرات بہت تیزی سے واقع ہوتے ہیں۔ مگر عالمِ آخرت میں تغیرات دوسرے ڈھنگ سے واقع ہوتے ہیں۔ اور نفسانی ملکات میں سے کسی ایک ملکے سے چھٹکارا حاصل کرنے میں صدیاں گزر جاتی ہیں۔

اس لئے میرے بھائی! جب تک زندگی و جوانی باقی ہے اور قوت و اختیار رکھتے ہو، اپنی نفسانی اصلاح کی کوشش کرو۔ یہاں کے جاہ و شرف کی مکرمت کرو۔ اور ان کو پیروں تلے روند ڈالو۔ تم ایک آدم زادے ہو شیطان کی صفت کو اپنے آپ سے دور رکھو۔ ممکن ہے کہ شیطان کبر کی رذیل صفت کو دوسرے رذائل کے مقابلے میں زیادہ اہمیت دیتا ہو۔ کیونکہ وہ اس کی اپنی ایسی صفت ہے جو درگاہِ الٰہی سے اس کے نکال باہر کئے جانے کا سبب بنی تھی۔ اسی لئے وہ چاہتا ہے کہ کیا عارف، کیا عام انسان، کیا عالم، کیا جاہل سب کو اپنا ہم مسلک

نبالے۔ جب اس رذیلے میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اس عالم میں تم اس کی ملاقات کروگے تو تم کو اس کی ملامت کا بھی سامنا کرنا پڑے گا۔ وہ تم سے کہے گا کہ "اے آدم زادے! کیا تجھے انبیاء نے اطلاع نہیں دی تھی کہ تیرے باپ کے ساتھ تکبّر نے مجھے درگاہِ حق سے مردود کیا تھا؟ کیا انہوں نے تجھ سے نہیں کہا تھا کہ آدم کے مقام کی تحقیر اور اپنے مقام کی تعظیم کی وجہ سے مجھے ملعون ہونا پڑا؟ پھر کیوں تو نے اپنے آپ کو اس رذیلہ میں گرفتار کیا؟ اس وقت تم لاچار ہوگے۔ اُن عذابوں، گرفتاریوں، حسرتوں اور ندامتوں کو جھیلنے کے علاوہ جنہیں سننے کی تاب بھی لانا مشکل ہے۔ تمہیں دنیا کی ذلیل ترین مخلوق اور پست ترین موجود کی لعنت ملامت اور سرزنش بھی سننی پڑے گی۔ شیطان نے بھی خدا سے تکبّر نہیں کیا تھا اس نے آدم سے تکبّر کیا تھا۔ اور کہا تھا:

"خلقتنی من نار وخلقتهٗ من طین" (تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اس (آدم) کو مٹی سے بنایا ہے) اس نے اسی بنا پر خود کو برتر سمجھا اور آدم کو اپنے سے کم تر۔ تم نے شیطان کے فریب میں آکر خود آدم کے بیٹوں کو اپنے سے کم تر سمجھا۔ تم نے بھی خدا کے احکام کی عدول حکمی کی۔ جس نے بندگانِ خدا کے ساتھ فروتنی اور تواضع کا حکم دیا۔ لیکن تم تکبّر کرتے ہو اور اتراتے ہو۔ تو پھر کیوں صرف شیطان پر لعنت کرتے ہو۔ اپنے نفسِ خبیث پر بھی لعنت بھیجو کہ وہ بھی اس گناہ میں شیطان کا شریک ہے۔ تم خود شیطان کے مظاہر میں سے ہو اور اس کے کبر کا مجسمہ ہو۔ شاید تمہاری شکل برزخ میں اور قیامت کے دن شیطان کی ایسی ہی ہوگی۔ آخرت میں انسان جو شکل اختیار کرے گا وہی اس کے روحانی ملکات کا پیمانہ ہوگی۔ چاہے تم شیطان کی شکل اختیار کرو یا چیونٹی کی۔ عالمِ آخرت کے پیمانے اس دنیا کے معیاروں سے بالکل جدا ہیں۔

اخلاقی صفات کی نزاکتیں:

جان لو کہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ

کسی صفت سے عاری شخص اس صفت کے مالک کے ساتھ غرور و تکبّر کرنے لگے، جیسے کوئی غریب کسی امیر سے تکبّر کرے اور کوئی جاہل کسی عالم سے تکبّر کے ساتھ پیش آئے۔ یہ بھی جاننا چاہیئے کہ جس طرح عُجب غرور کا سرچشمہ ہوتا ہے اسی طرح حسد بھی تکبّر کا مبداء ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے کوئی شخص اپنے آپ کو اس کمال سے عاری پاکر جو دوسروں میں ہے۔ ان سے حسد کرنے لگے اور محض اس حسد کی بناء پر غرور کا جامہ پہن لے تاکہ صاحبانِ کمال کی تذلیل و توہین کرے۔

کافی شریف میں حضرت امام جعفر صادق (ع) سے روایت ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ کبر ہر آدمی میں ہوتا ہے خواہ وہ کسی بھی جنس یا طبقے سے ہوں" اس کے بعد فرمایا" رسول خدا (ص) مدینے میں ایک راستے سے گزر رہے تھے، ایک سیاہ فام عورت اُپلے چُن رہی تھی اس سے کہا گیا کہ رسول خدا (ص) کے راستے سے ہٹ جائے۔ اس نے جواب دیا کہ سڑک بہت کھلی ہے۔ (رستہ دینے کی ضرورت نہیں) رسولؐ کے ساتھیوں میں سے کسی نے اس عورت کو زبردستی ہٹانے کا ارادہ کیا تھا۔ لیکن رسولؐ نے فرمایا" اسے اس کے حال پر چھوڑ دو، وہ تکبّر میں مبتلا ہے"

کبھی اہلِ علم میں ایسے لوگ بھی نظر آتے ہیں جن میں یہ بُری خصلت پائی جاتی ہے۔ اور وہ اس کا عذر اس طرح کرتے ہیں کہ اغنیا کے ساتھ تواضع اچھی چیز نہیں ہے۔ ان کا نفس امارہ انہیں باور کراتا ہے کہ مالداروں کے ساتھ تواضع برتنے سے ایمان میں نقص پیدا ہوتا ہے۔ اس بیچارے کو دولت کے آگے جھکنے اور دولت مندوں کے ساتھ تواضع سے پیش آنے کا نازک فرق معلوم نہیں۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ حُبِ دنیا کی پستی اور جاہ پرستی کا جذبہ انسان کو انکسار و فروتنی دکھانے پر مجبور کرتا ہے۔ یہ فطری تواضع نہیں سمجھی جائے گی بلکہ یہ خوشامد یا چاپلوسی ہے۔ جو ایک نفسی عیب ہے۔ جس کسی میں یہ عادت ہوگی وہ غریبوں سے تواضع نہیں برتے گا، بلکہ صرف ان لوگوں کے ساتھ منکسر ہوگا جن سے اس کی کوئی غرض وابستہ ہو۔ کچھ افراد ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی فطری تواضع انہیں دوسروں کا احترام کرنے اور فروتنی سے پیش آنے پر مجبور کرتی ہے

وہ اس چیز کی پرواہ نہیں کرتے کہ کوئی غریب ہے یا امیر یا یہ کہ کسی سے کوئی غرض وابستہ ہے یا نہیں۔ یعنی ان کی تواضع بے لوث اور روح پاک ہوتی ہے۔ ایسے فرد کو جاہ و شرف کی چاہ نے اپنا اسیر نہیں کیا ہے۔ اس طرح کی تواضع کا تقاضا ہے کہ ہر انسان کا احترام کیا جائے۔ چاہے وہ غریب ہو یا امیر، صاحبِ منصب ہو یا محتاج۔ اہلِ جاہ و شرف کے ساتھ تمہارا تکبر اور ان کی تحقیر کرنے کا رجحان نہ تو تمہارے متواضع ہونے کی دلیل ہے اور نہ تمہارے خوشامدی و چاپلوس نہ ہونے کا ثبوت۔ بلکہ دراصل اس سے فقط یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تم حاسد ہو اور اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہو۔ اس لئے اگر تم کسی کو غیر متوقع طور پر اپنا احترام کرتے ہوئے دیکھو تو اس کے ساتھ فروتنی اختیار کرو۔ اور تواضع کا برتاؤ کرو۔ بہر حال ہر صورت میں نفس کی جعلسازیوں سے بچو، وہ اپنا سنہری جال اس باریکی سے بنتا ہے کہ اس سے مفر مشکل ہے۔ انسان کے لئے اس سے بچنے کی کوئی راہ نہیں، بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ کے دامنِ عفو و رحمت میں پناہ ڈھونڈے۔ والحمد للہ اوّلاً و آخراً۔

حدیث پنجم

حسد ــــ محرّکات اور عوامل

بالسند المتّصل الی محمد بن یعقوب عن علی بن ابراهیم عن محمد بن عیسٰی بن یونس عن داؤد الرّقی عن ابی عبد الله علیه السلام قال: قال رسول الله (ص): قال الله عزّ وجلّ لموسٰی بن عمران: یا ابن عمران لا تحسدن النّاس علٰی ما آتیتهم من فضلی و لا تمدّنّ عینیك إلٰی ذلك و لا تتبعه نفسك فإنّ الحاسد ساخط لنعمی ساءٌ لقسمی الّذی قسمت بین عبادی و من یك كذلك فلست منه و لیس منّی۔

ترجمہ و شرح: (اُصول کافی۔ ج ۲ ۔ ص ۳۰۷ ۔ چاپ آخوندی)

داؤد امام جعفر صادق (ع) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا (ص) نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ بن عمران کو مخاطب کر کے فرمایا " اے پسر عمران! لوگوں کو میں نے جو کچھ دیا ہے کبھی اس کے لئے حسد نہ کرنا ۔ اور نہ اپنی آنکھوں کو چیزوں سے خیرہ کرنا ۔ کیونکہ کسی کو کچھ دینا میرا

اس پر فضل ہے۔ اس لئے حقیقت میں حاسد شخص خدا کے کسی کو نعمت عطا کرنے پر غضبناک اور خشمگیں ہوتا ہے۔ اس طرح وہ خود نعمت سے روگردانی کرتا ہے اور جو کچھ میں نے اپنے بندوں میں تقسیم کیا ہے اس سے ناخوش رہتا ہے۔ تو بس یہ سمجھ لو کہ ایسا شخص نہ مجھ سے ہے اور نہ میں اس سے ہوں۔

حسد کی تعریف :

حسد ایک ایسی نفسیاتی حالت کا نام ہے جس کا شکار انسان دوسروں کو ملی ہوئی مفروضہ نعمت کے سلب ہونے کا آرزومند ہوتا اور دوسرے کے کمال کے زوال کی تمنّا کرتا ہے، چاہے وہ نعمت اُس کے پاس ہو یا نہ ہو، اور چاہے وہ اسے مل سکتی ہو یا نہ مل سکتی ہو۔

نعمت کو مفروضہ اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ وہ نعمت (جس کے لیئے وہ حسد کرتا ہے) واقعی نعمت ہی ہو، اس لئے کہ اس چیز کا ثبوت ملتا ہے کہ اکثر وہ چیزیں جو نقائص اور رذائل کے زمرے میں آتی ہیں اکثر حاسدان کو بھی خوبیوں میں شمار کرتا ہے۔ اور اسی لئے دوسروں کے لئے ان کے زوال کی آرزو کرتا ہے اور اس کا الٹا بھی ہو سکتا ہے کہ جو چیزیں انسانی لحاظ سے نقائص ہیں لیکن حیوانی لحاظ سے کمالات میں شمار کی جاتی ہیں، شخص حاسد ان کو کمال مان کر ان ہی میں ترقی کرنا چاہتا ہے اور حسد کی بناء پر دوسروں میں ان کے زوال کی تمنا کرتا ہے۔ مثال کے طور پر ایسے افراد دیکھنے میں آتے ہیں جو سفاکی اور خون ریزی کو ہُنر سمجھتے ہیں۔ اور جب بھی وہ ایسے اشخاص کو دیکھتے ہیں جن میں یہ چیزیں موجود ہوتی ہیں، تو ان سے حسد کرنے لگتے ہیں۔ یا بعض لوگ جو بیہودہ گوئی اور فحش بکنے کو کمال سمجھتے ہیں ان لوگوں سے جو ان چیزوں میں یکتا ہوتے ہیں جلنے لگتے ہیں۔ اس لئے اس نفسیاتی مرض کی

تشخیص کا معیار یہ ہے کہ ہر وہ چیز جسے کمال فرض کیا جائے اور نعمت مانا جائے (ضروری نہیں کہ وہ چیزیں دراصل نعمت یا کمال ہوں) اگر کوئی شخص دوسروں میں ان کو دیکھتا ہے اور ان کے زوال کی آرزو کرتا ہے تو اُسے حاسد کہا جاتا ہے۔

حسد کی قسمیں:

حسد کو کئی لحاظ سے مختلف درجات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے محسود کی حالت کے لحاظ سے اور خود حسد کے لحاظ سے۔

محسود کے لحاظ سے: عقلی کمالات، خصالِ حمیدہ، مناسک، اعمالِ صالحہ یا دوسرے ظاہری امور جیسے مال و دولت، عظمت و حشمت وغیرہ کی بناء پر یا ایسی چیزوں کی بناء پر جو ان کے برعکس ہوں۔ کیونکہ بعض صورتوں میں ان کو کمال فرض کیا جاتا ہے۔

حاسد کے لحاظ سے: حسد کبھی کبھی عداوت یا تکبر یا خوف کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کے کچھ اور اسباب بھی ہو سکتے ہیں، جن کا ذکر انشاء اللہ بعد میں کیا جائے گا۔

فی نفسہ حسد کے لحاظ سے: کہا جا سکتا ہے کہ یہی حقیقت میں حسد کی اصلی قسمیں ہیں نہ کہ وہ جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ حسد کی کیفیت کی شدت اور ضعف کے لحاظ سے اس کے کئی درجے ہیں، جو اپنے اسباب اور اثرات کے لحاظ سے باہم متفاوت ہوتے ہیں۔ ہم انشاء اللہ آئندہ فصلوں میں ان کے مفاسد، اسباب اور علاج کے مسئلے پر تفصیل سے روشنی ڈالیں گے۔ خدا ہمیں توفیق عطا کرے۔

حسد کے اسباب اور محرکات: حسد کے کئی اسباب ہیں جن میں سے سب سے اہم اسباب نفس کی گراوٹ اور ذلت سے پیدا ہوتے ہیں۔ کبر اپنی کیفیت کے لحاظ سے اس کے

بالکل برعکس حالات سے پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح جیسے کوئی انسان اپنے آپ میں کوئی خوبی یا کمال دیکھتا اور دوسروں کو اس سے عاری پاتا ہے تو اس کے اندر اپنی بڑائی اور فوقیت کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ اپنے آپ پر غرور کرنے لگتا ہے۔ اسی طرح جب کبھی وہ کسی اور کو اپنے مقابلے میں بہتر اور برتر پاتا ہے تو اس میں کمتری اور ذلت کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ اگر اُسے کمال کے حصول کے ظاہری اسباب میسّر نہ ہوں اور ذاتی صلاحیت بھی مفقود ہو تو نتیجتاً اس کے دل میں حسد کے جذبات پرورش پاتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دوسرے شخص کے مقابلے میں کسی کو اپنی کمتری کا احساس ہوتا ہے ایسی صورت میں صاحبِ نعمت و کمال اپنے ایسے کسی دوسرے فرد یا ہم عصر سے حسد کرنے لگتا ہے۔ اس لئے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ حسد نفس کی کمتری اور تنگ دلی کا نام ہے۔ جس کے اثر سے انسان دوسروں کی کسی بھی خوبی یا کمال کے زوال کی تمنا کرتا ہے۔ علامہ مجلسی (قدس سرہ) نے حسد کے سات اسباب گنوائے ہیں۔

۱۔ عداوت، دشمنی

۲۔ تعزّز: اس کی کیفیت یہ ہے کہ شخص حاسد یہ فرض کرلیتا ہے کہ محسود اس نعمت کی وجہ سے جو اس کو حاصل ہے اس کے مقابل تکبّر سے کام لے رہا ہے۔ اور خود اس میں غرور سے اس کا جواب دینے کی اہلیت نہیں، لہٰذا وہ محسود میں اس کے زوال کی آرزو کرتا ہے۔

۳۔ کِبر: حاسد چاہتا ہے کہ وہ دوسرے صاحبِ نعمت سے غرور و تکبّر سے پیش آئے۔ لیکن ایسا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ محسود اپنی مفروضہ نعمت سے محروم نہ ہو جائے۔

۴۔ تعجّب: حاسد اس چیز پر سخت تعجب کرتا ہے کہ اتنی بڑی نعمت کسی شخص کے قبضہ میں کیسے ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے گذشتہ امتوں کے بارے میں خبر دی ہے کہ انہوں نے کہا ان انتم الا بشر مثلنا (سورۃ ابراہیم۔ آیہ ۱۰) (تم ہماری ہی طرح کے انسان ہو اور کچھ نہیں) اور یہ کہ انؤمن لبشرین مثلنا وقومھما لنا عابدون (المؤمنون۔ آیہ ۴۶) (کیا ہم اپنی

ہی طرح کے دو انسانوں پر ایمان لائیں جن کی قوم ہماری غلام ہے ؟) وہ اس بات پر تعجب کرتے تھے کہ کوئی انہی کی طرح کا انسان رسالت کے مرتبے پر کیسے پہنچ گیا کہ اس پر خدا کی وحی نازل ہوتی ہے۔ اور یہی بات حسد کا باعث تھی۔

۵۔ خوف : شخصِ حاسد اس بات سے ڈرتا ہے کہ کہیں صاحبِ نعمت اپنی نعمت کی بنا پر اس کے اپنے محبوب مقاصد اور خواہشوں کو حاصل کرنے کی راہ میں حائل نہ ہو اور مزاحمت کا باعث نہ بنے۔

۶۔ حبِ ریاست و غلبہ : ایسی صورت میں جبکہ کسی کی حکومت یا طاقت اس پر مبنی ہو کہ کوئی دوسرا اُس کی برابری نہ کرے۔

۷۔ فطری خباثت : شخص حاسد نہیں چاہتا کہ وہ کسی کو پھلتا پھولتا دیکھے۔۔۔۔ خود میری رائے میں جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا ہے، یہی حسد کی تمام قسموں کی جڑ ہے۔ طینت کی یہ خرابی ہی انسانی نفس کی ذلت اور کم مائیگی کا نتیجہ ہے۔

حسد کے کچھ مفاسد :

جاننا چاہیئے کہ حسد خود دل کے مہلک امراض میں سے ایک ہے اور دل کے دوسرے امراض کبیرہ غرور اور دوسری کئی برائیاں اس سے پیدا ہوتی ہیں، جن میں سے ہر ایک ایسا گناہِ عظیم ہے جو انسان کی ہلاکت کا سبب بن سکتا ہے۔ ہم یہاں پر اُن کے صرف ایسے چند رذائل کا ذکر کریں گے جو بہت واضح ہیں۔ یقیناً اس کے اور کئی بُرے نتائج بھی ہوتے ہیں، جو مجھ ایسے لکھنے والے کی نظروں سے پوشیدہ ہیں۔ حسد خود بڑے مفاسد میں سے ہے۔ دیکھئے صادقِ مقدق کیا خبر دیتے ہیں :

فی صحیحہ معویۃ بن وھب قال : قال ابو عبد اللہ : آفۃ الدین

الحسد والعجب والفخر

اپنی صحیح میں معویہ بن وہب نے روایت کی ہے کہ حضرت ابوعبداللہ (ع) نے فرمایا کہ حسد، عُجب اور تفاخر دین کے لئے آفت ہیں۔ اور :

فی صحیحہ محمد بن مسلم عن ابی جعفر علیہ السلام ،
انّ الرّجل لیأتی بادنی بادرۃ فیکر وانّ الحسد لیأکل الایمان
کما تأکل النّار الحطب ۔ (کافی۔ ج ۲۔ ص ۳۰۶ ، ۳۰۷)

محمد بن مسلم کی صحیح میں حضرت ابی جعفر امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ اگر کسی شخص سے غصے میں یا جلد بازی میں کوئی لغزش سرزد ہوتی ہے تو اسے معاف کیا جا سکتا ہے ۔ بے شک حسد ایمان کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے لکڑی کو آگ ۔

یہ سب لوگ جانتے ہیں کہ ایمان ایک نورِ الٰہی ہے ۔ جس کے فیض سے انسانی دل اللہ جلّ جلالہٗ کی تجلّیات سے منوّر ہوتا ہے ۔ چنانچہ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ؛

لا یسعنی ارضی و لا سمائی بل یسعنی قلب المؤمن ۔

زمینوں اور آسمانوں کی وسعتیں قلبِ مؤمن کی وسعتوں کے آگے ہیچ ہیں ۔ انوار روحانی کا یہ مقدس شعلہ جو انسانی دل کو تمام موجودات کے مقابلے میں کہیں زیادہ کشادگی بخشتا ہے ۔ اس تنگی اور تاریکی کے منافی ہے جو دل میں اس صفتِ رذیلہ کی کدورت سے پیدا ہوتی ہے ۔ یہ بُری

نوٹ : اگر یہاں یکفر پڑھا جائے تو اس کا مطلب یوں ہو جائے گا کہ اگر کسی شخص سے غصے میں یا جلد بازی میں کوئی لغزش سرزد ہو جائے تو وہ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے ۔ لیکن امام روح اللہ موسوی خمینی نے جو ترجمہ کیا ہے وہ یکفّر پڑھنے کی بنا پر ہے ۔ اصول کافی کے فارسی ترجمے میں دونوں معانی دیے گئے ہیں ۔

صفت لاحق ہو جائے تو انسانی دل کو اپنی جکڑ میں لے کر اس طرح اُسے تنگ کر دیتی ہے کہ اس کے آثار انسانی وجود کے اندرونی اور بیرونی پہلوؤں کو اپنے احاطے میں لے لیتے ہیں۔ دل محزون اور افسردہ، سینہ تنگ اور گھٹا ہوا، چہرہ غم و غصے سے خشک اور شکن در شکن یہ سب حسد کے مظاہر میں سے ہیں۔ یہ تمام چیزیں دل سے نورِ ایمان کے زائل کرنے کے لئے کافی ہیں۔ یہ حالت قلبِ انسانی کو مار ڈالتی ہے جوں جوں اس کا اثر بڑھتا جائے گا، ایمان کا نور کم ہوتا جائے گا۔ مومن کے تمام روحانی اور ظاہری اوصاف ان علامات کے عین خلاف ہیں۔ جو حسد کی وجہ سے انسان کے ظاہر و باطن میں اپنا اثر دکھاتی ہیں۔ مؤمن اللہ تعالیٰ کے باب میں رجائیت پرست اور خوش بین ہوتا ہے۔ اور بندوں کے درمیان اس کی تقسیم کی ہوئی نعمتوں سے راضی ہوتا ہے۔ جبکہ حاسد حق تعالیٰ پر غضبناک اور اس کی تقدیرات سے ناخوش ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ذکر آیا ہے کہ ایک مؤمن دوسرے مؤمن کا بدخواہ نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ اُسے عزیز رکھتا ہے۔ جبکہ حاسد کا عمل اس کے برخلاف ہوتا ہے۔

مؤمن حبِ دنیا سے دُور ہوتا ہے جبکہ حاسد اس کی شدت کی وجہ سے اس برائی میں مبتلاء ہوتا ہے۔ مؤمن کے دل میں سوائے خداوند تعالیٰ کے اور کسی کا ڈر خوف نہیں رہتا جبکہ حاسد کا تمام ڈر، خوف اور غم محسود کے گرد گھومتا رہتا ہے۔ مومن ہنس مکھ ہوتا ہے اس کا چہرہ اس کے اوصاف کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ جبکہ حاسد غم و غصے سے ترش رُو اور چیں بر جبیں رہتا ہے۔ مؤمن متواضع ہوتا ہے۔ اور حسد و تکبر اسے (بیشتر اوقات) چھوتے بھی نہیں۔

پس معلوم ہوا کہ حسد ایمان کے لئے آفت ہے اور اس کو اس طرح کھا جاتا ہے، جیسے آگ لکڑی کو ہضم کر جاتی ہے۔ اس رذیل خاصیت کی یہی کیا کم برائی ہے کہ یہ ایمان کو کھا جاتی ہے۔ جو انسان کے لئے آخرت میں سرمایۂ نجات ہے۔ اور جس کی برکت سے دل زندہ رہتا ہے یہ رذیل صفت خالق اور دی نعمت پر انسان کو غضبناک بناتی ہے اور اس کی تقسیم کی ہوئی نعمتوں سے بدگمان کرتی ہے۔ مادی دنیا کی حجاب در حجاب تاریکیوں اور اُس کے مفادات کے حصول

میرے آنہاک نے ہمارے تمام حواس پر پردہ ڈال کر ہماری آنکھوں کو اندھا اور ہمارے کانوں کو بہرہ بنادیا ہے۔ ہم یہ نہیں سمجھتے کہ ہم مالک الملوک سے خفا ہیں، اور اس کی تقدیر سے ناخوش ہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ ہمارے اس غصے اور بدگمانی کی سزا کے طور پر ملکوت اور عالم آخرت میں جو ہمارا دائمی اور اصلی مسکن ہے ہماری شکل کیسے مسخ ہو جائے گی، امام جعفر صادق علیہ السلام کا قول اس ضمن میں ہمارے کانوں تک پہنچا ہے کہ "وَمَنْ كَذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنْهُ وَلَيْسَ مِنِّي" (وہ جو مجھ پر اعتراض کرتا ہے اور مجھ سے ناخوش ہوتا ہے وہ نہ مجھ سے ہے اور نہ میں اس سے) ہم نہیں جانتے کہ حق تعالیٰ کی ہم سے یہ بے رُخی اور بے زاری ہمارے لئے کیا مصیبت لانے والی ہے۔ اور کیا کیا عواقب اس سے وابستہ ہیں۔ وہ جو ولایتِ حق سے خارج کر دیا گیا ہو اور ارحم الراحمین کے دامنِ رحمت کے سائے سے دُور کر دیا گیا ہو، اس کی نجات کی کوئی امید نہیں۔ شافعین کی شفاعت بھی اُسے نصیب نہ ہوگی۔ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ (کون ایسا ہے جو شفاعت کرے کسی کی، اُس کی مرضی کے بغیر)۔ کون ہے جو کسی ایسے شخص کی شفاعت کرے جس نے خدا پر غصہ کیا ہو، جو اس کی ولایت کی حدود سے خارج ہو گیا ہو اور جس کا اپنے مالک سے رشتۂ محبت منقطع ہو چکا ہو۔ افسوس ہے ہم نے کیسی مصیبت اپنے سر لے لی۔ جتنا انبیاء اور اولیائے خدا ہمیں آواز دیتے رہے اور ہمیں نیند سے بیدار کرنے کی کوشش کرتے رہے اتنی ہی ہماری غفلت میں اور اضافہ ہوتا گیا۔ اور ہماری شقاوتِ قلب بڑھتی گئی۔

فشارِ قبر:

علماء کے کہنے کے مطابق فشارِ قبر اور اس کی ظلمتیں اسی بدبختی کے بُرے اثرات میں سے ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ ظالم بَرائی جو اخلاق کو فاسد کرتی ہے روحانی فشار اور قلبی کدُورت کا سبب بنتی ہے۔ اس کا نتیجہ قبر کی تنگی اور ظلمت ہے۔

قبر کی تنگی یا فراخی انسان کے سینے کی کشادگی اور تنگی پر ہی منحصر ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ رسول خدا (ص) "سعد" کی تشییع جنازہ میں شرکت کرنے تشریف لے گئے اس حالت میں کہ ستر ہزار فرشتے تشییع جنازہ کی رسم میں شریک تھے۔ اس کے بعد رسول خدا (ص) نے اپنا چہرہ آسمان کی طرف بلند کر کے فرمایا کہ "کیا کسی شخص نے سعد کی طرح فشارِ قبر کو جھیلا ہے؟ راوی نے امام علیہ السلام سے عرض کیا "میری جان آپ پر قربان! یا امام میں نے سنا ہے کہ سعد پیشاب کرتے وقت طہارت کا خیال نہیں رکھتے تھے"، اس پر امام علیہ السلام نے فرمایا "معاذاللہ وہ صرف اپنے گھر والوں سے درشتی اور بدی سے پیش آتے تھے"

جیسی تنگی، فشار، ظلمت و کدورت دل میں حسد کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، بہت کم اخلاقی برائیوں کے اثر سے پیدا ہوتی ہوگی۔ بہر حال اس برائی کا حامل دنیا میں بھی عذاب میں مبتلا رہتا ہے، قبر میں بھی فشار و ظلمت کو دعوت دیتا ہے۔ اور آخرت کے عذاب میں بھی گرفتار ہوتا ہے یہ نقصان تو صرف اس صورت میں ہے کہ اس سے کوئی اور اخلاقی فساد یا کوئی اور بدعملی سرزد نہ ہو۔ ایسا بہت کم دیکھنے میں آتا ہے کہ حسد کسی اور اخلاقی فساد کا سبب نہ بنتا ہو۔ بلکہ عموماً اس سے بہت ساری اخلاقی برائیاں اور بداعمالیاں اسی طرح پیدا ہوتی ہیں جیسے کبر سے (جس کا ذکر کیا جا چکا ہے) مثلاً غیبت، بہتان تراشی، دشنام طرازی، ایذا رسانی اور اسی طرح کی بہت ساری برائیاں جن میں سے ہر ایک سخت سزاؤں اور ہلاکت کا موجب ہوتی ہے۔ اس لئے انسانِ عاقل کے لئے لازم ہے کہ وہ سچے دل سے عزم کرے کہ اسے اپنے آپ کو اس ننگ سے، اپنے ایمان کو اس آتش سوزان کی آفت سے نجات دلانا ہے۔ اور اپنے آپ کو بچانا ہے، اس دماغی فشار سے اور تنگیٔ قلب سے جو خود اس عالم میں ایک ایسا عذاب ہے۔ جس سے عمر بھر چھٹکارا ملنے والا نہیں۔ اس پر مستزاد قبر اور برزخ کے فشار، عذاب اور ظلمتیں ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر خداوند تعالیٰ کا غیض و غضب ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ وہ سچے

اور سمجھے کہ ایسی چیز جس کے اتنے سارے نقصانات ہیں اس کا تدارک و علاج ضروری ہے۔ وہ بھی اس صورت میں کہ تمہارا حسد محسود کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ اور نہ تمہارے حسد کی وجہ سے اس کی کسی نعمت میں کوئی کمی واقع ہوتی ہے۔ بلکہ الٹا اُسے تمہارے حسد کی وجہ سے دنیاوی اور اُخروی فائدے الگ حاصل ہوں گے۔ کیونکہ تم جو اس کے حاسد اور اس کے دشمن ہو۔ تمہاری دشمنی اور تمہارا غم و غصہ خود اس کے لئے ایک نفع ہے۔ جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ وہ خود تو نعمتوں کے مزے اٹھا رہا ہے اور تم اس کی نعمتوں کی وجہ سے بلا سبب عذاب میں مبتلا ہو تو کیا یہ چیز خود کسی نعمت سے کم ہے؟ اگر تمہیں اس بات کا احساس ہو تو یہ تمہارے لئے ایک اور عذاب، ایک اور فشار کا باعث ہوگا۔ اور تمہارا یہ بڑھا ہوا عذاب اس کے لئے مزید اضافۂ نعمت کا باعث ہوگا۔ اس طرح یہ سلسلہ بڑھتا ہی جائے گا۔ اور تم ہمیشہ رنج و غم اور فشار میں مبتلا رہو گے۔ اور وہ نعمتوں، خوشیوں اور کامرانیوں میں غرق رہے گا۔ پھر آخرت میں بھی تمہارا حسد اس کے لئے نفع کا باعث ہوگا۔ خصوصاً اُس وقت جبکہ حسد کے ساتھ تم نے اس پر جھوٹی تہمتیں تراشی ہوں اور اس کی غیبت بھی کی ہو۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہاری نیکیاں اور اچھائیاں بھی اس کے ہی حساب میں لکھی جائیں گی۔ تم تہی دست و مفلس ہو جاؤ گے، اور وہ صاحبِ نعمت و عظمت۔ اگر تم ان امور کے بارے میں تھوڑا سا بھی غور و فکر کرو تو ضرور خود کو اس بُرائی سے پاک کرنے کی سعی کرو گے۔ اور اپنی روح کو اس مہلک گناہ سے نجات دلاؤ گے۔ کبھی یہ گمان نہ کرنا کہ نفسیاتی اخلاقی اور روحانی رذائل کا دُور ہونا ممکن نہیں ہے۔ یہ ایک خیالِ خام ہے جو شیطان اور تمہارے نفسِ امّارہ نے تمہیں نجات، آخرت اور اصلاحِ نفس سے باز رکھنے کے لئے تمہارے دل میں ٹھونسا ہے۔ جب تک انسان اس دارِ تغیّر اور ہر لمحہ بدلتی ہوئی دنیا میں رہتا بستا ہے اس وقت تک یہ ہر وقت ممکن ہے کہ اگر وہ چاہے تو اپنے تمام بُرے اوصاف و اخلاق کو بدل دے۔ چاہے اس کی عادتیں کتنی ہی پُرانی اور مضبوط کیوں نہ ہوں، وہ ضرور تبدیل

کی جا سکتی ہیں ۔ یہ ان کی شدت اور ضعف پر منحصر ہے کہ ان کا مقابلہ کرنے کے لئے کتنی محنت اور زحمت درکار ہوگی ۔ البتہ شروع شروع میں جب کوئی صفت نفس میں پیدا ہوتی ہے تو ابتدائی مرحلے میں تھوڑی زحمت اور ریاضت سے اس کو دور کیا جا سکتا ہے ۔ اس کی مثال خورد سال پودے کی طرح ہے جس کی جڑیں زمین میں گہری نہ اتری ہوں ۔ لیکن اگر یہ صفت پرانی ہو جائے اور روح کے مستقل ملکات کی طرح مضبوط ہو جائے تو اس کا زائل کرنا ممکن تو ہے لیکن بہت زیادہ زحمت طلب ۔ ایک کہن سال درخت جس کی جڑیں مضبوطی سے زمین کی گہرائیوں میں اتر چکی ہوں اس کا اکھاڑنا بہت مشکل ہوتا ہے ۔ تم اپنے قلبی مفاسد کو نکال پھینکنے کے ارادے میں جتنی دیر کرو گے تمہیں اتنی ہی زیادہ زحمت اور ریاضت سے دوچار ہونا پڑے گا ۔

اے عزیز دوست ! شروع ہی سے کسی بھی اخلاقی یا عملی فساد کو اپنے ظاہر یا باطن کی مملکت میں داخل نہ ہونے دو ، یہ زیادہ آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ وارد ہونے کے بعد اسے نکالا جائے ، اور جڑیں مضبوط کر لینے کے بعد اُسے رفع کرنے اور اکھاڑ پھینکنے کی فکر کی جائے ۔ اگر کوئی بُری صفت تمہارے دل میں داخل ہو ہی چکی ہے تو پھر اس کی روک تھام میں تم جتنی دیر کرو گے اتنی ہی زحمت اٹھانی پڑے گی ۔ کیونکہ انسان کی داخلی صلاحیتیں اور قوتیں کم ہوتی جاتی ہیں ۔ ہمارے شیخ جلیل القدر اور عظیم عارف آقائی شیخ شاہ آبادی ، میری رُوح ان پر فدا ہو ، فرماتے تھے کہ جب تک تم میں جوانی کی قوت اور اس کا جوش باقی ہے مفاسدِ اخلاقی کے خلاف تم بہتر طریقے سے جہاد کر سکتے ہو ۔ اور انسانی فرائض کو اچھی طرح انجام دے سکتے ہو ۔ ایسا نہ ہونے پائے کہ یہ قوتیں تمہارا ساتھ چھوڑ دیں ۔ اور ایام پیری تمہیں آگھیریں ۔ اس وقت تمہارا اپنی اصلاح میں کامیاب ہونا مشکل ہو جائیگا اور اگر فرض کرو کہ تم کامیاب ہو بھی گئے تو تمہیں اپنی اصلاح کرنے کے لئے بہت زیادہ زحمت اٹھانی پڑے گی ۔ اس لئے اگر مردِ عاقل تھوڑا سا سوچ بچار کر لے اور یہ دیکھے کہ اس میں کوئی اخلاقی فساد پیدا ہونے کا خدشہ ہے تو وہ اس برائی کے نزدیک نہیں پھٹکے گا ۔ اور اپنے آپ کو

اس سے آلودہ نہ ہونے دے گا۔ اگر خدانخواستہ وہ اخلاقی بُرائی اس کے اندر گھر کر چکی ہے، تو اچھا ہے کہ وہ جلد از جلد اسے نکال باہر کرنے کی کوشش کرے۔ اور اس کو جڑیں پھیلانے کا موقع نہ دے۔ اگر خدانخواستہ وہ اپنی جڑیں مضبوط کر ہی چکی ہے تو پھر بھی، وہ کوشش کرے کہ خواہ کتنی ہی زحمت و مشقت درکار ہو اس کی جڑیں اکھاڑ پھینکے تاکہ وہ اس کی زمینِ قلب میں پھلنے پھولنے کا موقع نہ پائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اس اخلاقی برائی کے ساتھ اس دنیا سے جو عالمِ تغیرات ہے دوسری دنیا میں منتقل ہو جہاں اس کا قلع قمع کرنا بھی اس کے بس میں نہ ہوگا۔ ایسا نہ ہو کہ آخرت اور برزخ دونوں جگہ محض ایک بُری عادت اور نفسیاتی مرض کی وجہ سے اسے بے حساب عذاب جھیلنا پڑے۔

ایک حدیث شریف میں جو رسول اکرم (ص) سے نقل کی گئی ہے آیا ہے کہ اہلِ بہشت اور اہلِ جہنم میں سے ہر ایک ان مقامات میں اپنی اپنی نیت اور مقصد کی بناء پر داخل ہوگا۔ فاسد نیتیں جو اخلاقِ رذیلہ کے اہل ہیں ان کا ختم ہونا ممکن نہیں۔ جب تک کہ ان کا منبع ختم نہ ہو، یعنی ان کی جڑ کاٹ دینی چاہیئے۔ اُس عالم میں انسان کے ملکات اپنی پوری توانائی کے ساتھ اس طرح ظاہر ہوں گے کہ یا تو وہ زائل ہو ہی نہ سکیں گے یا شاید جہنم کی سختیوں، عذابوں اور فشاروں کے ذریعے، ہی وہ کسی وقت زائل ہو سکیں۔ لیکن اس کے لئے الٰہی زمان کے صدیاں درکار ہوں گی (الٰہی زمان جاودی ہے) اس لئے اے غافلو! وہ چیز جس کی اصلاح ایک مہینے یا ایک سال کی تھوڑی سی محنت سے جو تمہارے اختیار میں ہے، ہو سکتی ہے اور تم دنیا و آخرت کی گرفتاریوں سے نجات پا سکتے ہو، اس کو اپنے حال پر چھوڑ کر اپنی ابدی ہلاکت کا سامان نہ کرو۔

مفاسدِ اخلاقی کی جڑ:

اس سے پہلے ہی کہا جا چکا ہے کہ ایمان جو دل کی لذت ہے علم سے مختلف چیز ہے کہ وہ عقل کی لذت کا نام ہے۔ تمام اخلاقی اور عملی فساد اس وجہ سے جنم لیتے ہیں کہ دل ایمان سے بے خبر رہا اور عقل نے جو کچھ انبیائے کرام کی

تعلیمات سے خود اپنے دلائل کے ذریعے درک کیا تھا وہ دل تک نہیں پہنچ سکا۔ اور وہ ان سے بہرہ ور نہ ہو سکا۔ ایک چیز جس کی فلسفی، متکلم، عام انسان اور اہلِ شریعت سبھی تصدیق کرتے ہیں اور جس میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں وہ یہ ہے کہ جو کچھ بھی حکیم علی الاطلاق جلّ جلالہٗ کے قلمِ قدرت کی جنبش سے معرضِ ظہور میں آیا، مثلاً وجود اور اس کے کمالات افراطِ نعمت اور رزق و روزی کی تقسیم میں بہترین نقشہ، ایک حسین ترین نظام کائنات جو اعلیٰ مقاصد اور ایک کلی نظام کے مطابق ہے۔ جس سے بہتر نظام کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ان میں ہر ایک گروہ اپنی خاص زبان اور مخصوص اصطلاحوں میں اس لطیفۂ الٰہیہ اور حکمتِ کاملہ کو بیان کرنے کے فرائض انجام دیتا ہے۔ عارف کہتا ہے کہ یہ دنیا حُسنِ مطلق کی پرچھائیں ہے۔ فلسفی کہتا ہے کہ یہ ایک ایسا نظام ہے۔ جو ایک سائنٹیفک نظام کے عین مطابق ہے۔ جو ہر نقص اور ہر عیب سے خالی ہے۔ اگر تھوڑا بہت شر ہے بھی تو اس لئے کہ ان کو سمجھ کر موجودات اپنے حدِ کمال تک رسائی حاصل کریں۔ متکلم اور عالم شریعت کہتے ہیں کہ حکیم اعلیٰ کے تمام افعال حکمت و صلاح پر مبنی ہیں۔ انسانی عقل اپنی کمی اور دامنِ نظر کی کوتاہی کی وجہ سے تقدیرات الٰہیہ میں کارگزار عالی مصالح کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ ان ہی مطالب کو ہر ایک اپنی زبان میں بیان کرتا اور اپنی اپنی وسعتِ علم و عقل کے لحاظ سے ان کے جواز میں ثبوت و دلائل پیش کرتا ہے۔ لیکن چونکہ یہ علم قیل و قال کی حدوں سے آگے نہیں بڑھنے پاتا اور دل کی گہرائیوں میں سرائیت نہیں کرتا، اعتراض کی زبانیں اس کی تردید بھی کرتی ہیں۔ جو شخص ایمان کی لذت سے ناآشنا ہے۔ خود اپنی ہی زبان سے اپنے مفہوم و دلائل کی تکذیب بھی کر دیتا ہے تمام اخلاقی مفاسد کی بنیاد اسی دامنِ نظر کی کوتاہی سے ہے، وہ شخص جو حسد کرتا ہے، دوسرے کی نعمت کے زائل ہونے کی آرزو کرتا ہے اور صاحبِ نعمت کے لئے دل میں کینہ رکھتا ہے۔ وہ یہ جان لے کہ اس کا دل یہ ایمان نہیں رکھتا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مصلحت اور کرم سے یہ نعمت ایک خاص بندے کو عطا فرمائی ہے۔ اور اس مصلحت کو ہماری عقل سمجھنے سے عاجز ہے۔ ایسا شخص یہ سمجھ لے کہ عدل خداوندی پر اس کا ایمان نہیں اور نہ وہ خدائی تقسیم کو عادلانہ جانتا ہے۔ تم اصولِ عقائد کو دہراتے ہوئے یہ ضرور کہتے ہو کہ خدا عادل ہے۔ لیکن یہ کھوکھلے الفاظ کی تکرار کے

سوا کچھ نہیں۔ خدا کے عدل میں ایمان جذبۂ حسد کے منافی ہے۔ اگر تم اُسے عادل سمجھتے ہو تو پھر اس کی تقسیم کو بھی عادلانہ سمجھو۔ حدیث شریف میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حاسد میری تقسیم سے جو میں نے اپنے بندوں کے درمیان روا رکھی ہے ناخوش ہوتا ہے۔ اور میری دی ہوئی نعمتوں پر غضب کا اظہار کرتا ہے۔ قلب انسانی فطرتاً عادلانہ تقسیم کو قبول کرتا ہے۔ اور ناانصافی سے فطرتاً گریزاں اور متنفر ہوتا ہے۔ فطرتِ الٰہیہ جو انسانی ذات میں پیوست ہوتی ہے وہ عدل کو خضوع و خشوع سے قبول کرنے کی طرف راغب رہتی ہے۔ جبکہ ظلم، جبر اور نافرمانی ایسی خصوصیات ہیں جو اس کی نفی کرتی ہیں۔ اگر تم اپنے آپ کو اس کے خلاف پاؤ تو یہ سمجھ لو کہ تمہارے اعتقاد ہی میں کچھ نقص ہے۔ اگر تمہارا دل خدا کی دی ہوئی نعمتوں سے ناخوش اور اس کی عادلانہ تقسیم سے بیزار ہے تو یہ اس وجہ سے ہے کہ تم اس کو عادلانہ نہیں سمجھتے بلکہ معاذاللہ جابرانہ سمجھتے ہو۔ یہ تو ممکن نہیں ہے کہ تمہارا دل اس کی تقسیم کو عادلانہ سمجھے اور پھر بھی اس سے ناراض رہے۔ اس کے بنائے ہوئے نقشے کو ایسا مکمل سمجھے جو بہترین مصالح کے مطابق ہے۔ اور پھر بھی اس کو خوشی سے قبول نہ کرے۔ افسوس ہے کہ ہمارا ایمان ناقص تھا اور عقلی دلائل ادراک کی حد سے آگے بڑھ کر قلب کے تجربے کا جزو نہیں بن سکے۔ ایمان صرف کہنے سننے، پڑھنے اور بحث کرنے یعنی قیل وقال تک محدود نہیں بلکہ وہ نیت کا خلوص مانگتا ہے۔ وہ خدا جو خدایاب ہے، معارف طلب اور معارف جو ہے:

من کان فی ھذہ اعمی فھو فی الاخرۃ اعمی واضل سبیلا

(سورہ بنی اسرائیل آیۃ ۷۲)

جو کوئی (شخص) یہاں پر اندھا ہے، وہ آخرت میں بھی اندھا ہی رہے گا، اور راستے سے اور بھی دور ہو گا۔

اور:

ومن لم یجعل اللہ لہ نوراً فما لہ من نور۔ (سورۃ نور۔ آیۃ ۴۰)

اور وہ جس کے لئے اللہ نے روشنی نہیں بنائی اس کے لئے روشنی نہیں ہے۔

حسد کا عملی علاج :

اس نظریاتی علاج کے علاوہ جس کا ذکر کیا جا چکا ہے، اس برائی کو دُور کرنے کا عملی علاج بھی ہے۔ وہ اس طرح سے کہ تم خود پر جبر کر کے محسود کے ساتھ اظہارِ محبت کرو۔ اور اس عمل کو جاری رکھو۔ اس عمل کا مقصد یہ ہو کہ تم اپنے نفسیاتی مرض کو دور کرنا چاہتے ہو۔ تمہارا نفس تمہیں اس چیز پر اکسائے گا کہ تم اُسے اذیت پہنچاؤ اور اس سے دشمنی رکھو۔ وہ اس کی خرابیوں اور کمزوریوں کو تمہارے سامنے پیش کرے گا۔ تم اپنے نفس کے میلان کے خلاف اس سے رحمدلی کا برتاؤ کرو۔ اور اس کی عزت کرو۔ اپنی زبان کو اس کا ذکر اچھے طریقے سے کرنے پر مجبور کرو۔ اس کے اچھے کاموں کو خود بھی نظر میں رکھو اور دوسروں کے سامنے ان کا ذکر کرو۔ اس کی اچھی صفات کو اپنے ذہن میں رکھو۔ اگرچہ یہ سب شروع شروع میں تصنّع بناوٹ اور غیر واقعی دکھائی دے گا۔ لیکن چونکہ تمہارا مقصد اپنے نفس کی اصلاح اور اس نقص اور رذیلہ کو دُور کرنا ہوگا، اس لئے آخر کار تم حقیقت سے نزدیک ہوتے جاؤ گے۔ تکلّف و تصنّع آہستہ آہستہ دور ہوتا جائے گا۔ جب تمہارا نفس اس کا عادی ہو جائے گا تو یہی باتیں تمہیں حقیقی نظر آنے لگیں گی۔ اپنے نفس کو یہ کہہ کر سمجھاؤ کہ یہ بھی خدا کا بندہ ہے۔ شاید اس پر اللہ تعالیٰ کی نظرِ لطف و عنایت ہو گی کہ اس نے اسے یہ نعمت بخشی اور اسے اپنی عنایت کے لئے مخصوص سمجھا خصوصاً اس صورت میں جبکہ محسود کوئی عالم ہو وہ بھی عالمِ دین اور اپنے علم کی وجہ سے تمہارے حسد کا نشانہ بنے۔ بے شک ایسے لوگوں سے حسد کرنا قبیح ترین عمل اور ان سے دشمنی بدترین عاقبت کا پیش خیمہ ہے۔ تمہیں اپنے نفس کو یہ باور کرانا چاہیئے کہ یہ لوگ خدا کے خاص بندوں میں سے ہیں۔ توفیقِ الٰہی ان کے شاملِ حال ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں اس عظیم نعمت کے ذریعے ان کو خصوصیت بخشی ہے۔ یہ نعمت لوگوں کے دلوں میں اس نعمت کے رکھنے والے کے لئے محبت پیدا کرتی ہے۔ ان کی عزت کرنی چاہیئے اور ان کی منیافت کرنی چاہیئے۔ اس لئے تم کبھی یہ دیکھو کہ کوئی چیز جسے محبت اور خضوع کا باعث ہونا چاہیئے۔ اگر

تم میں اس کا برعکس ردِ عمل پیدا کر رہی ہے تو یہ سمجھ لو کہ شقاوت نے تمہارے نفس کو زیر کر لیا ہے اور تمہارے نفس کی دنیا پر ظلمت کا غلبہ ہے۔ تمہیں اس کی اصلاح کے لیے نظریاتی اور عملی دونوں طریقوں سے کوشش کرنی چاہیئے۔ اس عمل میں اگر تم محبت کے اُصول پر عمل پیرا ہوئے تو جلد کامیاب ہو سکتے ہو۔ اس لیے کہ محبت کا نور قاہر ہے۔ وہ کدورت و ظلمت پر غالب آجاتا ہے۔ اور خدائے تبارک و تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ مجاہدوں کو ہدایت کرے گا۔ اپنے لطفِ غیبی سے ان کی اعانت کرے گا۔ اور انہیں توفیق عطا فرمائے گا۔ بے شک وہ ولی التوفیق والہدایۃ ہے۔

حسد کے رفع کرنے کے بارے میں حدیث

بعض حدیثوں میں یہ وارد ہوا ہے کہ رسول اکرم (ص) نے فرمایا "میری امت کو ۹ برائیوں سے محفوظ کیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک حسد ہے۔ اس طرح کہ اعضائے بدن اور زبان سے اس کا اظہار نہ ہونے پائے۔ لیکن یہ اور اسی طرح کی دوسری حدیثیں اس امر میں مانع نہیں کہ تم اپنی سرزمینِ نفس سے اس شجرِ خبیثہ کا قلع قمع کرنے میں کسی طرح کی کمی کرو۔ تمہیں چاہیئے کہ اپنی روح کو اس ایمان سوز آگ سے، جو دین و ایمان کے لیے ایک آفت و ہلاکت ہے۔ پاک کرنے کی کوشش کرتے رہو۔ کیونکہ یہ بہت کم دیکھنے میں آیا ہے کہ اس مادۂ فساد نے نفس میں داخل ہونے کے بعد مختلف قسم کے فسادوں کو جنم نہ دیا ہو۔ یا اس کا کوئی بُرا اثر اعمال میں ظاہر نہ ہوا ہو۔ اور انسان کا ایمان محفوظ رہا ہو۔ یاد رکھو کہ مختلف احادیث میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ رذیل خصلت ایمان کو نگل جاتی ہے۔ اور اس کے لیے ایک بلا ہے۔ اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ اس صفت کے حامل شخص کو کبھی معاف نہیں کرتا۔ اور اپنے سے دور رکھتا ہے۔ اس لیے ایک ایسی بڑی لعنت اور ایسے مہلک فساد سے جس کی وجہ سے انسان کی دنیا و آخرت خطرہ میں پڑ جائے، غافل نہ نہ رہنا چاہیئے، اور مذکورہ بالا حدیث کا سہارا لے کر اس پر مغرور نہ کرنا چاہیئے کہ تم اس بُرائی سے مامون ہو۔ تمہیں اپنے نفس کی سنجیدگی سے اصلاح کرنی چاہیئے۔ اور اس درختِ خبیثہ کی

کی شاخوں کو قطع کر دینا چاہیئے۔ اسی صورت میں اس کی جڑیں کمزور ہو سکتی ہیں۔ اور ان کی نشوونما رُک سکتی ہے۔ اگر اس ریاضت اور اصلاحِ نفس کے دوران تمہاری موت واقع ہو جائے تو رحمتِ الٰہی تمہارے شاملِ حال ہو گی۔ اس کی بے پایاں رحمت رسول اکرم (ص) کی شفاعت کی برکت سے تمہیں معاف کر دے گی۔ اگر اس کا کوئی اثر باقی رہ بھی گیا ہو تو رحمانیت کی بجلیاں اُسے جلا کر نابود کر دیں گی اور تمہاری روح پاک و پاکیزہ ہو جائے گی۔

حمزہ بن حمران نے روایت کی ہے:

عن ابی عبد اللہ قال: ثلثہ لم ینج منھا نبیٌّ فمن دونہ التفکر فی الوسوسۃ فی الخلق والطیرۃ والحسد الّا أن المؤمن لا یستعمل ھذا۔ (وسائل الشیعہ، باب امر بہ معروف)

حضرت ابی عبداللہؑ سے روایت ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ تین چیزیں ایسی ہیں جن سے پیغمبر اور ان سے کمتر درجے کے لوگ بھی محفوظ نہیں:

(وہ ہیں) لوگوں کے لئے دل میں بُرے خیالات، وسوسے اور شک رکھنا، دوسرے لوگوں کے لئے فالِ بَد نکالنا، اور تیسرے حسد، لیکن مومن کبھی حسد سے کام نہیں لیتا۔"

ہو سکتا ہے کہ یہاں مبالغے سے کام لیا گیا ہو، اور مقصود یہ ہو کہ لوگ ان گناہوں میں کثرت سے مبتلا ہوتے ہیں۔ یا یہ کہ کثرتِ ابتلاء کی طرف محض کنایہ ہو۔ اور اس سے وہ مطلب لفظاً نہ نکلے جو الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں پر حسد کو عمومی معنے میں برتا گیا ہو۔ جس میں رشک (غبطہ) بھی شامل ہو۔ یا کفار کی نعمتوں کے زوال اور ان کے مذہب کی ترویج کو بُری نظر سے دیکھنے کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے اس کو حسد کا نام دیا گیا ہو۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ حسد سے اس کے حقیقی مفہوم میں انبیاء اور اولیاء پاک ہیں۔ کیونکہ وہ قلب جو اخلاقی برائی اور باطنی زنگ سے آلودہ ہو وحی و الہام کو قبول کرنے کے لائق نہیں ہو سکتا اور اس میں حق تعالیٰ سبحانہٗ کی تجلیاتِ ذاتی و صفاتی متجلی نہیں ہو سکتیں۔ اس لئے ہمیں چاہیئے کہ اس حدیث کی تفسیر اس طرح کریں جیسا کہ ان سطور میں کی گئی ہے۔ یا اسی طرح کی کوئی

اور توجیہ کی جائے ۔ بہر حال ہمارا ردِ عمل اس حدیث کے بیان کرنے والے، ان پر خدا کی رحمتیں ہوں، کی طرف حسنِ ظن اور ایمان پر مبنی ہونا چاہیئے ۔

والحمدللہ اوّلاً وآخراً ۔

حدیث ششم

حبِّ دنیا:

"بالسند المتصل الی محمّد بن یعقوب عن محمّد بن یحیٰی عن احمد بن محمّد عن ابی محبوب عن عبد اللّٰہ بن سنان وعبد العزیز العبدی عن عبد اللّٰہ بن ابی یعفور عن ابی عبد اللّٰہ (ع) قال: من اَصبَح وامسیٰ و الدُّنیا اَکبَرُ هَمِّهٖ جَعَلَ اللّٰہُ الفَقرَ بَینَ عَینَیهِ وشَتَّتَ اَمرَهٗ وَ لَم یَنِل مِنَ الدُّنیا اِلَّا مَا قُسِمَ لَهٗ وَمَن اَصبَحَ وَ اَمسیٰ وَ الاٰخِرَةُ اَکبَرُ هَمِّهٖ جَعَلَ اللّٰہُ الغِنیٰ فِی قَلبِهٖ وَجَمَعَ لَهٗ اَمرَهٗ" (کافی۔ ج ۲۔ ص ۳۱۹۔ چاپ آخوندی)

ابن ابی یعفور کہتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ "جو کوئی صبح و شام کرے اس حالت میں کہ دنیا اس کا سب سے بڑا مقصد اور توجہ کا مرکز رہے تو اللہ تعالیٰ، اس کی دو آنکھوں کے بیچ میں فقر و ناداری لکھ دیتا ہے۔ اور اس کے سب کام بگاڑ دیتا ہے اور وہ دنیا سے کبھی مستفید نہیں ہو سکتا، سوائے اس چیز کے جو اس کے لئے مقسوم ہو چکی ہو۔ اور جو کوئی اس طرح سے اپنے صبح شام بسر کرے کہ آخرت اس کا اصلی مقصود رہے تو

اللہ تعالیٰ اس کے دل کو دنیا سے بے نیازی کی دولت عطا فرماتا ہے۔ اور اس کے کاموں کو اس کے لئے پورا کرتا ہے۔"

حدیث کی شرح :

علمی نقطۂ نظر سے اور عارفانہ کشف و شہود کے اعتبار سے دنیا اور آخرت کے کئی معانی اور مفاہیم ہیں۔ ان سب سے بحث کرنا اور ان کی حقیقت پر علمی اصطلاحوں کی مدد سے روشنی ڈالنا نہ ہمارے لئے اہم ہے اور نہ ہمارا مطمح نظر۔ اصطلاحات کا سمجھنا اور سمجھانا ان کی رد و قبول اور جرح و تعدیل پا پیادہ راہرو کو اصل راستے پر گامزن ہونے سے روکتی ہے۔ اس سخن میں صرف اتنا ہی سمجھنا اہم ہے کہ دنیائے مذموم کیا ہے۔ جس سے آخرت کی بھلائی چاہنے والے کو احتراز کرنا چاہیئے اور وہ کون سی چیزیں ہیں جو راہِ نجات پر چلنے میں اس کی اعانت کرتی ہیں۔ ہم انشاء اللہ ان چیزوں کو مختلف فصلوں میں بیان کرنے کی کوشش کریں گے اور اس راہ کے طے کرنے میں ہم توفیق الٰہی کے خواہاں ہیں

دنیا کی حقیقت کے بارے میں علامہ مجلسی کے خیالات

محققِ خبیر اور محدثِ بے نظیر مولانا محمد باقر مجلسی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ قرآنی آیتوں اور آئمہ اطہار کے اخبار سے ہم جو کچھ اپنی عقل و فہم کے مطابق سمجھ سکتے ہیں وہ یہ ہے، کہ دنیائے مذمومہ جن چند چیزوں سے مرکب ہے ان میں سے بعض وہ ہیں جو انسان کو خدا کی اطاعت و دوستی اور آخرت کے حصول سے باز رکھتی ہیں۔ پس دنیا اور آخرت ایک دوسرے کے برعکس ہوئے۔ جو کچھ رضائے خدا سبحانہٗ اور اس کے قرب کا باعث ہے وہ آخرت سے تعلق رکھتا ہے، خواہ وہ ظاہری طور پر دنیا سے متعلق دکھائی دے، جیسے تجارت، زراعت اور صنعت وغیرہ، جن کا مقصد اہل و عیال کی معیشت و پرورش ہے یا وہ جو براہِ راست خدا کے احکام کی پابندی میں ہو اور اس کی خوشنودی کے لئے صرف کیا جائے جیسے معتاجوں کی مدد، مصارف خیریہ، صدقات کی ادائیگی اور لوگوں کی حاجتوں کا پورا کرنا وغیرہ۔ ان تمام امور کا تعلق آخرت

سے ہے، اگرچہ لوگ انہیں دنیا سے نسبت دیتے ہیں، جبکہ ایسی ریاضتیں جو بدعت میں شمار ہوتی ہیں اور ریاکارانہ اعمال اگرچہ کہ ان کے ادا کرنے میں کتنی ہی مشقت اور ریاضت سے کام لیا گیا ہو وہ دنیا کے لئے ہی شمار کی جائیں گی، کیونکہ وہ خدا سے دوری کا باعث ہوتی ہیں۔ اور اس کا قرب حاصل کرنے کے کام نہیں آتیں۔ کفار اور منافقین کے اعمال اس ضمن میں آتے ہیں۔[1]

علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ نے ایک محقق کا قول نقل کیا ہے جن کا کہنا تھا کہ "تمہاری دنیا اور آخرت تمہارے دل کی دو حالتوں سے عبارت ہیں۔ ایک وہ جو سامنے ہے اور موت سے پہلے ہے۔ اس کا نام دنیا ہے دوسرے وہ جو بعد میں سامنے آئے گا اور موت کے بعد وقوع پذیر ہوگا۔ اس کا نام آخرت ہے۔ جس چیز میں بھی تمہیں موت سے پہلے لطف و شہوت و لذت ملے وہی تمہارے لئے دنیا ہے۔

اس فقیر کا کہنا ہے کہ دنیا کو کبھی کبھی وجود کا درجۂ تنزل کہا گیا ہے اس لئے کہ یہ دارِ فنا، اور عالم تغیر و مجاز ہے۔ جبکہ آخرت اس دنیا سے واپس جانے کی منزل ہے۔ یہ ملکِ باطن اور دنیائے ملکوت کا سفر ہے۔ دارِ ثبات و قیام ہے۔ اور دائمی ہے۔ یہ دونوں عالم ہر نفس اور ہر شخص کے لئے مقدر ہیں۔ ہر موجود کے لئے ایک مقام ظہور و ملک و شہود ہے۔ یہی وہ درجۂ تنزل ہے جسے دنیا کہا جاتا ہے۔ اس کے برعکس وہ جو باطن ملکوت اور غیب کا عالم ہے بالاترین مراتبِ وجود میں شمار ہوتا ہے اس کا نام آخرت ہے یہ رفعت کا مقام ہے، اگرچہ دنیا وجود کی پست ترین سطحوں میں سے ہے۔ لیکن چونکہ اپنے تمام تر نقائص اور پستی کے باوجود وجود کے آخری مراتب پر نفوس قدسیہ کی تربیت گاہ اور گہوارہ اور مقاماتِ عالیہ کے حاصل کرنے کی جگہ ہے۔ آخرت کی کھیتی ہے۔ اس لئے اولیاء اور اہل معرفت و سلوک کی نظر میں وجود کا یہ درجہ تمام نظر آنے والے عوالم میں سب سے زیادہ اعزاز کا حامل ہے اور اسے سب سے بڑی نعمت سمجھنا چاہئے۔ اگر یہ مادی دنیا اپنے تمام

---

[1] علامہ مجلسی، بحار الانوار

تغیرات اور طبیعی حرکاتِ جوہریہ اور مظاہرِ ارادی کے ساتھ موجود نہ ہوتی اور اللہ تعالیٰ اس میں تبدل وتغیر کے قانون کو جاری وساری نہ کرتا تو نفوسِ ناقصہ میں سے ایک بھی اپنے کمالِ موعود کو نہ پہنچتا اور اس کے لئے دار ابدیت وثبات میں مقام حاصل کرنا ممکن نہ ہوتا۔ اس کے بغیر تمام دنیائے مادہ و روح میں ہر طرف نقص کا دور دورہ رہتا۔

لسانِ قرآن اور حدیث میں جو کچھ اس دنیا کی مذمت میں کہا گیا ہے وہ درحقیقت براہِ راست دنیا کے متعلق نہیں ہے۔ بلکہ اس پر توجہ مرکوز کرنے اور اس میں غیر معمولی دلچسپی لینے اور اس کی گہری محبت سے تعلق رکھتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ انسان کے لئے دو دنیائیں وجود رکھتی ہیں۔ ایک ممدوح ہے اور دوسری مذموم۔ جو دنیا ممدوح ہے۔ اس لحاظ سے ممدوح ہے کہ یہ دنیا تیاری کی منزل ہے، دار التحصیل اور اچھائیوں اور نیکیوں کے سیکھنے، اعلیٰ مقامات اور کمالات کو پہنچنے اور سعادت مند ابدی زندگی کا انتظام کرنے کا مقام ہے۔ ان سب سعادتوں اور کمالات کا حصول اس دنیا میں وارد ہوئے بغیر ممکن نہیں جیسا کہ مولائے موحدین امیر المؤمنین صلوات اللہ علیہ نے اپنے ایک خطبے میں ایک شخص کو جس نے دنیا کی مذمت کی تھی، جواب دیتے ہوئے فرمایا تھا:

اِنَّ الدُّنیا دارُ صِدقٍ لِمَن صَدَقَها و دارُ عافیةٍ لِمَن فَهِمَ عَنها و دارُ غِنیً لِمَن تَزَوَّدَ مِنها و دارُ موعِظةٍ لِمَن اِتَّعَظَ بِها مَسجِدُ اَحِبّاءِ اللهِ و مُصَلّیٰ مَلائِکةِ اللهِ و مَهبِطُ وَحیِ اللهِ و مَتجَرُ اَولیاءِ اللهِ اِکتَسَبُوا فیها الرَّحمَةَ و رَبِحُوا فیها الجَنَّةَ[1]

"بے شک یہ دنیا سچائی کا گھر ہے۔ اس کے لئے جو سچائی پر عمل کرتا ہے۔ یہ عافیت کی جگہ ہے اس کے لئے جو اس میں عافیت کا انتظام کرتے ہیں۔ یہ دولت کا خزانہ ہے اس کے لئے جو یہاں سے زادِ راہ فراہم کرتا ہے (آخرت کے لئے)۔ یہ سبق حاصل کرنے کا مقام

---

[1] نہج البلاغہ کلمات قصار ۱۳۱۔ (صبحی صالح)

ہے۔ اس کے لئے جو اس کی نصیحت سنتا ہے اللہ سے محبت رکھنے والوں کے لئے یہ ایک عبادت گاہ ہے اور ندا کے فرشتوں کے لئے مصلیٰ، وہ جگہ جہاں اللہ کی وحی نازل ہوئی۔ یہ تجارت کا مقام ہے اولیاء اللہ کے لئے، اسی میں انہوں نے خدا کی رحمت حاصل کی اور منافع میں جنت بھی پائی۔[1]

امام جعفر صادقؑ سے عیاشی نے روایت کی ہے کہ آپ نے دنیا کی تفسیر دیتے ہوئے فرمایا کہ خدا کا قول "نعم دار المتقین" (کیا ہی اچھا ٹھکانا ہے یہ پرہیزگاروں کا) یہ اسی دنیا پر صادق آتا ہے۔ عالم ملک خدا کے جمال و جلال کا مظہر ہے اور قدرتِ مطلقہ کی شہادت کی منزل۔ اس لحاظ سے خود اس میں برائی کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ جو کچھ قابلِ مذمت ہے وہ خود انسان کی دنیا ہے۔ یعنی وہ جس پر انسان توجہ کرتا ہے اور جس سے اُسے محبت ہوتی ہے، یہ وابستگی ہی تمام مفاسد کی جڑ ہے۔ اور تمام عملی اور قلبی نافرمانیوں اور خطاؤں کا سرچشمہ ہے۔ جیسا کہ کافی شریف کی حدیث میں جناب امام جعفر صادق (ع) سے روایت ہے:

قال (ع) "رأس کل خطیئۃ حب الدنیا"

فرمایا امام علیہ السلام نے کہ تمام برائیوں کی جڑ حبِ دنیا ہے"

اور حضرت امام باقر (ع) سے روایت ہے کہ:

وعن ابی جعفر علیہ السلام قال: ماذئبان ضاریان فی غنم لیس لہا راع ھذا من اولہا وھذا فی آخرھا باسرع فیہا من حب المال (والدنیا) والشرف فی دین المؤمن[2]

حضرت امام ابو جعفر علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر دو خونخوار بھیڑیے کسی ایسے گلے پر حملہ آور ہوں جس کا کوئی محافظ نہ ہو اس طرح کہ ایک بھیڑیا آگے سے اور دوسرا پیچھے سے ان سے جو نقصان گلے کو پہنچ سکتا ہے، وہ کم ہوگا اس نقصان سے جو حبِ مال و دنیا و شرف کسی مومن کے دین کو پہنچا

---

[1] کافی۔ ج ۲۔ ص ۳۱۵۔ چاپ آخوندی

سکتی ہے۔

پس معلوم ہوا کہ دنیا سے دلی تعلق اور اس سے محبت دنیائے مذموم ہوئی۔ اور اس سے جتنی زیادہ وابستگی ہوگی اتنے ہی پردے انسان اور دار کرامت و رحمت کے درمیان بڑھتے جائینگے اور انسانی قلب اور حق کے درمیان حائل پردے اتنے ہی زیادہ دبیز ہوتے جائیں گے۔ بعض احادیث میں تذکرہ ہے کہ حق تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان نور اور ظلمت کے ستر ہزار نقاب ہیں، ظلمات کے نقاب دنیا سے قلبی تعلق سے عبارت ہو سکتے ہیں۔ جتنے یہ تعلقات بڑھیں گے اتنے ہی ظلمت کے نقاب بھی زیادہ ہوتے جائیں گے۔ اور جتنا ہی تعلق شدید ہوگا نقابوں کی دبازت اتنی ہی زیادہ ہوگی۔ اور ان کا دور کرنا بھی اتنا ہی مشکل ہوتا جائے گا۔

حبِّ دنیا کی افزائش کے اسباب:

چونکہ انسان عالم طبیعی کی پیداوار ہے یہی دنیا اس کی ماں باپ ہے اور وہ اس عالم آب و گل کا پروردہ ہے۔ اس دنیا کی محبت اس کے دل میں شروع ہی سے نشوونما پاتی رہتی ہے، جیسے جیسے وہ بڑا ہوتا جاتا ہے یہ محبت بھی اس کے دل میں بڑھتی ہی جاتی ہے۔ قوائے شہوانیہ اور اعضائے حصول لذت، جو اللہ تعالیٰ نے اسے انفرادی اور نسلی تحفظ کی غرض سے عنایت فرمائے ہیں، اس دنیا سے اس کی محبت میں اضافہ کا وسیلہ بن جاتے ہیں اور دنیا سے اس کا لگاؤ بھی دن بدن بڑھتا جاتا ہے جب وہ اس عالم کو اپنی لذتوں اور تعیش کی آخری منزل سمجھتا ہے تو موت کو ان وسائل کے منقطع ہونے کا سبب خیال کرتا ہے۔ اگرچہ حکما کی پیش کی ہوئی دلیلوں یا انبیائے صلوات اللہ علیہم کے اخبار کی بناء پر وہ عالم آخرت اور اس کی کیفیات، حالات اور کمالات پر عقیدہ رکھتا ہے پھر بھی اس کا دل ان چیزوں سے بے خبر رہتا ہے۔ اور انہیں قبول نہیں کر پاتا۔ مقام اطمینان اور سلوک کو پہنچنا تو دور رہا۔ اس لئے اس کی دلچسپی اور محبت اس دنیا سے بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اور چونکہ فطرتاً انسان بقاء کا طالب ہوتا ہے۔ اور فناء و زوال سے گریزاں رہتا ہے اور وہ موت کو فنا جانتا ہے اگرچہ کہ اس کی عقل اس بات کی

تصدیق بھی کرتی ہے کہ یہ عالم فانی اور محض ایک گزرگاہ ہے۔ جبکہ دوسرا عالم لافانی، باقی اور سرحدی ہے۔ اصل چیز کسی چیز کا دل میں اتر جانا ہے اور اس کا درجۂ کمال اطمینان قلب ہے۔ اسی لئے حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے حق تعالیٰ سے مرتبہ اطمینان مانگا تھا۔ جو انہیں عطا کیا گیا چونکہ ہمارے ایسے افراد کے دل آخرت میں ایمان نہیں رکھتے، باوجود اس کے کہ ہماری عقل اس کی تصدیق کرتی ہے۔ لیکن ہمارے دل اس عقیدے میں اطمینان حاصل نہیں کر پاتے اسی لئے ہمارے دل اس عالم میں بقا کے طالب رہتے ہیں۔ اور موت اور اس دنیا سے سفر کرنے سے گریزاں ہیں۔ اگر دل اس بات کو مان لے کہ یہ عالم یہ دنیا پست ترین عالموں میں سے ہے، اور دار فنا ہے۔ اسے زوال و تغیر ہے۔ یہ عالم ہلاکت و نقص ہے۔ اور موت کے بعد جتنے بھی عالم ہیں ان میں سے ہر ایک عالم ابدی اور باقی ہے اور دارِ کمال و ثبات ہے۔ سیات و سرور و بہجت کا مقام ہے۔ تو فطری طور پر ہمارے دل میں اس عالم کی محبت پیدا ہوگی اور نتیجے کے طور پر ہمارا دل اس دنیا سے متنفر اور گریزاں ہوگا۔ اگر کوئی اس عالم سے اوپر پہنچے اور مقام شہود و عیان تک رسائی حاصل کرے تو وہ موجودہ دنیا کے باطن کو اور اس دنیا سے اُس دنیا کے تعلق کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔ اس کے بعد اس دنیا میں رہنا اس کے لئے سخت اور ناگوار بن جاتا ہے۔ اور وہ اس سے نفرت محسوس کرتا ہے۔ اس کے دل میں یہ اشتیاق پیدا ہوتا ہے کہ وہ اس محفل ظلمت سے اٹھ جائے اور زمان و مکان کی زنجیروں سے آزادی پالے جیسا کہ اولیائے خدا کے کلمات میں ان چیزوں کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام کا شوقِ وصال:

مولاؑ کے مولا حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: واللہ لابن ابی طالب انس بالموت من الطفل بثدی أمّہ (نہج البلاغہ صبحی صالح) قسم ہے خدا کی کہ ابوطالب کا بیٹا موت سے اس سے زیادہ مانوس ہے جتنا ایک بچہ اپنی ماں کے پستان

سے مانوس ہوتا ہے،، اس لیئے کہ مولائے کائنات نے اس عالم کی حقیقت کا اپنی چشم ولایت سے مشاہدہ کرنے کے بعد جوارِ رحمتِ حق تعالیٰ کا انتخاب کیا تھا۔ اگر مصلحتِ خدا نہ ہوتی تو ان کی نفسِ طاہرہ ایک لحظے کے لیئے بھی اس محفلِ ظلمت میں رہنا گوارا نہ کرتی، اس عالم کثرت میں آنا ظاہری دنیا اور یہاں کی مصروفیتوں میں حصہ لینا ہی نہیں بلکہ عالم ملکوت کی تائید میں بھی اس دنیا میں محبتین خدا اور مجذوبین کے لیئے رنج والم سے کم نہیں جس کا تصور ہم نہیں کر سکتے۔ اولیائے خدا کی نالہ وفریاد زیادہ تر محبوبِ حقیقی کے فراق، اس سے جدائی اور اس کی کرامت سے دوری کے غم میں ہوتی ہے جیسا کہ ان کی مناجاتوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ بے چینی اس صورت میں تھی کہ وہ دنیوی اور ملکوتی خواہشات سے آزاد تھے۔ وہ مادی عالم کے جہنم سے اوپر اٹھ چکے تھے۔ ان کے لیئے یہ آگ خاموش ہو چکی تھی۔ ان کے دل دنیوی تعلقات کو توڑ چکے تھے۔ اور ان کے دلوں میں گناہ کا شائبہ بھی نہ تھا۔ لیکن وہ اس عالم طبیعی میں رہنے کو بھی ایک مادی لذت سمجھتے تھے۔ ان کی نظر میں وہ لذات بھی جو فطری ہیں، خواہ کتنی ہی کم مقدار میں ہوں، خدا اور بندے کے درمیان حجاب ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ، آپؐ نے فرمایا:

لَیغانُ علی قلبی وانّی لاستغفرالله فی کُلّ یوم سبعین مَرّۃً ،

(خدانخواستہ) ایسا نہ ہو کہ میرا قلب (ہوس کے پردوں سے) چھپ جائے، میں خدائے تعالیٰ سے دن میں ستر بار استغفار کرتا ہوں۔

شاید حضرت آدم ابوالبشر کی خطا اسی فطری چیز کا نتیجہ تھی۔ دنیا کی تدبیر اور گندم کی احتیاج طبیعی امور میں سے ہی ایک تھی۔ اتنی لذت دنیا بھی اولیائے خدا اور مجذوبین حق تعالیٰ کے لیئے گناہ کا درجہ رکھتی ہے۔ اگر حضرت آدم جذبۂ الٰہیہ پر ہی قائم رہتے تو اس عالم مادی میں نہ آتے اور یہ تمام لسلہ جو دنیا کی زحمتوں اور آخرت کے حصول کے لیئے ہے، بچھائی نہ جاتی۔ اس ذکر کو یہیں چھوڑتا ہوں تاکہ یہ ورق تمام ہو، اور یہ دفتر بند ہو۔

تمہیں یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ ہر خط جو انسانی نفس اس دنیا میں پاتا ہے، دل پر اس کا اثر ضرور واقع ہوتا ہے۔ جو عالم ملکوت و طبیعی سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا سبب دنیا اور دنیوی لذتوں سے

اس کا تعلق ہی ہے۔ یہ تعلق اور یہ لذائذ جتنے ہی زیادہ ہوں گے دل بھی اس لحاظ سے زیادہ متاثر ہوگا اور دنیا سے اس کی محبت اور تعلق میں روز بروز اضافہ ہوتا جائے گا۔ یہاں تک کہ اس کا دل دنیا اور اس کے خزانوں کی محبت میں سرتاسر ڈوب جائے گا۔ یہ حالت سارے مفاسد کا سرچشمہ ہے۔ انسان کی تمام لغزشیں گناہوں میں گرفتاری اور معاصی وسیئات اسی سے پیدا ہوتی ہیں۔ جیسا کہ کافی کی حدیث شریف میں کہا گیا ہے اور ہمارے شیخ عارف میری روح ان پر فدا ہو کہا کرتے تھے کہ جب دنیا کی محبت قلب انسانی کا خاصہ بن جائے اور دنیا سے اس کا انس شدت اختیار کر لے تو مرتے وقت وہ محسوس کرتا ہے کہ جیسے حق تعالیٰ اسے اپنے محبوب سے جدا کر رہا ہو اور اس کے اور اس کے مطلوب کے درمیان جدائی کی دیوار کھڑی کر رہا ہے۔ تو اپنے معبود کے خلاف بغض و کینہ سے بھرے ہوئے دل کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوتا ہے۔

یہ حوصلہ شکن الفاظ انسان کو ہوش میں لانے اور خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لئے کافی ہیں انسان کو چاہیئے کہ اپنے دل کی بہت کڑی نگرانی کرے۔ خدا نہ کرے کہ وہ اپنے ولی نعمت سے اور حقیقی مالک سے خفا ہو۔ اس خفگی کی آخرت میں کیا صورت ہوگی خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

ہمارے شیخ بزرگوار دام ظلہ اپنے پدر بزرگوار سے نقل کرتے ہیں کہ زندگی کے آخری زمانے میں اپنے ایک بیٹے سے شدید محبت رکھنے کی وجہ سے وہ سخت پریشان رہتے تھے لیکن روز کی ریاضت سے انہیں اس محبت سے چھٹکارا حاصل کرنے میں کامیابی ہو گئی جس سے انہیں بہت خوشی اور آرام ملا۔ اور انہوں نے اطمینان سے دارالسرور کو انتقال فرمایا۔

فی الکافی باسنادہ عن طلحہ بن زید عن ابی عبداللہ قال: مثل الدّنیا کمثل ماء البحر کلّما شرب منہا العطشان ازداد عطشا حتیٰ یقتلہ،، [1]

کافی شریف میں طلحہ ابن زید کی سند سے حضرت ابوعبداللہ (ع) سے روایت ہے، کہ

---

[1] کافی۔ ج ۲۔ ص ۳۲۰۔ چاپ آخوندی

حضرت نے فرمایا" دنیا کی مثال سمندر کے پانی کی سی ہے جتنا زیادہ کوئی پیاسا اس کو پیتا ہے اس کی پیاس بڑھتی جاتی ہے، یہاں تک کہ وہ اسے مار ڈالتا ہے"

دنیا کی محبت انسان کو ہلاکت ابدی کی طرف لے جاتی ہے اور یہ ظاہری اور باطنی خرابیوں اور ابتلاؤں کا سرچشمہ ہے۔ جناب رسول اکرم (ص) سے منقول ہے کہ حضور فرماتے تھے "یہ درہم اور دینار تم سے پہلے اور لوگوں کی جان لے چکے ہیں۔ اور تمہاری جان لینے والے بھی یہی ہوں گے" فرض کرو کہ انسان کسی اور گناہ میں مبتلا بھی نہ ہو (اگرچہ بعید از قیاس بلکہ محال ہے) لیکن خود دنیا سے تعلق ہی کسی گرفتاری سے کم نہیں بلکہ عالم قبر اور برزخ میں انسان کی طوالت کا انحصار تعلق دنیا سے کسی بیشی پر ہی منحصر ہے چنانچہ ہو گا، انسان کی قبر اتنی ہی روشن اور کشادہ ہو گی اور برزخ میں بھی ویسا ہی ہو گا۔ اور انسان کو ان جگہوں پر بہت کم قیام کرنا پڑے گا۔ لہٰذا (حضرت ہادیان کی رو سے) اولیائے خدا تین دن سے زیادہ قبر میں نہیں رہتے۔ یہ مختصر قیام بھی دنیا سے فطری دلچسپی اور جبلی تعلق کی وجہ سے ہوتا ہے۔

حبِ دنیا کے مفاسد میں سے ایک یہ ہے کہ وہ انسان کو موت سے خائف کرتا ہے۔ یہ خوف جو دنیا کی محبت اور دلی تعلق کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اور نہایت قابل مذمت ہے۔ یہ خوف اس خوف سے مختلف چیز ہے جو مومنین کی صفات میں سے ہے۔ اور جو ان میں ہونا چاہیئے موت کے وقت کی سختی ان ہی تعلقات کے قطع ہونے کے سبب ہوتی ہے نہ کہ خود موت کے ڈر سے۔

اسلامی دنیا کے قابل احترام محقق اور سید عظیم الشان میر داماد اپنی بے نظیر تالیف "قبسات" میں خود اپنے لئے کہتے ہیں "لا تخافنک الموت فان مرارتہ فی خوفہ"[1] بیشک تجھے موت نہ ڈرانے پائے کیونکہ اس کی تلخی اس سے خوف کھانے کی وجہ سے ہے"

حبِ دنیا کے سب سے بزرگ مفاسد میں سے ایک یہ ہے کہ انسان کو شرعی ریاضتوں عبادتوں اور مناسک سے باز رکھتی ہے۔ اور انسانی فطرت کے ماذی پہلو کو مضبوط کرتی ہے

---

[1] "قبسات" میر داماد، ص ۷۲

جس کی وجہ سے اس کا مزاج روح کی اطاعت سے باز رہتا ہے، اس کا کہنا نہیں مانتا، وہ انسانی عزم کو سست اور ارادے کو کمزور کر دیتی ہے۔ جبکہ عبادتوں اور شرعی ریاضتوں کا مقصد یہ ہے کہ بدن اور اس کی طبیعی قوتوں کو روح کا مطیع اور روح کا حکم اس کے ہر عمل میں کارفرما ہو۔ جوں ہی وہ کسی چیز کا ارادہ کرے جسم اسے فوری طور پر انجام دینے پر آمادہ ہو۔ اور جس کام سے اپنے بدن کو باز رکھنا چاہے باز رکھ سکے۔ انسان کے جسم کی مملکت اور اس کے قوائے ظاہرہ دنیائے ملکوت کے تابع اور فرمانبردار ہوتے ہیں۔ اس طرح سے کہ وہ جو کام چاہے بغیر کسی تکلف و مشقت کے انجام دے سکتا ہے۔ زحمت سے بھری ہوئی عبادات شاقہ کا راز یہی ہے کہ ان کے ذریعے مقصد آسانی سے پورا ہو سکتا ہے۔ اور ان کی مدد سے انسان صاحب عزم ہو جاتا ہے وہ اپنی فطرت پر غلبہ حاصل کرتا ہے۔ اور دنیاوی میلان کو زیر کر لیتا ہے۔ اگر ارادہ پکا اور مکمل رہتا ہے، اور عزم قوی تو اپنے جسم کی مملکت اور اس کے قوائے ظاہری اور باطنی کے لحاظ سے انسان خدا کے فرشتوں کی برابری کرنے لگتا ہے۔ جو کبھی خدا کے حکم سے سرتابی نہیں کرتے۔ جو کچھ خدا انہیں حکم دیتا ہے۔ وہ اس کی پابندی کرتے ہیں۔ اور جن چیزوں سے وہ منع کرتا ہے ان سے بغیر کسی تکلف یا زحمت کے باز رہتے ہیں۔ انسانی قوا بھی اگر روح کے تابعدار ہو جائیں تو ہر تکلیف اور زحمت خوشی اور راحت میں بدل جاتی ہے۔ اور ساتوں اقالیم ملکوت کے آگے سر تسلیم خم کر دیتے ہیں۔ اور تمام قوائے انسانی ملکوت کے خادم بن جاتے ہیں۔

اے عزیز دوست! یہ جان لو کہ قوی عزم وارادہ دوسری دنیا کے لئے بہت ضروری ہے۔ بہشت کے اونچے مراتب کا معیار جن کا شمار بہترین بہشتوں میں کیا جاتا ہے۔ انسان کا ارادہ اور عزم ہی ہے۔ جب تک انسان پکے ارادے اور عزم کا حامل نہیں ہوتا اس بہشت میں اور اس عالی مقام کو نہیں پہنچ سکتا۔

حدیث میں آیا ہے کہ جب اہل بہشت وہاں پر بھیجے جائیں گے، بارگاہ اقدس الٰہی سے ایک مرقومہ ان کے لئے اس عبارت کے ساتھ بھیجا جائے گا" یہ خط ہے زندہ و پائدار و جاویداں کی طرف سے زندہ و پائدار و جاویداں کے لئے، ہم جس چیز کے لئے صرف کہہ دیتے ہیں کہ ہو جا

تو وہ وجود میں آجاتی ہے۔ آج تجھے ہم نے اس قابل بنایا ہے کہ تو جس چیز کو حکم دے گا وہ وجود میں آجائے، وہ موجود ہو جائے گی" ملاحظہ فرمائیے یہ کیسا اونچا مقام، کیسی سلطنت ہوگی اور کیسی آسمانی فضیلت و قدرت ہوگی جو ارادۂ خدا کا مظہر ہوگی جو معدومات کو وجود کا لباس دے گی۔ تمام جسمانی قوتوں سے قدرت اور ارادے کا یہ اثر بہتر اور افضل ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مرقومہ عبث و بے مقصد رقم نہ ہوگا۔ جس کسی کا ارادہ اسکی شہوانی اور حیوانی قوتوں کا تابع ہوگا۔ اور جس کا عزم مردہ اور ناکارہ ہوگا وہ اس مقام کو نہیں پہنچ سکتا۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلے قیاس آرائیوں سے مبرا ہیں اس دنیا کا نظام اسباب علل اور نتائج کے قانون پر مبنی ہے اور یہی حال اس عالم کا بھی ہے بلکہ وہ عالم مسبب الاسباب کے اس قانون کا بہترین نمونہ ہے۔ تمام نظام آخرت اسباب و مسببات پر ٹھیرا ہوا ہے۔ لیکن ارادے کو تاثیر و قوت ہماری اس دنیا سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ دنیا مزرعۂ آخرت ہے۔ اور تمام نعمات بہشت اور عذابہائے جہنم کا مصدر ہے۔

پس معلوم ہوا کہ شرعی عبادات اور مناسک نہ صرف یہ کہ خود ایک اُخروی اور ملکوتی صورت کے حامل ہوتے ہیں بلکہ بہشت جسمانی اور اس کی تمام خوشیوں اور آسائشوں کی تعمیر کا ذریعہ بھی بنتے ہیں۔ یہ بات براہین اور احادیث کے مطابق ہے۔ اسی طرح سے عبادتوں میں سے ہر ایک انسانی روح پر اپنا ایک خاص اثر چھوڑتی ہے۔ روحانی ارادے کو آہستہ آہستہ تقویت بخشتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کو پوری قدرت حاصل ہو جاتی ہے، اسی لئے عبادت میں چاہے کتنی ہی مشقت کیوں نہ ہو وہ پسندیدہ ہے۔

"وافضل الاعمال احمزہا" (افضل ترین اعمال وہ ہیں جو مشکل ترین ہیں) موسم سرما کی سردرات میں گرم و نرم بستر خواب کو چھوڑ کر عبادت خدا کے لئے اٹھ کھڑا ہونا، روح کو بدن کے اعضاء و جوارح پر غلبہ عطا کرتا ہے۔ اور ارادے کو قوت دیتا ہے۔ گو ابتداء میں یہ کام مشکل اور ناگوار لگتا ہے لیکن اس عمل کو جاری رکھا جائے تو آہستہ آہستہ ناگواری اور زحمت جاتی رہتی ہے۔ اور بدن پر روح کی قدرت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جو لوگ اس طرح کی عبادت کرتے ہیں وہ بغیر کسی زحمت اور تکلیف کے انہیں انجام دیتے ہیں۔ ہم چونکہ کاہلی کرتے ہیں،

اس لیے یہ ہمارے لئے مشکل اور شاق ہوتی ہیں۔ یہ اس لئے ہے کہ ہم کوشش نہیں کرتے۔ اگر ہم کئی بار کوشش کر کے انہیں مسلسل بجالاتے رہیں تو آہستہ آہستہ یہ زحمت راحت میں بدل جائے گی خدا کے عبادت گزار بندے اور اہل مناسک ان عبادتوں سے لذت حاصل کرتے ہیں۔ انہیں ان میں اس سے بھی زیادہ لذت ملتی ہے، جو ہم شہواتِ دنیوی سے اٹھاتے ہیں، کوشش کرتے رہنے سے تمہارا نفس ان کا عادی ہو جائے گا۔

اس عبادت کے کئی فائدے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ عالم آخرت میں ان کی شکل اس قدر حسین و جمیل ہوتی ہے کہ موجودہ دنیا میں اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ اور ہم یہاں اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ دوسرے یہ کہ ان عبادتوں کو بجالانے والا عزم و اقتدار کا مالک ہو جاتا ہے۔ جس کے بہت سے فائدے ہیں۔ جن میں سے ایک کے بارے میں سن چکے ہو۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ انسان آہستہ آہستہ عبادت کے الفاظ اور ان کے معانی سے مانوس ہوتا جاتا ہے اور مجاز و حقیقت ایک دوسرے سے نزدیک ہوتے جاتے ہیں۔ دل کی تمام توجہ مالک الملوک کی جانب مبذول ہوتی ہے۔ محبوب حقیقی کے جمال سے اُسے عشق ہونے لگتا ہے۔ اسی کے ساتھ دنیا و آخرت دونوں سے اس کی محبت اور تعلق کم ہوتا جاتا ہے۔ اگر کسی میں یہ جذبۂ ربانی پیدا ہو جو ایک ایسی حالت کو جنم دے کہ حقیقی عبادت کا مقصد اور ذکر و فکر کے اسرار اس پر کھل جائیں تو دونوں جہان اسے ہیچ معلوم ہونے لگتے ہیں۔ دوئی کا عبار اس کے دل سے چھٹ جاتا ہے۔ اور خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ اس وقت بندۂ خدا کیسی کیسی کرامتوں کا مالک ہوتا ہے۔ جس طرح ریاضت شرعیہ، عبادات و مناسک اور شہوات کا ترک انسان کو صاحب عزم و ارادہ بناتا ہے۔ اسی طرح گناہ بھی انسان کے طبیعی وجود پر غلبہ پاکر انسان کے عزم و ارادے کو کمزور تر کر دیتے ہیں۔ اس بات کا تھوڑا سا تذکرہ ہم اوپر کر چکے ہیں۔

کسی بھی صاحبِ وجدان سے یہ چیز پوشیدہ نہیں ہے کہ اپنی اصلی فطرت اور ذاتی جبلت کے لحاظ سے انسان حسنِ مطلق کے کمال کا عاشق ہوتا ہے۔ اور اس کے دل کا بڑا حصہ جمالِ مطلق اور تمام موجودات کے کامل ترین وجود کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ یہی فطرتِ الٰہیہ ہے جو خداوندِ

تبارک وتعالیٰ نے انسان کو ودیعت فرمائی ہے۔ اسی کے بل بوتے پر بنی نوع انسان کو عالمِ ملک و ملکوت میں ارادے کی قدرت حاصل ہے۔ یہ وہی فطرتِ الٰہیہ ہے جو عشاق کو جمالِ مطلق کے جلوؤں کی طرف کھینچتی ہے۔ لیکن ہر شخص اپنے حال و مقام کے لحاظ سے اس چیز میں اپنا کمال حاصل کرتا ہے جس کی طرف اس کا دل متوجہ ہوتا ہے۔ وہ لوگ جو آخرت میں یقین رکھتے ہیں انہیں آخرت کے مقام اور درجات میں کمال نظر آتا ہے۔ اسی لئے ان کا دل ان ہی چیزوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ خدا سے محبت کرنے والے اہل اللہ جمالِ حق میں کمال کا جلوہ دیکھتے ہیں اور اس کے کمال میں انہیں جمال نظر آتا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

وَجَّہْتُ وَجْہِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔

میں نے اپنے چہرے کا رُخ اس کی طرف موڑ دیا ہے۔ جس نے زمین و آسمان کو بنایا ہے۔ اور "لی مع اللہ حال" کا ورد کرتے ہیں۔ انہیں اس کے وصال کی تمنا اور اس کے جمال سے عشق ہوتا ہے اس کے برعکس اہلِ دنیا چونکہ اپنا کمال دنیوی لذتوں میں ڈھونڈتے ہیں اور ان ہی کا جمال ان کی نظروں میں کشش رکھتا ہے۔ اس لیے وہ فطرتاً ان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ بہرحال انسان کی فطری توجہ اور وہبی عشق کا تعلق صرف کمالِ مطلق سے ہے۔ اور اس کے مقابلے میں دوسرے تمام تعلقات اور علاقے گمراہی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ جتنا ہی ملکی یا ملکوتی دولتوں کو ٹھوکرے گا۔ اور جتنا ہی کمالاتِ روحانی یا دنیوی مال و متاع و سلطنت کو حاصل کرے گا اتنا ہی ان کے لئے اس کا شوق بڑھتا جائے گا۔ اور اس کی آتشِ عشق شعلہ ور ہوتی جائے گی۔ مثلاً کسی شہوانی خواہشوں کے رکھنے والے نفس کے لئے شہوتوں سے تشفی کا سامان جس قدر بڑھتا جائے گا اس کی شہوتوں میں اور اضافہ ہوتا جائے گا۔ ان کو پورا کرنے کے جو سامان مہیا نہیں وہ ان کے حصول کی طرف متوجہ ہوگا۔ اور اس کی آتشِ اشتیاق تیز سے تیز تر ہوتی جائے گی۔ اسی طرح سے کسی ریاست طلب کا نفس زمین کے ایک حصے کو اپنے پرچم اقتدار تلے لانے کے بعد کسی اور علاقے کی طرف متوجہ ہوگا۔ اور اگر تمام کرۂ زمین اس کے قبضے میں آجائے تو اس کا جی یہ چاہے گا کہ دوسرے جہانوں کی طرف پرواز کرے۔ اور انہیں اپنے دائرہ اقتدار میں لائے لیکن بیچارہ یہ نہیں سمجھتا کہ اس

کی فطرت کسی اور چیز کی طلب گار ہے۔ حقیقت میں عشق جبلی و فطری کا مرکز و مقصد محبوبِ مطلق ہے۔ تمام حرکاتِ جوہریہ تمام طبیعی ارادی اور قلبی کیفیات اور تمام نفسیاتی میلانات کا ملجا و ماویٰ جمالِ حسینِ جمیل علی الاطلاق ہی ہے۔ انسان خود نہیں جانتا کہ یہ محبت و اشتیاق و عشق ہی معراج کے سفرِ براق اور کمال کے حصول کی راہ میں رفرف ہے، وہ انہیں غلط مقاصد کے لیے استعمال کرتا ہے۔ اور ان پر بے جا پابندیاں عائد کر کے انہیں قید کر دیتا ہے۔ بہر حال ہم اپنے اصلی مقصد سے دور ہو جاتے ہیں۔ چونکہ انسان کا دل کمال مطلق کی طرف کھنچتا ہے اسی لئے وہ جتنا ہی، دنیوی دولتیں جمع کرے اتنی ہی اس کی دلچسپی ان چیزوں سے بڑھتی جاتی ہے۔ اور چونکہ وہ دنیا اور اس کی دولتوں کو ہی کمال سمجھتا رہتا ہے، اس کی حرص بھی بڑھتی ہی جاتی ہے، جتنا اس کے عشق میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، اتنا ہی دنیا پر اس کا دارومدار بڑھتا جاتا ہے۔ اور دنیا سے نیازمندی ہی اس کا نصب العین بن جاتی ہے۔ اس کے برعکس آخرت میں یقین رکھنے والے لوگ، جنکی توجہ دنیا کی طرف سے ہٹ گئی ہے، جیسے جیسے وہ عالمِ آخرت میں دلچسپی لیتے ہیں، ان کی توجہ اس دنیا کی طرف سے اور بھی کم ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ دنیا کی طرف سے بالکل بے نیاز ہو جاتے ہیں اور ان کے دل میں استغنا اور بے نیازی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور وہ عالمِ دنیا اور اس کی تمام دولتوں کو ناچیز سمجھنے لگتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ اللہ والے افراد دونوں عالموں سے بے نیاز ہو جاتے ہیں اور دونوں سے دور بھاگتے ہیں۔ وہ صرف اغنیٰ علی الاطلاق کے طلبگار ہوتے ہیں اور جلوۂ غنیٔ بالذات ان کے دل کے آئینے میں جلوہ گر ہوتا ہے۔

ابتداء میں نقل کی گئی حدیث شریف کا مضمون اسی بات کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کی شرح ہم نے اب تک کی ہے، فرمایا: جو شخص صبح و شام دنیا ہی کو اپنا سب سے بڑا مقصد بناتا ہے، خداوند تعالیٰ اس کی دونوں آنکھوں کے بیچ میں فقر لکھ دیتا ہے (یعنی اسے فقر کی تاریکی ہر طرف نظر آتی ہے) اور وہ شخص جو اس طرح سے صبح و شام بسر کرتا ہے کہ اس کا سب سے بڑا مقصد آخرت ہو، خداوند استغنا سے اس کے دل کو مالا مال کر دیتا ہے۔" ظاہر ہے کہ ایسا شخص جس کی ولی توجہ آخرت پر مرکوز ہوگی اس کی نظروں میں امورِ دنیا اور انکی تمام دشواریاں حقیر

نظر آئیں گی۔ یہ دنیا اُسے عارضی معلوم ہوگی۔ اور وہ اسے ایک سرائے، ایک بازار اور ایک تربیتگاہ سمجھے گا۔ وہ یہاں کی کسی بھی خوشی یا کسی بھی غم کی پرواہ نہیں کرے گا۔ اس کی ضرورتیں اس دنیا سے کم ہوتی جائیں گی۔ اور دنیا کے امور اور اس کے علاقہ مندوں پر اس کا دار و مدار کم سے کمتر ہوتا جائے گا۔ یہاں تک کہ ایک ایسا مقام آئے گا۔ جب اُسے کسی چیز کی ضرورت نہ رہے گی۔ اس کے جملہ معاملات سنور جائیں گے۔ اور اس کے کاموں میں ایک طرح کا سلیقہ اور حُسن پیدا ہو جائے گا۔ اور وہ غنائے قلبی و ذاتی کا مالک ہوگا۔ پس معلوم ہوا کہ تم جس قدر عظمت اور محبت کی نظر سے اس دنیا کو دیکھو گے، تمہارا دل اتنا ہی اس کا گرویدہ ہوگا۔ اور اس محبت کے درجوں کی مناسبت سے تمہارا دار و مدار اس پر اور بڑھے گا۔ اور تمہارے ہر انداز سے فقر و ذلت ٹپکیں گے۔ تمہارے سارے معاملات درہم برہم ہو جائیں گے۔ تمہارا دل ڈانواں ڈول، پریشان اور خوفزدہ رہے گا اور تمہارے معاملات تمہاری مرضی کے مطابق انجام نہیں پائیں گے۔ تمہاری حرص و طمع دن بدن بڑھتی جا گے گی۔ غم و حسرت تمہیں آدبوچیں گے، اور یاس حسرت تمہارے دل میں ڈیرہ ڈال دیں گی۔ ذیل کی حدیث شریف ان میں سے بعض باتوں کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

روی فی الکافی باسنادہ عن حفص بن قرط عن ابی عبد اللہ ؑ قال: "من کثر اشتباکہ بالدّنیا کان اشدّ حسرۃً عند فراقہا"[1]

کافی میں حفص ابن قرط کی سند سے حضرت ابو عبد اللہ (ع) سے روایت کی گئی ہے کہ "جو کوئی دنیا میں اپنے آپ کو بہت زیادہ ملوث کر لے اس کو اس دنیا سے جُدا ہوتے وقت اتنا ہی زیادہ غم ہوگا اور وہ اتنی ہی زیادہ مشکل محسوس کرے گا"

اور: عن ابی یعفور قال سمعت ابا عبد اللہ ؑ یقول: من تعلّق قلبہ بالدّنیا تعلق قلبہ بثلاث خصال: همّ لا یفنی و امل لا یدرک و رجاء لا ینال[2]

---

[1] کافی ج ۲ - ص ۳۳۰ چاپ آخوندی

[2] ایضاً

ابو یعفور کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابو عبداللہ امام جعفر صادق (ع) کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ "جس کسی شخص کے دل میں دنیا سے زیادہ لگاؤ ہوگا اس کے دل میں یہ تین چیزیں گھر کر لیں گی: بے زوال غم واندوہ، وہ آرزو جو کبھی پوری نہ ہو اور وہ امید جو کبھی بر نہ آئے۔"

آخرت میں ایمان رکھنے والے جیسے جیسے دارکرامتِ حق تعالیٰ سے نزدیک ہوتے جاتے ہیں ان کا دل اتنا ہی مسرور اور مطمئن ہوتا جاتا ہے۔ اور وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر اور گریزاں رہنے لگتے ہیں۔ اور اگر خدا تعالیٰ ان کی موت کا وقت معین نہ کر چکا ہوتا تو وہ ایک پل کے لئے بھی اس دنیا میں نہ رُکتے۔ جیسا کہ مولا امیر المتقین علی علیہ السلام نے فرمایا ہے: پس وہ لوگ اس عالم میں اہل دنیا کی طرح رنج وغم نہیں اٹھاتے۔ اور آخرت میں بھی جوارِ رحمتِ حق تعالیٰ میں جگہ پاتے ہیں۔ جَعَلَنَا اللّٰہ واِیّاکم منھم انشاءاللہ۔ انشاءاللہ خدا ہمیں بھی ان ہی میں شامل کرلے۔

اس لئے اے دوست! اس وقت تم نے برائیوں کے اس نطفے سے پیدا ہونے والے مفاسد کا ذکر سنا اور یہ بھی سمجھ لیا کہ یہ محبت انسان کو ہلاکت سے دوچار کرتی ہے۔ اس سے اس کا ایمان چھین لیتی ہے۔ اور اس کی دنیا و آخرت کو درہم برہم کر دیتی ہے تم آج ہی دامنِ ہمت پورے عزم سے اس بات پر کس لو کہ جس قدر ممکن ہو سکے تم اس دنیا میں دلچسپی کو کم سے کم کرتے جاؤ گے۔ اس محبت کی جڑیں کاٹ دو اور اس چند روزہ زندگی کو کچھ بھی اہمیت نہ دو۔ یہاں کی نعمتوں کو اور یہاں کے رنج والم کو حقیر سمجھو۔ خدائے تعالیٰ سے توفیق طلب کرو کہ وہ تمہاری مدد کرے، اس رنج ومحنت سے تمہیں چھٹکارا دلائے۔ اور تمہارے دل کو اپنے دارکرامت سے مانوس کرے:

وما عند اللہِ خیرٌ وابقیٰ

حدیث ہفتم

غضب کے بارے میں :

مقدمہ

قوائے غضب خدا کی دی ہوئی نعمتوں میں سے ہے جو بہت ساری اچھائیوں کو جنم دیتی ہے۔ اور جس سے بے حساب فائدے ہیں۔ لیکن دوسری فطری قوتوں اور استعدادوں کی طرح اگر اس کا بھی حد سے زیادہ یا حد سے کم استعمال ہو تو یہ بھی بے شمار مفاسد پیدا کر سکتی اور بہت زیادہ نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے۔ اسی وجہ سے حضرت امام جعفر صادقؑ نے اس کو مفتاح شر یعنی شر کی کنجی کا نام دیا ہے۔

بالسند المتصل الی محمد بن یعقوب عن علی بن ابراهیم عن محمد بن عیسیٰ عن یونس عن داؤد بن فرقد قال:
قال ابو عبد الله : الغضب مفتاح کُلِّ شرٍّ [1]

[1] اصول کافی۔ ج ۲۔ صفحات ۳۰۳ تا ۳۰۸ ۔ چاپ آخوندی

سند متصل سے محمد بن یعقوب نے علی بن ابراہیم سے، انہوں نے محمد بن عیسٰے سے اور انہوں نے داؤد بن فرقد سے روایت کی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ غصہ تمام اشرار کی کنجی ہے۔

محقق کبیر احمد بن محمد معروف بہ "ابن مسکویہ" اپنی کتاب "طہارت الاعراق" میں جو خوش ترتیبی اور حسن بیان کے لحاظ سے ایک نفیس اور کم نظیر کتاب ہے۔ جو کچھ اس ضمن میں لکھا ہے کہ اس کا ترجمہ کم و بیش اسطرح ہوگا:

"غصہ حقیقت میں عبارت ہے اس حرکت نفسانی سے جس کی وجہ سے قلب کے خون میں ایک قسم کا جوش پیدا ہوتا ہے جو جذبۂ انتقام کو تقویت دیتا ہے۔ جب یہ حرکت تیز ہوتی ہے تو غصے کی آگ کو بھڑکاتی ہے۔ اور قلب کے خون میں جوش و خروش کا جذبہ مستقل ہو جاتا ہے۔ اور انسان کی شریانوں اور اس کے دماغ کو تاریک اور مضطرب دھوئیں سے بھر دیتی ہے جس کی وجہ سے اس کی عقل ٹھیک سے کام نہیں کرتی اور اس کی کارکردگی کمزور پڑ جاتی ہے، اسلیے وقت حکماء کے قول کے مطابق انسان کی مثل ایک ایسے غار کی سی ہوتی ہے جہاں ایسی آگ لگی ہوئی ہو جس کے شعلے چاروں طرف پھیلے ہوں، اس کے دھوئیں سے پوری فضا میں حبس اور گھٹن کا تسلط ہو۔ اس کا بھڑکنا لحہ بہ لحہ تیز تر ہوتا جائے۔ اور اس کی شدت اشتعال سے چنگاریاں اٹھ رہی ہوں اس کا علاج مشکل تر ہوتا جاتا ہے۔ اور اس کا بجھانا اس طرح محال ہوتا ہے کہ اس پر جو چیز بجھانے کی غرض سے ڈالی جائے وہ بھی اسی کا جزو بن جاتی ہے۔ اور اس آگ کے بھڑکنے میں اضافہ کرتی ہے اور اسے زیادہ پھیلانے کا سبب بنتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس حال میں انسان بالکل اندھا ہو جاتا ہے اور کسی ہدایت اور نیکی کی طرف کان نہیں دھرتا۔ اس شخص کے لئے کوئی علاج اور چارہ نہیں ہے" اس کے بعد ابن مسکویہ لکھتے ہیں کہ: "بقراط کا کہنا ہے کہ میں ایسے جہاز کے لئے جو تیز ہواؤں اور طوفانوں سے دوچار ہو۔ جو سمندر کی مطلاطم موجوں میں متزلزل ہو اور جسے سمندر کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈھکیلا جا رہا ہو، جہاں بڑے بڑے پہاڑ بھی ہیں، بچنے کی زیادہ امید رکھتا ہوں، بہ نسبت اس شخص کے جو غصے

سے برافروختہ ہے۔ اس لئے کہ اس جہاد کو اس کے کھینے والے ملاح کسی نہ کسی ترکیب سے اس آفت سے نجات دلا سکتے ہیں۔ مگر اس شخص کو جو غصے کی آگ سے بھڑک رہا ہو کوئی تدبیر بچا نہیں سکتی۔ کیونکہ جتنا ہی اس کے غصے کو کم کرنے کی کوششیں ہوں، موعظہ اور نصیحت وغیرہ کو کام میں لایا جائے یا خوشامد اور گریہ وزاری کی جائے اتنا ہی اس کی آتشِ غضب میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

قوۂ غضب کے فوائد:

یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ قوۂ غضب خدا کی دی ہوئی نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ جس کے ذریعے انسان اپنی دنیا و آخرت کی تعمیر کرتا ہے اسی سے فرد اور بنی نوع انسان کا تحفظ، بقاء اور نظام خاندانی قائم ہے۔ حتیٰ کہ مدینۂ فاضلہ (یعنی مثالی سوسائٹی) اور معاشرت کی تشکیل میں بھی اس کا بہت زیادہ دخل ہے۔ اگر حیوان میں اس قوۂ شریفہ کا وجود نہ ہوتا تو وہ قدرتی خطرات اور سختیوں سے دفاع کرنے کے قابل نہ ہوتا اور وہ آسانی سے مضمحل ہو کر زوال کا شکار ہو جاتا۔ اگر یہ قوۂ انسان میں نہ ہو تو وہ بہت سارے کمالات اور ترقیوں سے دُور رہتا۔ اس کا اعتدال سے بڑھنا یا گھٹنا بھی اخلاقی برائیوں اور نقائص میں شمار کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کی زیادتی یا کمی کی وجہ سے کئی اخلاقی مفاسد اور عیوب جیسے ڈر، خوف، کمزوری، نااہلی، سستی، طمع، بے صبری، بے استقلالی، آرام طلبی کاہلی، لوگوں کے دباؤ کو قبول کر لینے کی عادت، ظلم کے آگے سر جھکا دینا اپنے یا اپنے خاندان والوں کو پیش آنے والے رذائل و فضائح کو خاموشی سے برداشت کرنا (جو ان چیزوں کے لئے رضامندی دینے کے برابر ہے) بے غیرتی اور کم ہمتی سے پیدا ہوتے ہیں۔ مومنین کی صفات بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اشدّاء علی الکفار رحماء بینھم: (سورۃ فتح - آیہ ۲۹) "وہ کفار کے لئے سخت ہیں اور اپنوں سے رحم کا سلوک کرتے ہیں۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا بروئے کار آنا اور حدود و تعزیرات کا اجرا کرنا اور دوسری

دینی اور عقلی حکمتِ تدابیر پر عمل پیرا ہونا بغیر اس قوۂ شریفۂ غضبیہ کے ممکن نہ ہوتا۔ اس لئے وہ لوگ جو یہ گمان کرتے ہیں کہ قوۂ غضبیہ کو کچل دینا یا اس کو بالکل ختم کر دینا کمالات و معارج روحانی میں شامل ہے۔ وہ خود تو غلطی پر ہیں ہی، ساتھ ہی ساتھ ایک خطائے بزرگ اور گناہ عظیم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہ لوگ کمال اور اعتدال کے درمیان جو حدِ فاصل ہے، اس سے لاعلم ہیں۔ یہ بیچارے اتنا نہیں جانتے کہ خدائے تبارک وتعالیٰ نے تمام انواعِ حیوانات میں یہ قوۂ شریفہ بے کار خلق نہیں فرمایا۔ اس نے بنی نوعِ آدم میں اس قوۂ کو دینوی و اخروی زندگی کا سرمایہ اور خیرات اور برکات کی کنجی قرار دیا ہے۔ دشمنانِ دین سے جہاد، نظام خانوادۂ انسانی کا تحفظ، جان و مال و ناموس اور دوسرے نوامیس الٰہی کا دفاع اور اپنے نفس سے، جو انسان کا سب سے بڑا دشمن ہے جہاد ممکن ہی نہ ہوتا، اگر یہ قوۂ شریفہ کا وجود نہ ہوتا، تجاوزات اور ناانصافیوں کی روک تھام کرنا حدود و ثغور کا اجرا کرنا، موذی اور مضر چیزوں کو فرد اور سماج سے دور کرنا اسی قوۂ کے زیر اثر ہی عمل میں آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حکما نے اس قوۂ کی کمی اور سستی کو دور کرنے کے لئے علاج تجویز کئے ہیں۔ اسکو بیدار کرنے اور تحریک دینے کے لئے کئی سائنٹیفک اور عملی معالجات ہیں۔ جیسے خطرناک مہم کا عزم کرنا، میدان جنگ پر جانا اور دشمنان خدا سے جہاد کے لئے اپنے آپ کو پیش کرنا۔ بعض فلاسفہ سے منقول ہے کہ انہوں نے اپنے نفس کو خوف سے نجات دلانے اور کسالت و سستی سے رہائی پانے کی خاطر خوفناک جگہوں کا رُخ کیا ہے، وہاں قیام کرتے تھے اور اپنے آپ کو بڑے بڑے خطرات میں ڈالتے تھے۔ جب سمندر میں طوفانی لہریں اٹھ رہی ہوں ایسے وقت جہاز میں سفر کرتے تھے۔ بہر حال انسانی اور حیوانی ذات کی گہرائیوں میں قوۂ غضبیہ موجود اور کارفرما رہتا ہے سوائے اس کے کہ بعض لوگوں میں وہ خاموشی اور سوئی ہوئی حالت میں ہے جیسے راکھ کے اندر چنگاری خفتہ رہتی ہے۔ اگر کوئی انسان اپنے آپ میں خاموشی، سستی اور بے غیرتی کا شائبہ بھی محسوس کرے تو اس پر لازم ہے کہ اس کے خلاف عمل کرے۔ اس حالت سے چھٹکارا حاصل کرے اور اپنے آپ کو اس حالتِ اعتدال پر لے آئے جس کا نام شجاعت اور بہادری

ہے اور جو ملکاتِ فاضلہ اور صفاتِ حسنہ میں سے ایک ہے۔

غصّے کی زیادتی کی مذمت :

جس طرح اس قوہ کی کمی یعنی اعتدال کی حد سے گھٹنا صفات رذیلہ میں شمار ہوتا ہے اور کئی مفاسد کا موجب بنتا ہے، جن میں سے کچھ کے بارے میں تم ابھی سُن چکے ہو۔ اسی طرح سے اس کی افراط اور اس کا اعتدال کی حد سے تجاوز کر جانا بھی اخلاقی رذائل کے زمرے میں گنا جاتا ہے۔ اور بے شمار مفاسد کا موجب بنتا ہے۔ کافی شریف کی ایک حدیث افراط کی اس خرابی کے بیان کے لیے کافی ہے،

عن ابی عبد اللہ (ع) قال : قال رسول اللہ (ص) : اَلْغَضَبُ یُفْسِدُ الْاِیمان کما یُفْسِدُ الْخَلُّ الْعَسَلَ۔[1]

حضرت امام جعفر صادق (ع) سے منقول ہے کہ رسول خدا (ص) نے فرمایا ہے کہ غضب ایمان کو اسطرح فاسد کر دیتا ہے جیسے سرکہ شہد کو، کتنے ہی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ انسان غصّہ کرتا ہے اور اس کی شدت میں دینِ خدا سے پھر جاتا ہے۔ اور نورِ ایمان کو بُجھا دیتا ہے اور غضب کی ظلمت اور اس کی آگ نہ صرف سچے عقائد کو جلا کر بھسم کر دیتی ہے بلکہ جلا دینے والے کفر کا بھی باعث بنتی ہے۔ اور اس انسان کو ہلاکتِ ابدی کے اندھیرے غار میں ڈھکیل دیتی ہے۔ بعد میں اگر وہ پشیمان بھی ہو تو اس کی پشیمانی بے کار ہے۔ ہوسکتا ہے کہ غصّے کی آگ اس کے دل میں وارد ہو چکی ہو۔ یہ شیطان کی پھینکی ہوئی چنگاری ہے۔ جیسا کہ حضرت امام باقرالعلوم علیہ السلام نے فرمایا ہے :

اِنَّ ھٰذَا الْغَضَبَ جَمْرَۃٌ مِنَ الشَّیطان توقد فی قَلْبِ اِبْنِ آدَمَ۔

بے شک غصّہ آگ کی وہ چنگاری ہے جو شیطان نے ابنِ آدم کے دل میں بھڑکائی ہے۔

اس عالم میں یہ غصہ آتشِ غضبِ الٰہی کی شکل میں ظاہر ہوگا، جیسا کہ حضرت باقرالعلوم (ع) نے فرمایا ہے:

کافی کی ایک حدیث شریف ہے، مکتوب فی التوراۃ فیما ناجی اللہ عزّ وجلّ بہ موسیٰ: یا موسیٰ امسک غضبک عمّن ملکتک علیہ اکفّ عنک غضبی۔

توراۃ میں درج ہے ان اسرار کے ضمن میں جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ (ع) پر فاش کیئے۔ فرمایا کہ اے موسیٰ ان لوگوں پر غصہ کرنے میں احتیاط سے کام لو جن پر میں نے تم کو حکومت عطا کی ہے تاکہ میں اپنا غصہ تم سے دور رکھوں۔

معلوم ہونا چاہیے کہ کوئی آتش آتش الٰہی کے غضب سے بڑھ کر دردناک نہیں، جیسا کہ حدیث شریف میں حضرت عیسےٰ ابن مریم سے وارد ہے کہ حواریوں نے ان سے سوال کیا کہ کونسی چیز ہے جو سب سے زیادہ دردناک ہے۔؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ دردناک ترین چیز عذابِ خدا ہے"، پھر پوچھا کہ کس طرح سے ہم اپنے آپ کو اس سے محفوظ رکھیں؟ فرمایا "غصہ نہ کرکے"

پس معلوم ہوا کہ خدا کا غضب سب سے بڑھ کر دردناک اور شدید چیز ہے اور اس کے غضب کی آگ سب سے بڑھ کر زیادہ تپش رکھتی ہے۔ اس دنیا میں غصے کا نتیجہ اس دوسرے عالم میں آتشِ غضبِ خدا کی شکل میں ظاہر ہوگا۔ اور جس طرح سے غضب (غصہ) دل کی اندرونی تہوں سے ظاہر ہوتا ہے، شدید آتشِ غضب الٰہی بھی، جو غصہ اور تمام اندرونی رذائل کی میزان ہے، دل کے اندر سے وارد ہوا اور پھر تمام ظاہر میں سرایت کر جائے اور انسان کے قوائے ظاہری، جیسے آنکھ، کان، زبان اور ناک سے شعلے بھڑکیں گے۔ اور یہ حواسِ ظاہری دروازوں کا کام کریں گے، جو جہنم کی طرف کھول دیئے جائیں گے۔ انسانی اعمال کے جہنم، اور جسمانی دوزخ کی آگ انسان کے ظاہری بدن کو اپنی لپیٹ میں لینے کے بعد اس کے باطن کا رُخ کرے گی۔ اور انسان ان دونوں جہنموں کے درمیان جن میں سے ایک قلب کے اندر سے وارد

ہوکر ام الدّماغ کے راستے سے پورے بدن کو اپنے شعلوں کی لپیٹ میں لے لے گا اور دوسرا جو اعمال قبیح اور افعال کی ظاہری شکل کا نتیجہ ہوگا یہ ظاہر سے باطن کا رُخ کرے گا۔ اور طرح طرح کے عذابوں اور فشاروں کا سبب بنے گا۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ جلنے اور جل کر پگھلنے کے علاوہ اور کیسے کیسے فشاروں اور کیسی کیسی زحمتوں کا سامنا کرنا ہوگا۔ تم یہ سمجھتے ہو کہ جہنم کے شعلوں کا احاطہ اتنا ہی ہے جیسا کہ تم (عموماً) سمجھتے ہو۔ یہاں پر شعلے صرف ظاہر اور سطح کا احاطہ کرتے ہیں جبکہ وہاں کے شعلے اندر اور باہر سطح اور عمق ہر طرف سے گھیر لیں گے۔ اگر خدانخواستہ غصّہ کسی انسان کا مستقل اور راسخ ملکہ بن جائے تو اور بھی مصیبت کی بات ہے۔ برزخ اور قیامت میں وہ ایک حیوانی شکل اختیار کرے گا اور وہ بھی اس حیوان کی جس کی نظیر اس دنیا میں نہیں ہے اس لئے کہ اُس عالم میں انسان کی جو حیوانی حالت ہوگی اسکا مقابلہ کسی بھی حیوان سے نہیں کیا جا سکتا۔ جس طرح اپنے منفرد کمال کی بنا پر کوئی بھی جاندار اس عجوبۂ دہر (انسان) کی برابری نہیں کر سکتا۔ اسی طرح نقص اور کمزوری کی انتہا میں اور صفاتِ رذیلہ اور ملکاتِ خبیثہ کے لحاظ سے بھی کوئی موجود اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اولئک کالانعام بل ھم اضل، یعنی وہ مویشیوں (کے گلے) کی طرح ہیں، مگر بدترین خط کار (سورۃ اعراف۔ آیۃ ۱۷۹)

اور قلب بشری کی قاسیت کے لیے نازل ہوا ہے: فَھِیَ کَالْحِجَارَۃِ اَوْاَشَدُّ قسوۃً "یعنی ان کے دل پتھروں کی طرح ہو گئے بلکہ سختی میں اس سے بھی زیادہ"

(سورہ بقرہ۔ آیۃ ۷۴)

یہ سب جو کچھ تم سن رہے ہو غصّے کے اس شعلہ سوزناک سے پیدا ہونے والے فساد کا ایک شمہ ہے، وہ بھی اس صورت میں کہ اس سے دوسرے گناہ اور فساد پیدا نہ ہوں۔ کیونکہ یہ اندھیرا پھیلانے والی اندرونی آتش ہے جو انسان کی دنیائے باطن میں بھر جاتی اور محبوس ہو جاتی ہے۔ اس دم گھٹنے والی فضا میں ایمان کی روشنی کی شعاؤں کا راستہ روک دیتی ہے۔ اسی طرح جیسے دبا ہوا شعلہ اندر ہی اندر پیچ کھاتا اور اس کے تاریک کرنے والے دھوئیں سے

روشنی رکتی اور خاموش ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ بعید از قیاس ہی نہیں بلکہ ناممکنات میں سے ہے کہ غصّے کی شدت کی حالت میں اور اس کے شعلوں کے اشتعال کے درمیان انسان دوسرے گناہوں بلکہ موبقات اور مہلکات سے محفوظ رہے، یہ خلافِ فطرت ہے۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ اس شیطانی چنگاری کے ایک منٹ کے لیے بھڑک اٹھنے ہی سے انسان ہلاکت اور نابودی کی چٹان پر گر پڑتا ہے۔ وہ معاذ اللہ، انبیاء اور مقدّسین کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہوتا ہے، کسی معلوم ہستی کے قتل سے اپنے ہاتھ رنگین کرتا ہے، حرمات کی ہتک کا گنہگار ہوتا ہے۔ اور اپنی دنیا اور آخرت کو بادِ فنا کے حوالے کر دیتا ہے، جیسا کہ کافی کی ایک حدیث شریف میں کہا گیا ہے:

عن ابی عبد اللہ (ع) فی حدیث: کان ابی یقول: ایُّ شَیْءٍ اشدُّ مِنَ الْغَضَبِ اِنَّ الرَّجُلَ لَیَغْضَبُ فَیَقْتُلُ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللہُ وَیَقْذِفُ الْمُحْصَنَۃَ ۵

حضرت ابو عبداللہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا میرے والد بزرگوار فرماتے تھے "کون سی چیز ہے جو غصّے سے زیادہ شدید ہے؟ بے شک جب کوئی غصہ کرتا ہے تو وہ نفس کو قتل کرتا ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ اور متأہل عورت پر تہمت لگاتا ہے۔

بہت سارے فتنے و فساد و فجائع غصّے اور اشتعال کے زیرِ اثر وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ جو شخص اس آتشِ سوزاں کا شکار ہو اسے اپنے سکون کے لمحوں میں (ٹھنڈے دل سے) اپنی غضبناکی کے خطرات و اثرات کو محسوس کر کے ان سے ڈرنا چاہیئے۔ اپنے جذبات کے بھڑاؤ کی حالت میں اُسے اپنے علاج کی تدبیر کرنی چاہیئے اور اس کے اسباب اور مفاسد ان کی شدت اور ان کے اثرات کے بارے میں ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیئے۔ اور اپنے آپ کو اس رذیلہ سے نجات دلانی چاہیئے۔ اُسے یہ سوچنا چاہیئے کہ یہ قوت جو خدا تعالیٰ نے نظامِ عالم کے تحفظ اور بنی نوع انسان اور فرد کی بقاء، نظامِ خانوادہ کے نظم و ضبط اور

انسانی حقوق و حدود کی حفاظت کے لیے مرحمت فرمائی ہے اس سے کام لے کر نظامِ ظاہر و باطن اور عالم غیب و شہادت کی اصلاح کرنا چاہیئے۔ اور اگر اس کے خلاف وہ اسکو حق تعالیٰ کے مطلوبہ راستے سے ہٹا کر مخالف سمت میں اور مقاصد الٰہی کے خلاف استعمال کرتا ہے تو وہ کتنی بڑی خیانت کا خطاوار اور کتنی سخت ملامت اور سزا کا مستحق ہوگا۔ یہ کتنا بڑا ظلم ہے اور کتنی بڑی جہالت کی انتہا ہے کہ اس نے حق تعالیٰ کی اس امانت کا شکر ادا کرنے کے بجائے اس کو راہ عداوت میں صرف کیا۔ اور اوپر سے اس کے غیض و غضب کو دعوت بھی دی۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ اس طرح کے شخص کو غضب الٰہی سے امان نہ ملے گی۔ پھر اس کو غصے سے پیدا ہونے والے اخلاقی اور عملی مفاسد کا جائزہ لینا چاہیئے جو اس ناہنجاری کے پھل ہیں۔ ممکن ہے کہ ان میں سے ہر ایک انسان کو ابد تک عذاب میں مبتلا کرنے کے لیے کافی ہوں۔ ان کی وجہ سے انسان دنیا میں مشکلوں اور بلاؤں میں گرفتار ہوتا اور آخرت میں دردناک عذاب اور عقاب میں مبتلا ہوتا ہے۔

غصّے سے پیدا ہونیوالی اخلاقی خرابیاں:

اس بدخلقی سے نہ صرف اخلاقی مفاسد جیسے بندگانِ خدا سے کینہ پیدا ہوتے ہیں بلکہ کبھی کبھی یہ انبیاء اور اولیاء خدا سے بھی کینہ رکھنے، یہاں تک کہ ذاتِ مقدس واجب الوجود اور دائمی نعمت سے بھی کینہ رکھنے کا گناہ بناتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس گناہِ عظیم سے بڑی اور فساد کتنا خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔ نفس کی سرکشی کے شر سے اللہ تعالیٰ ہی اپنی پناہ میں رکھے اس کی لگام اگر ایک پل کے لیے بھی ہاتھ سے چھوٹ جائے تو انسان کو خاک مذلت میں گرا کر ہلاکت ابدی میں ڈھکیل دیتی ہے۔ حسد اور اس طرح کے دوسرے فضائح جس کا ذکر اس سے قبل حدیث پنجم کی شرح میں کیا جا چکا ہے (اسی سے پیدا ہوتے ہیں)۔

غصّے سے پیدا ہونے والی اعمال کی خرابیاں:

غصے سے

پیدا ہونے والے مفاسد اعمال بھی کم نہیں ہیں ۔ ہوسکتا ہے کہ غصے کی حالت میں کوئی انسان معاذ اللہ، انبیاء اور اولیائے خدا کی شان میں گستاخی کرے یا محرماتِ الٰہی کی بے حرمتی کرے یا توہین محترمہ کی ہتک کرے یا کسی پاکباز فرد کے قتل کا ارتکاب کرے ۔ یا کسی بے یار و مددگار بے چاری عورت کی بے عزتی کرکے اس کی گھریلو زندگی درہم برہم کردے ۔ لوگوں کے رازافشا کرے اور پوشیدہ رکھنے والی چیزوں کی ہتک کرے ۔ یہ اور اس طرح کے بے شمار مفاسد ہیں، جن میں اس ایمان سوز اور خانہ خراب آگ کے اشتعال کے نتیجے میں انسان مبتلا ہوتا ہے ۔ اس بدخلقی کو امراضِ روحانی کی ماں بھی کہا جاسکتا ہے ۔ کیونکہ یہ تمام اشرار کی کنجی ہے اس کے برعکس غیض و غضب کو قابو میں رکھنا اور اس کے شعلے کو فرو کرنا جوامع الکلام (تمام حکمتوں کا جامع) ہے ۔ اور تمام محاسن کا نقطۂ ارتکاز و خلاصۂ کرامات ہے، جیساکہ کافی کی ایک حدیث شریف میں وارد ہوا ہے :

"عدّة من اصحابنا عن احمد بن محمد بن خالد باسناده عن ابی عبدالله (ع) قال : سمعت ابی یقول : أتی رسول الله (س) رَجُلٌ بَدَوِیٌّ فقال: إنّی أسکُنُ البادیة فعلّمنی جوامع الکلام، فقال آمرُکَ ان لاتغضب فلاده علیه الاعرابی المسئلة ثلاث مرّات حتی رجع الرّجُل إلی نفسه فقال : لا أسألُ عن شیء بعد هذا ما امرنی رسول الله إلّا بالخیر، قال : و کان ابی یقول ، أیّ شیء اشدّ من الغضب إنّ الرّجل لیغضب فیقتُلُ النّفس الّتی حرّم الله و یقذف المحصنة"

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے والد بزرگوار سے سنا، انہوں نے فرمایا کہ ایک صحرانشین رسول اکرم (س) کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں ایک ریگستان کا باشندہ ہوں، مجھے جوامع الکلام (جو چیز الفاظ کم اور معنے زیادہ رکھتی ہو) کی تعلیم عنایت فرمایئے ۔ رسول خداؐ نے فرمایا کہ "میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ تو غصے میں نہ آ" اس پر اس شخص اعرابی نے اپنے سوال کو تین مرتبہ تکرار کیا یہاں تک کہ خود اپنے آپ سے مخاطب

ہوا اور بولا کہ "اس کے بعد اب کسی بھی چیز کے بارے میں سوال نہ کروں گا" چونکہ رسول خدا (ص) نے کبھی مجھے سوائے خیر کے اور کسی چیز کا حکم نہیں دیا"۔ اس کے بعد امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میرے والد بزرگوار فرماتے تھے کہ کون سی چیز ہے جو غصّے سے بدتر ہے۔ جب انسان غصّے میں آتا ہے، اس نفس کو قتل کرتا ہے، جس کا خون خداوند تعالیٰ نے حرام کیا ہے اور شوہردار عورت پر افترا طرازی کرتا ہے۔

بعد میں جب ایک عاقل انسان اپنے سکون کے لمحوں میں غصّہ ٹھنڈا ہونے کے بعد اس کے مفاسد اور غصّے کو قابو میں رکھنے کے فوائد کا جائزہ لے تو وہ ضرور اس نتیجے پر پہنچے گا کہ ہر قیمت پر چاہے کتنی ہی زحمت اور مصیبت نہ اٹھانی پڑے اس آتش سوزاں اور اس شعلہ فروزاں کو اپنے قلب سے فرو کرنا چاہیئے۔ اور اپنے دل کو اس کی ظلمت اور کدورت سے پاک کرنا چاہیئے یہ کام اپنے نفس اور اس کی خواہش کے خلاف عمل کرنے اور اس بدخلقی کے عواقب پر غور کرکے اپنے آپ کو پند و نصیحت کرنے سے عبارت ہے۔ جو ہر شخص کے امکان میں ہے۔ اسی طرح تمام بُرے اخلاق اور ملکات زشت کو اپنے نفس کی سرزمین سے نکال باہر کرکے تمام محاسن اخلاقی اور ملکاتِ حسنہ کو اپنے دل میں مستقر کیا جا سکتا ہے۔ تاکہ روح ان فضائل سے آراستہ و پیراستہ ہو۔

اشتعال کی حالت میں غصّے کا علاج:

اشتعال کی حالت میں بھی غصّے کے عملی اور نظری علاج ممکن ہیں اس کا نظری علاج ان امور کے بارے میں غور و فکر کرنا ہے، جن کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ جو بجائے خود ایک طرح سے عملی معالجہ ہی بن جاتا ہے عملی معالجوں میں انصراف نفس (یعنی اپنے نفس کی خواہش کو نظر انداز کرنا) سب سے اہم علاج ہے۔ یہ غصّے کے اولین مرحلے میں ہی ممکن ہے۔ کیونکہ یہ قوّہ ایک آگ کی طرح آہستہ آہستہ بھڑکتا ہے اور شدت پیدا کرتا ہے، یہاں تک کہ اس کا تنور اتنا گرم ہو جاتا

ہے کہ اس سے شعلے اٹھنے لگتے ہیں۔ اس کے نتیجے کے طور پر انسان اپنے آپے سے باہر ہو جاتا ہے اور یہ کیفیت اس کے عقل اور ایمان کی روشنی کو گل کرنے کا باعث بنتی ہے۔ چراغِ ہدایت بالکل بجھ جاتا ہے اور انسان ذلیل ہو جاتا ہے۔ اس لئے انسان کو چاہیئے کہ اس بات کا پورا خیال رکھے اور اس کے اشتعال کو بڑھنے نہ دے۔ اس سے پہلے کہ اس کا شعلہ شدت پیدا کرے اس کو چاہیئے کہ اس جگہ سے اٹھ جائے، جہاں اس کے غصے کے اسباب مہیا ہیں۔ یا اپنی حالت میں تغیر پیدا کر کے اپنے غصے کے وسائل سے کنارہ کشی اختیار کرے۔ اگر وہ بیٹھا ہوا ہو تو اسے چاہیئے کہ اٹھ کر کھڑا ہو جائے اور اگر کھڑا ہوا ہو تو بیٹھ جائے، یا اللہ تعالیٰ کے ذکر میں اپنے آپ کو مشغول کرے یا کسی دوسرے کام میں مصروف ہو جائے۔ بعض لوگ تو غصے کی حالت میں ذکر خدا کرنے کو واجب سمجھتے ہیں۔ بہر حال، غصے کے ظاہر ہونے کے ابتدائی مرحلوں میں اس کو روکنا بہت آسان ہے۔ اس کے دو طریقے ہیں: پہلا یہ کہ اس حالت میں اپنے نفس کو حالتِ سکون میں لائے اور غصے کی آگ کو دھیما کرے، دوسرے یہ کہ اپنے نفس کے بنیادی علاج کی تدبیر کرے۔ اگر کچھ دن انسان اپنی حالت کو قابو میں رکھے اور اپنے نفس سے اس طرح پیش آئے تو اس کی حالت پوری طرح بدل جائے گی۔ اور اس میں اعتدال پیدا ہو گا۔ ان میں سے بعض چیزوں کی طرف کافی کی ایک حدیث شریف میں اشارہ کیا گیا ہے:

باسناده عن ابی جعفر قال: إِنَّ هٰذَا الْغَضَبَ جَمْرَةٌ مِنَ الشَّيْطَانِ توقد فی قلب بنی آدم وانّ احدکم إذا غضب احمرّت عیناه وانتفخت اوداجه ودخل الشیطان فیه فاذا خاف احدکم ذلك من نفسه فلیلزم الارض فانّ رجز الشیطان یذهب عنه عند ذلك ۔

حضرت باقر العلوم (ع) نے فرمایا کہ بے شک غضب شیطان کی ڈالی ہوئی چنگاری ہے جو اس نے ابن آدم کے سینے میں روشن کی، بے شک تم میں سے کوئی جس وقت غصے میں

آتا ہے، اس کی آنکھیں سُرخ ہو جاتی ہیں، اس کی گردن کی رگیں پھُول جاتی ہیں اور ان میں شیطان کا عمل دخل ہو جاتا ہے۔ پس جب کبھی تم میں سے کسی کو ایسا خطرہ محسوس ہو، زمین پر لیٹ جاؤ اور زمین سے چمٹ جاؤ کیونکہ اس حالت میں یہ شیطانی لعنت دُور ہو جائے گی۔

بِاَسْنَادِہٖ عَنْ مَیْسِرٍ قَالَ: ذُکِرَ الْغَضَبُ عِنْدَ اَبِی جَعْفَرٍ (ع) فَقَالَ: اِنَّ الرَّجُلَ لَیَغْضَبُ فَمَا یَرْضٰی حَتّٰی یَدْخُلَ النَّارَ فَاَیُّمَا رَجُلٍ غَضِبَ عَلٰی قَوْمٍ وَھُوَ قَائِمٌ فَلْیَجْلِسْ مِنْ فَوْرِہٖ ذٰلِکَ فَاِنَّہٗ سَیَذْھَبُ عَنْہُ رِجْزُ الشَّیْطَانِ وَاَیُّمَا رَجُلٍ غَضِبَ عَلٰی ذِیْ رَحِمٍ فَلْیَدْنُ مِنْہُ فَلْیَمَسَّہٗ فَاِنَّ الرَّحِمَ اِذَا مَسَّتْ سَکَنَتْ۔

راوی کہتا ہے کہ امام باقر (ع) کے حضور میں جب غصّے کا ذکر چلا تو حضرت نے فرمایا کہ بے شک جب کوئی مرد غصے میں آتا ہے اس وقت تک اس کو تشفی نہیں ہوتی جب تک کہ اُسے آتشِ جہنم تک نہ پہنچا دے۔ اس لئے ہر فرد کو جب اُسے کسی قوم پر غصّہ آئے تو چاہیئے کہ اگر وہ کھڑا ہوا ہو تو فوراً بیٹھ جائے تاکہ وسوسہ شیطان فوراً دور ہو جائے اور وہ مرد جو اپنے رشتہ دار پر غصّے میں آئے اُسے چاہیئے کہ وہ اس کے نزدیک جا کر اُسے چھُو لے، کیونکہ جب خونی تعلق یا اپنائیت کو محسوس کیا جائے تو غصّہ فوراً ٹھیر جاتا ہے۔ اس حدیث شریف سے غصّے کی ابتدائی حالت کو قابو میں کرنے کے دو عملی علاج سیکھے جا سکتے ہیں، ایک عمومی یعنی بیٹھ جانا اور اپنی جسمانی حالت میں تبدیلی لانا۔ جیسا کہ دوسری حدیث میں بھی کہا گیا ہے کہ اگر کوئی بیٹھا ہو اور غصّہ آئے تو کھڑا ہو جائے۔ اہل سُنت کی احادیث کے مطابق کہا گیا ہے پیغمبر خدا (ص) اگر کھڑے ہوتے اور انہیں غصّہ آتا تو وہ بیٹھ جایا کرتے تھے اور اگر بیٹھے ہوئے ہوتے تو بیٹھے کے بل لیٹ جاتے تھے، اس طرح آپؐ کا غصّہ ٹھنڈا ہو جاتا۔ دوسرا مخصوص علاج ارحام کے تعلق سے ہے کہ اگر کسی فرد کو اپنے ہی رشتہ دار پر غصّہ آئے تو وہ اُسے چھُو لے، اس طرح اس کا غصّہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔ یہ معالجات اس شخص کے لئے ہیں، جو غصّے کی حالت میں خود اپنا علاج کرنا چاہتا ہے۔ لیکن اگر دوسرے لوگ چاہیں کہ کسی شخص

کا علاج جب وہ غصّے کی حالت میں ہو کریں تو اس صورت میں جبکہ غصہ ابتدائی مراحل میں ہو اوپر تجویز کیے گئے علمی اور عملی طریقوں میں سے کسی بھی طریقے کو استعمال میں لا سکتے ہیں لیکن اگر غصہ شدت اختیار کر چکا ہو اور اس میں اشتعال پیدا ہو چکا ہو تو نصیحتوں سے الٹے نتائج نکلیں گے۔ اس حال میں علاج بہت مشکل ہے۔ سوائے اس کے کہ اس کو کسی ایسی ہستی سے جس کا اس پر رعب ہو ڈرایا جائے۔ کیونکہ انسان صرف ان ہی لوگوں پر غصّے میں آتا ہے جن کے مقابلے میں وہ اپنے آپ کو طاقت ور اور غالب سمجھتا ہے یا کم از کم ان کو اپنے برابر کا سمجھتا ہے لیکن ان لوگوں کے لیے جن کو وہ اپنے اوپر غالب اور حاکم سمجھتا ہو اس کا غصہ ظاہر نہیں ہوتا بلکہ اس کے دل میں خون اندر ہی اندر ایک باطنی اشتعال سے کھولتا ہے۔ غصہ اندر ہی اندر گھٹ کر رہ جاتا ہے۔ اور ایک حزن و ملال کی کیفیت اس کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے معلوم ہوا کہ غصّے کی شدّت اور اشتعال کا علاج ایک بہت ہی دشوار اور مشکل کام ہے۔ نعوذ باللہ منہ

غصّے کا بنیادی علاج اور اس کی بیخ کنی :

غصّے کے بنیادی علاجوں میں سے ایک اس کے مادے کا قلع قمع کرنا اور ان اسباب کو دور کرنا ہے جو غصّے کے بھڑکانے میں معاون ہوتے ہیں۔ یہ اسباب متعدد ہیں۔ ان میں سے ہم صرف ان کے بارے میں بحث کریں گے جو ان اوراق سے مناسبت رکھتے ہیں ان میں سے ایک حبِ نفس ہے، جس سے دوسری خرابیاں۔ جیسے حبِ جاہ و حشمت و شرف اور اقتدار سے محبت یعنی اپنے اثر اور ارادے کو وسعت دینے کا رجحان ایسی برائیاں پیدا ہوتی ہیں۔ یہ سب غصّے کی آتش کو تیز کرنے کا سبب بنتی ہیں۔ اس لئے کہ جس انسان کے دل میں ان چیزوں کی محبت ہوگی وہ ان امور کو بہت زیادہ اہمیت دے گا۔ اور ان کے لئے اس کے دل میں زیادہ وقعت ہوگی۔ ان میں سے کسی کی راہ میں بھی کوئی رکاوٹ یا زحمت پیش آنے کا امکان ہو تو وہ بے جا غصّے میں آئے گا۔ جوش و خروش کا مظاہرہ کرے اور اپنے آپ کو قابو میں رکھنے سے

معذور رہے گا۔ حرص، طمع اور دوسرے مفسدات جو حبِ نفس اور حبِ جاہ و حشمت سے انسان کے دل میں پیدا ہوتے ہیں، اس کے ہاتھ سے (اپنے نفس کی) لگام چھین لیتے ہیں اور اس کی حرکات عقل اور شرع کے راستے سے منحرف ہو جاتی ہے۔ اگر ان چیزوں سے اس کی محبت اور دلچسپی شدید نہیں ہے، وہ ان امور کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا ہے اور ترکِ حبِ جاہ و شرف اور اس طرح کی دوسری چیزوں سے دُور رہنے پر حاصل ہونے والے دلی سکون اور اس سے زائیدہ طمانیت کو فوقیت دیتا ہے تو وہ انصاف کے اصولوں کے خلاف نہیں جاتا۔ ایسا انسان حالات کی ناملائمت اور سختی کا بُردباری سے مقابلہ کرے گا۔ اور صبر کی عنان اس کے ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے گی وہ بے موقع اور بے اندازہ غصے میں نہ آئے گا۔ اگر حبِ دنیا اس کے دل سے نکال دی جائے اور اس مادۂ فاسدہ کا بالکل قلع قمع کر دیا جائے تو تمام مفاسد اور خرابیاں اس کے دل کی سرزمین سے کوچ کر جائیں گی اور تمام اخلاقی محاسن اور اچھائیاں ان کی جگہ اس کی مملکت روح میں داخل و قابض ہوں گی۔

غصے کے بھڑکنے کا ایک اور سبب یہ ہے کہ انسان غصے اور اس کے نتیجے میں ظاہر ہونے والی خرابیوں اور مفاسد کو جن کا شمار بڑی برائیوں، نقائص اور رذائل میں ہوتا ہے، اپنے جہل اور نادانی کی وجہ سے کمال سمجھتا اور ان کو محاسن میں شمار کرتا ہے، جیسا کہ بعض جہال اپنے غصے کو اپنی جواں مردی، شہامت اور شجاعت گمان کرتے ہیں اور اسی میں اپنی بڑائی سمجھتے ہیں وہ اپنی تعریف و توصیف میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہیں کہ ہم نے یوں کیا دوں کیا اور بہادری و شجاعت کو جو مؤمنین کی عظیم صفات میں سے ہے اور صفاتِ حسنہ میں شمار کی جاتی ہے، اس رذیلے اور مہلک صفت سے منسوب کرتے ہیں۔ یہ معلوم ہونا چاہیے کہ شجاعت اور بہادری ایک بالکل الگ چیز ہے۔ اس کے شرائط اور موجبات اور اس کی علامتیں اور آثار و خواص اس رذیل جذبے سے بالکل میل نہیں کھاتے۔ شجاعت کا مبداء قوتِ نفس اور اس کی طمانیت ہے، ایمان و اعتدال ہے، دنیاوی دولتوں اور ان کی کمی و بیشی سے ان کی بلندی و پستی کے احساس سے بے نیازی میں ہے۔ جبکہ غصہ نفس کی کمزوری، اس کے تزلزل، ایمان کی کمی مزاج کے عدم اعتدال

دنیا کی محبت اور اس کی فضولیات کو غیر معمولی اہمیت دینے اور زندگی کی لذتوں میں گم ہو جانے کے احساس کی پیداوار ہے۔ یہ رذیل خصلت مردوں کے مقابلے میں عورتوں میں، جسمانی لحاظ سے تندرست لوگوں کے مقابلے میں مریضوں میں، بڑوں کے مقابلے میں بچوں میں اور جوانوں کے مقابلے میں بوڑھوں میں زیادہ پائی جاتی ہے۔ جبکہ شجاعت و بہادری اس کے برعکس ہیں۔ جو بھی رذائلِ اخلاقی کا مالک ہوتا ہے اس شخص کے مقابلے میں جو فضائلِ اخلاقی کی دولت سے نوازا گیا ہے جلد غصے میں آتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اگر کوئی ایسے شخص کے مال و دولت میں کوئی ناحق جتائے تو اسے بہت جلد اور بہت زیادہ غصہ آتا ہے۔ شجاعت اور غضب کے مبداء اور موجبات بظاہر ایک جیسے ہیں لیکن ان کے اثرات مختلف ہوتے ہیں۔ غصے کی شدت کی حالت میں غضبناک انسان ایک ایسے دیوانے کی طرح ہوتا ہے، جس کی عقل کی عنان اس کے ہاتھ سے نکل گئی ہو۔ وہ ایک درندے کی طرح نتائج سے بے پرواہ ہو کر عقل کے احکام اور قوانین سے تجاوز کرتا ہے۔ اس سے زشت اور قبیح اعمال سرزد ہوتے ہیں۔ اپنے ہاتھ، پیر، زبان اور دوسرے اعضائے بدن پر اس کا قابو نہیں رہتا۔ وہ اپنی آنکھیں پھونٹ اور دہن کچھ اس طرح سے بگاڑ لیتا ہے کہ اگر اُسے آئینہ تھما دیا جائے تو اپنی بدشکلی سے خود ہی شرمسار ہو جائے۔ اس رذیلے کے اثر سے بعض صاحبان نہ صرف بے قصور حیوانات بلکہ بے جان چیزوں پر بھی اپنا غصہ اتارتے ہیں۔ اور اگر ان کی مرضی کے خلاف کوئی نامساعدت پیش آجائے تو وہ دوسرے عناصر قدرت کو لعنت ملامت کرتے ہیں۔ کبھی کبھی وہ اپنا غصہ کتاب، قلم، صراحی، گلاس پر بھی اتارنے سے باز نہیں آتے۔ وہ ان کو زمین پر دے مارتے ہیں، یا ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے ہیں۔ لیکن ایک شجاع کا عمل ان تمام امور میں ایسے افراد سے مختلف ہوتا ہے۔ اس کے اعمال عقل کی میزان اور اطمینانِ نفس پر مبنی ہوتے ہیں۔ جب غصے کا موقع ہوتا ہے، وہ غصے میں آتا ہے جبکہ علم و بردباری کے موقع پر وہ بردباری سے کام لیتا ہے، کوئی بھی چیز اس پر اثر انداز نہیں ہو سکتی اور اس کو غصہ نہیں دلا سکتی۔ غصے کے وقت بھی وہ ایک اعتدال کی حد میں غصہ کرتا ہے اور اس کا جذبۂ انتقام عقل کی حدوں کو نہیں توڑتا۔ وہ جانتا ہے کہ کس شخص سے کسی حد تک اور کس طریقے سے

انتقام لینا چاہیئے ۔ اور یہ کہ کس کے ساتھ عفو و درگزر سے کام لینا بہتر ہے ۔ غصّے کے وقت عنانِ عقل اس کے ہاتھ سے چھوٹنے نہیں پاتی ۔ وہ نازیبا الفاظ اور ناہنجار اعمال کے استعمال سے پرہیز کرتا ہے ۔ اور اس کے سب کام میزانِ عقل، شرع اور عدل و انصاف کے اُصولوں پر مبنی ہوتے ہیں ۔ وہ جو بھی کرتا ہے اس طرح سے کہ بعد میں پشیمان نہ ہونا پڑے ۔

پس اس لئے ایک ہوشمند اور باشعور انسان کے لئے لازم ہے کہ وہ اس اخلاقی خوبی کو جس کا شمار انبیاء اور اولیائے خدا اور مؤمنین کے اوصاف میں ہوتا ہے اور جو روحانی کمالات میں سے ہے، اس دوسری اخلاقی برائی سے جو شیطان کی خصوصیات میں سے ہے ۔ اس ملعون کا وسوسۂ خناس ہے اور قلب کے نقائص میں شمار ہوتی ہے، نہ ملائے ۔ اُسے ایسی غلطی نہیں کرنی چاہیئے لیکن جہل و نادانی اور حبِ دنیا و نفس کے پردے انسان کی آنکھوں اور کانوں کو اس طرح سے ڈھانک دیتے ہیں کہ وہ مجبور و لاچار ہو کر ہلاکت میں پڑ جاتا ہے ۔

غصّے کے دوسرے کچھ اسباب کا بھی ذکر کیا گیا ہے، جیسے عُجب، افتخار، کبر و خود نمائی اور مسخرہ پن جس کی تفصیل طوالت کا سبب ہوگی اور اس جگہ اس کے بیان کی گنجائش نہیں ۔ یہاں صرف اتنا بتا دینا کافی ہے کہ ان میں سے زیادہ تر یا سبھی بالواسطہ یا بلاواسطہ ان ہی دو برائیوں سے پیدا ہوتے ہیں، جن کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے ۔ والحمدللہ

حدیث ہشتم

عصبیّت اور نخوت کے بارے میں :

"الحدیث الثامن" بسندی المتّصل الی محمّد بن یعقوب عن علی بن ابراھیم عن ابیہ عن النّوفلی عن السّکونی عن ابی عبد اللہ (ع) قال رسول اللہ (ص)

من کان فی قلبہ حَبَّۃٌ مِن خَردلٍ من عَصبیَّۃٍ بعثہُ اللہ یوم القیٰمۃ مَعَ اَعْرابَ الجاھلیّۃ"[1]

سکونی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے رسول اکرم (ص) کے حوالے سے فرمایا کہ حضورؐ نے کہا کسی کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی عصبیّت ہوگی تو خداوندِ تعالیٰ قیامت کے دن اسکو جاہلیت کے زمانے کے عربوں کے ساتھ اٹھائے گا۔

خردل کو قدیم فارسی میں اسپندان کہتے ہیں۔ اور آج کل کی فارسی میں خردل۔ وہ ایک ایسی دوا ہے، جس کے بہت سارے استعمال ہیں۔ اور جو شمع بنانے کے کام بھی آتی ہے۔

عصبی اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے رشتے داروں کے ظلم و ستم کی حمایت کرتا ہے: اقربا

---

[1] اصول کافی، ج ۲، حدیث ۳، ص ۳۰۸ (چاپ آخوندی)

کی عصبیت باپ کی طرف سے ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ ان ہی لوگوں میں گھرا رہتا ہے۔ اور ان ہی لوگوں کے توسط سے وہ (اپنے خاندان کی) عصبیت، تعصب اور حمایت کرتا ہے۔ یہ ہوئے خرد اور عصبی کے لغوی معنیٰ، فقیر کا کہنا ہے کہ عصبیت اخلاق باطنی اور نفسانی میں سے ہے، اپنے رشتہ داروں اور متعلقین کی حمایت اور ان کی مدافعت کرنا اس کی نشانیاں ہیں۔ خواہ یہ تعلق مذہبی و مسلکی ہو، وطنی اور ملک کے آب و گل کا رشتہ ہو، پیشہ ورانہ ہو یا استادی اور شاگردی کا ہو، اس کا شمار اخلاق فاسدہ اور ملکاتِ رذیلہ میں ہوگا بہرحال یہ بہت سارے اخلاقی اور اعمالی مفاسد کا سرچشمہ ہے یہ خود اپنی ذات سے بھی مذموم ہے۔ اگرچہ کسی دنیوی امر یا حق کے لئے ہی کیوں نہ ہو۔ جس کا اصل مقصد اظہارِ حق نہ ہو بلکہ اپنا یا اپنے ہم مسلکوں یا اپنے وابستگان کا غلبہ مقصود ہو۔ یعنی اظہار حق، صداقت کی ترویج اور صحیح باتوں کے ثابت کرنے کے لئے حمایت کرنا عصبیت نہیں یا عصبیت مذمومہ نہیں ہوتی۔ ان دونوں (ممدوح و مذموم) عصبیتوں کے درمیان امتیاز کی میزان ان کے اغراض و مقاصد کا فرق ہے۔ اور ان میں نفس و شیطان (ایک طرف) اور (دوسری طرف) حق و رحمان کا دخل ہے۔ دوسرے لفظوں میں، اگر کوئی اپنے رشتے داروں اور متعلقین کے معاملے میں عصبیتوں اور حمایتوں کا معیار صرف حق کے اظہار اور باطل کی تردید کو قرار دیتا ہے، تو یہ عصبیت ممدوح شمار ہوگی۔ اور اسے حق و صداقت کی حمایت تصور کیا جائے گا، جو بہترین انسانی کمال میں سے ہے۔ اور انبیاء اور اولیاء خدا کے خصائل میں گنی جاتی ہے۔ اس کی علامت یہ ہے کہ جدھر حق ہو، وہ اس کی حمایت کرے گا۔ خواہ اس کے رشتہ دار اور متعلقین اس جانب نہ ہوں بلکہ اس کے دشمن اس طرف ہوں۔ ایسا شخص جاہل حق کا حمایتی ہوگا، ملزمان فضیلت کے زمرے میں اس کا شمار ہوگا۔ اور انسانی سماج کی برائیوں کا اصلاح کرنے والا سمجھا جائے گا۔ اگر کسی کی نفس پرستی اور قومیت اس کی اپنے رشتہ داروں اور متعلقین کے باطل مقاصد کا ساتھ دینے اور ان کی حمایت کرنے پر آمادہ کرتی ہے تو ایسا شخص اپنی سوسائٹی کا ایک فاسد فرد ہوگا جس نے صالح کو مفسد سے خلط ملط کر دیا ہے اس کا شمار اعرابِ جاہلیت کے زمرے میں ہوگا۔ وہ عرب جو اسلام سے پہلے جہالت اور نادانی کی تاریکی کے زمانے میں صحراؤں میں رہتے تھے۔ ان لوگوں میں یہ خلق زشت اور ملکۂ ناہنجار

اپنے اوجِ کمال پر تھا۔ یہی نہیں، عربوں میں وہ افراد بھی جنہیں نورِ ہدایت سے سرفراز کیا گیا تھا، ان میں بھی یہ خصلت اور گروہوں کے مقابلے میں زیادہ پائی جاتی تھی۔ جیسا کہ حدیث شریف میں حضرت امیرالمؤمنین علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ خداوند تعالیٰ چھ گروہوں کو چھ برائیوں کے لئے عذاب میں مبتلا کرے گا: عربوں کو عصبیت کے لئے، زمینداروں کو کبر کے لئے، امراء کو ستم کے لئے، فقہا کو حسد کے لئے، تاجروں کو خیانت کے لئے اور دیہاتیوں کو نادانی کے لئے

عصبیت کے مفاسد:

اہلِ عصمت و طہارت کی حدیثوں سے استفادہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ عصبیت کی خصلت مہلکات میں سے ہے۔ جو کسی کی عاقبت کو خراب اور اُسے ایمان کے دائرے سے خارج کر دیتی ہے۔ اور شیطان کے اخلاق کے ذمائم میں گنی جاتی ہے۔

"کافی" بسندہ الصحیح عن ابی عبد اللہ (ع) قال من تعصّب او تُعُصِّبَ لہٗ فقد خلع ربقۃ الایمان من عنقہ[1]

کافی شریف میں حضرت ابوعبداللہ امام جعفر صادق (ع) سے روایت صحیح سند میں آیا ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ جو کوئی عصبیت کی طرف مائل ہے یا جسے عصبیت اپنی طرف کھینچتی ہے اس کی گردن سے ایمان کی رسی کھینچ لی جاتی ہے۔ یعنی وہ ایمان سے خارج کر دیا جاتا ہے۔ اور بھٹکتے پھرنے کے لئے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اور لازمی طور پر عصبیت کے معاملے میں متعصب کا ساتھ دینے والا اپنی رضا سے ایسا کرنے کی وجہ سے اس گناہ کی جزا میں برابر کا شریک ہوگا جیسا کہ حدیث میں کہا گیا ہے کہ جو اپنی قوم کے کسی بُرے عمل سے راضی ہوگا، اسے ان لوگوں کا شریک شمار کیا جائے گا۔ اور اگر وہ اس کو پسند نہیں کرتا ہے، بلکہ اس حرکت

---

[1] کافی، ج ۲، ص ۳۰۸، حدیث ۲

سے کراہت اور بے زاری محسوس کرتا ہے تو اس حدیث کے کلمات اس پر عائد نہیں ہوتے۔

عن ابی عبد اللہ (ع) قال من تعصب عصبہ اللہ عصابۃ من النار[1]

حضرت ابوعبداللہ امام جعفر صادق (ع) سے روایت ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ جو کوئی خدا کے کسی بندے سے عصبیت برتتا ہے خدا اس کے سر پر آتشین پگڑی (یا ٹوپی) رکھ دے گا

"وعن علی بن الحسین (ع) قال لم یدخل الجنۃ حمیۃ غیر حمیۃ حمزۃ بن عبد المطلب وذلک حین اسلم غضبا للنبی[2]

حضرت علیؑ بن حسین (ع) سے روایت ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ کوئی حمیت سوائے حمیتِ حمزہ بن عبدالمطلب بہشت میں داخل نہ ہوسکے گی وہ اس عالم میں ایمان لائے تھے کہ بغیرِ خدا کی حمایت میں انہیں غیظ آگیا تھا۔

حضرت حمزہ کے ایمان لانے کی رُوداد کئی طریقے سے بیان کی گئی ہے۔ جو ہمارے مبحث کی حدود سے باہر ہے۔ بہرحال ظاہر ہے کہ ایمان جو نورالٰہی سے عبارت ہے اور ذاتِ مقدس جل جلالہ، کی صفات غیبیہ میں سے ہے۔ جو اس نے اپنے خاص بندوں کے، اسکی بارگاہ عالی کے مخلصوں اور منتخب انسانوں (یا عاشقوں) کے لیے مخصوص کیا ہے، اس قسم کی خصلت کے منافی ہے۔ جو حق اور حقیقت کو پائمال کرے اور راستی و صواب کو جہل اور نادانی کے پیروں تلے روند دے۔ بے شک اگر آئینۂ دل خود نرمی اور اقربا پرستی کے زنگ سے آلودہ ہوجائے اور عصبیت اور بے موقع جاہلیت کے نقاب اس کو ڈھانک دیں تو اس میں نورِ ایمان جلوہ افگن نہیں ہوگا۔ اور نہ وہ ذات ذوالجلال حق تعالیٰ کی خلوت گاہِ خاص بنے گا۔ جس کسی کا دل نورِ ایمان کی تجلیوں کا مستحق بنے گا ایمان و معرفت کے نور سے منوّر ہوگا جس

---

[1] کافی، جلد ۲ صفحہ ۳۰۸، حدیث ۵

[2] کافی جلد ۲ صفحہ ۳۰۸

کی گردن ایمان کے حبل متین و عروۃ الوثقیٰ سے بندھی رہے گی وہ حقائق و معارف کا اسیر ہوگا دینی قواعد کا پابند اور عقلی قوانین کا رہین منت رہے گا۔ وہ عقل و شرع کی تحریک کے بغیر کسی طرف کوئی حرکت نہیں کرے گا۔ کسی قسم کی عادت، کوئی بھی اخلاقی خصوصیت اور کوئی بھی جذبہ نہ تو اس کے وجود کو متزلزل کر سکتا اور نہ اُسے صراطِ مستقیم سے ہٹا سکتا ہے۔ جب انسان اسلام اور ایمان کا دعویدار بنتا ہے، اس کو حقائق کے آگے سرِ تسلیم خم کر دینا چاہیئے اور ان کو ہر طرح سے مان لینا چاہیئے۔ اپنے مقاصد چاہے وہ کتنے ہی بڑے کیوں نہ ہوں اپنے دلی نعمت کے مقاصد کے سامنے قربان کر دینا چاہیئے۔ ایسا ہی انسان عصبیت اور جہالت سے عاری و آزاد ہو سکتا ہے۔ تب ہی اس کا دل حقائق کی طرف متوجہ ہوگا۔ اور جہل و عصبیت کے بوجھل پردے اس کی آنکھوں کو اندھا نہ کریں گے۔ عدل و انصاف کرنے اور اظہار صداقت کے الفاظ ادا کرنے کے لئے وہ تمام تعلقات اور رشتوں کو ایک طرف رکھ کر تمام قرابتوں اور رقابتوں کو ولی نعمت کے مقصود کی خاطر قربان کر دے گا۔ اگر کسی مقام پر عصبیتِ اسلامیت اور عصبیت جاہلیت میں ٹکراؤ ہوتا ہے تو وہ عصبیت اسلامیت اور حقانیت کو مقدم جانے گا۔ جسے حقیقتوں کا عرفان حاصل ہو وہ یہ بات بخوبی جانتا ہے کہ تمام رشتے اور ناطے عرضیہ (اتفاقی و فانی) امور ہیں، جو باقی رہنے والے نہیں۔ لیکن خالق اور مخلوق کے درمیان ارتباط اور عصبیتِ حقیقی ایک ذاتی امر ہے، جسے کبھی زوال نہیں۔ یہ بندھن تمام بندھنوں سے زیادہ مضبوط اور پائدار اور تمام حسب نسب کے سلسلوں سے بالاتر ہے۔

رسولِ خدا (ص) کی ایک حدیث:

حدیث میں کہا گیا ہے کہ

رسول اکرمؐ نے فرمایا:

کلّ حَسَبٍ وَ نَسَبٍ منقطع یوم القیٰمۃ الّا حسبی و نسبی:

قیامت کے دن تمام حسب و نسب کے رشتے ٹوٹ جائیں گے۔ سوائے میرے حسب و نسب کے

معلوم ہونا چاہیئے کہ ان حضرت کا حسب ونسب چونکہ روحانی ہے اس لئے اٹوٹ ہے اور جہالت کی تمام عصبیتوں سے دُور ہے۔ اس عالم میں یہ روحانی حسب ونسب تمام آب و تاب کے ساتھ ظاہر ہوگا۔ اور اس کے کمالات بھی وہیں زیادہ نمایاں ہوں گے۔ یہ جسمانی اور ملکی بندھن جو انسانی عادتوں پر مشتمل ہوتے ہیں ذرا سی بات سے ٹوٹ جاتے ہیں۔ دوسرے عوالم کے لئے ان کی کوئی قدر وقیمت نہیں۔ لیکن وہ تمام بندھن جو میزان قواعدِ شرعیہ اور عقلیہ کی بنیادوں پر باندھے گئے ہیں ان کے ٹوٹنے اور منقطع ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

عصبیّت کی ملکوتی صُورت :

بعض احادیث کی شرح

کے ضمن میں کہا جا چکا ہے کہ انسان کی ملکوتی، برزخی اور قیامتی صورتوں کا انحصار انسان کے ملکات اور ان کی کمی بیشی پر ہوگا۔ وہ دنیا سلطانِ نفس کے ظہور کا مقام ہے۔ ملکِ بدن کی صورتوں کا پابند نہیں۔ ممکن ہے کہ اُس عالم میں انسان حیوانات کی صُورت یا شیطان کی شکل میں محشور ہو۔ یہ حدیث جس کی شرح کی جا رہی ہے کہتی ہے کہ "جس کسی کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی عصبیت ہوگی، خداوندِ عالم اس کو روزِ قیامت اعرابِ جاہلیت کے ساتھ اٹھائیگا" یہ ممکن ہے کہ اسی مطلب کی طرف اشارہ کر رہی ہو جو ابھی بیان کیا گیا ہے۔ جو شخص اس رذیلہ کا مالک ہوگا اس عالم سے انتقال کرنے کے بعد وہ شاید اپنے آپ کو اعرابِ جاہلیت میں سے کسی شخص کی شکل میں پائے، جو نہ تو خدائے تعالیٰ پر ایمان لایا اور نہ رسالت ونبوت کا معتقد ہوا، جب وہ اپنے آپ کو اس طائفے کے ایک فرد کی صورت میں محشور دیکھے گا، تو اس کی سمجھ میں نہیں آئے گا کہ کیوں ایسا ہوا جبکہ دنیا میں اس نے سچے عقیدے کا اظہار کیا تھا، اور امتِ خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مسلک سے منسلک تھا۔ چنانچہ ایک حدیث شریف میں کہا گیا ہے کہ اہلِ جہنم رسول اللہ (ص) کا اسمِ مبارک بھول جائیں گے۔ اور اپنا تعارف نہیں کروا سکیں گے۔ اس وقت تک جب تک حق تعالیٰ ان کو بری کر نہ دیگا

ارادہ نہ فرمائے۔ بعض احادیث کی رُو سے، چونکہ یہ خاصیت شیطان کے خواص میں سے ہے، ہوسکتا ہے کہ اعرابِ جاہلیت اور عصبیتِ جاہلیت کے مالک انسان شیطان کی شکل میں ہی محشور ہوں گے۔

"کافی" فی الصحیح عن ابی عبد اللہ (ع) قال: اِنّ الملٰئکۃ کانوا یحسبونَ انّ ابلیس منھم وکان فی علم اللہ انّہ لیس منھم فاستخرج ما فی نفسہ بالحمیہ والعصب فقال:

خلقتنی من نارٍ وخلقتہ من طینٍ [1]

کافی کی ایک حدیث صحیح میں جو حضرت ابوعبداللہ امام جعفر صادق (ع) سے روایت کی گئی ہے ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت نے فرمایا: بے شک ملائکہ یہ گمان کرتے تھے کہ شیطان ان میں سے ہے۔ اور یہ بات خدا کے علم میں تھی کہ وہ ان میں سے نہیں ہے۔ اور اس نے اپنی حمیت اور عصبیت میں وہ سب کچھ اُگل دیا جو اس کے دل میں تھا۔ اور کہنے لگا کہ تو نے مجھے آتش سے بنایا اور آدم کو مٹی سے خلق کیا۔"

پس اے عزیز! یہ جان لے کہ یہ شیطان کی خباثت ہے، اسی ملعون کا پیدا کیا ہوا ایک وسوسہ اور ایک قیاسِ باطل ہے۔ اس کے دبیز نقاب کی وجہ سے غلطی سرزد ہوئی۔ یہ نقاب تمام حقیقتوں کو نظر سے اوجھل کر دیتا ہے۔ یہ انسان کے تمام رذائل کو خوبیوں کی شکل میں پیش کرتا ہے۔ اور دوسروں کی خوبیوں کو رذائل کا رنگ دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ شخص جو تمام چیزوں کو ان کی اصلیت و واقعیت سے الگ رنگوں میں دیکھتا ہے۔ اس کے اعمال اسے کہاں پہنچا سکتے ہیں۔ یہ رذیلہ خود اپنی ذات سے انسان کی ہلاکت کا باعث ہونے کے علاوہ بہت سارے دوسرے رذائل نفسانی اور مفاسدِ خلاقی کا سرچشمہ بھی ہے، جن

---

[1] کافی، جلد ۲، صفحہ ۳۰۹

کا ذکر طوالت اور زحمت کا باعث ہوگا۔

پس ایک عقلمند انسان جو اس خلق فاسد کے مفاسد کو سمجھتا اور صادقِ مصدق رسول اکرمؐ اور ان کے اہل بیت اطہار صلوات اللہ علیہم اجمعین کی شہادت پر ایمان رکھتا ہو، جانتا ہے کہ یہ برائی انسان کو ہلاکت کی طرف لے جاتی ہے۔ اور اسے اہل آتش میں شامل کرتی ہے۔ وہ ضرور اپنے نفس کے علاج کی تدبیر کرے گا۔ اور اگر خدانخواستہ اس کے دل میں اس خلق ناہنجار کا رائی کے دانے کے برابر بھی وجود ہے، تو اس پر لازم آتا ہے کہ اپنے آپ کو اس سے پاک کرے تاکہ اس عالم سے عالم آخرت کی طرف ہجرت و انتقال کرتے وقت اور اپنی اجل کا سامنا کرتے وقت اس کا نفس پاک و صاف رہے۔ اُسے یہ جاننا چاہیئے کہ انسان کو اس دنیا میں ملی ہوئی فرصت کم ہے۔ اس کے پاس بہت تنگ وقت ہے۔ کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ کس وقت اور کس دن اس کی موت واقع ہوگی۔

اپنے نفس سے خطاب:

اے قلم فرسائے نفسِ خبیث! ہوسکتا ہے کہ اسی وقت کہ جب تو لکھنے میں مشغول ہے تیری اجل پہنچ جائے، اور ان تمام اخلاقی رذائل کے ساتھ تجھے اس عالم میں منتقل کر دے، جہاں سے واپسی کا کوئی راستہ نہیں۔

اے عزیز قاری! تم جو ان اوراق کے مطالعہ میں مصروف ہو، تمہیں اس لکھنے والے کی حالت سے (عبرت حاصل کرنی چاہیئے)، جو اس وقت خاک تلے اور دوسرے عالم میں اپنی بداعمالیوں اور اخلاقی ناہنجاریوں کی وجہ سے گرفتارِ عذاب ہے۔ جب اُسے فرصت حاصل تھی اپنی ہوائے نفس و ہوس کو پورا کرنے میں اپنی عمر عزیز گنوا دی۔ اور اس سرمایۂ الٰہی کو ضائع کر دیا۔ تمہیں ہوشیار رہنا چاہیئے کہ ایک دن تم بھی ہم ہی لوگوں میں سے ہوگے۔ اور تم نہیں جانتے کہ وہ کون سا دن ہوگا۔ کون جانتا ہے کہ شاید ابھی اسی وقت جب کہ تم پڑھنے میں مشغول ہو، اگر تم ٹال مٹول کروگے تو موقع ہاتھ سے نکل جائے گا۔ اے میرے بھائی! یہ چیزیں ٹالنے کی نہیں ہیں۔ کتنے سارے

اچھے خاصے، صحیح و سالم افراد مرگِ ناگہانی کے ہاتھوں اس دنیا سے رخصت ہو گئے اور ہم نہیں جانتے کہ ان کی عاقبت کیسی ہو گی۔؟ اس لئے موقع کو ہاتھ سے مت جانے دو اور ایک ایک پل کو غنیمت سمجھو کہ عمل کی اہمیت بہت ہے۔ اور سفر بہت پرخطر ہے۔ اس دنیا کا دامن، جو مزرعۂ آخرت ہے، اگر تمہارے ہاتھ سے چھوٹ جائے تو پھر عمل کا موقع نکل جائے گا۔ اور تم اپنے نفس کے مفاسد کی اصلاح نہیں کر سکو گے۔ پھر حسرت و حیرت و عذاب و مذلت کے سوا کچھ نہ ملے گا۔ اولیائے خدا نے ایک پل بھی سکون سے نہیں گزارا، اور اس سفر پر خوف و خطر کو فراموش نہیں کیا۔ امام معصوم علی ابن حسین (ع) کا حال ہمارے لئے حیرت انگیز ہے۔ امیر مؤمنان ولیٔ مطلق علی علیہ السلام کے آہ و زاریاں ہمیں مبہوت کر دیتی ہیں۔ ہمیں کیا ہو گیا ہے؟ ہم کیوں اس قدر غافل ہو گئے ہیں۔ کس نے ہمیں اطمینان دلایا ہے، سوائے شیطان کے جو ہمیں آج کے کاموں کو کل پر اٹھا رکھنے کے لئے اکساتا ہے۔ وہ مردود چاہتا ہے کہ اپنے اصحاب والنصار کی تعداد میں اضافہ کرے۔ اور ہمیں اپنی مذموم عادت میں مبتلا کر کے اپنے اور چیلوں کے ساتھ محشور کرے۔ وہ ملعون ہمیشہ امور آخرت کو ہماری نظروں میں سہل اور آسان بنا کر پیش کرتا ہے۔ اور رحمتِ خدا کے وعدے اور شافعین کی شفاعت کا اطمینان دلا کر ہمیں یادِ خدا سے غافل اور اس کی اطاعت سے باز رکھتا ہے۔ لیکن افسوس کہ اشتہائے کاذب ہے اور اس ملعون کے مکر و فریب کے سنہرے جال ہیں۔ اس وقت رحمتِ خدا تمہارا احاطہ کئے ہوئے ہے صحت، سلامتی، زندگی، حفظ و امان، ہدایت، عقل، فرصت اور اصلاحِ نفس کے لئے رہنمائی غرض طرح طرح کی ہزاروں نعمتوں سے مالا مال ہو لیکن تم ان سے فائدہ نہیں اٹھاتے، اور شیطان کی اطاعت کیوں کرتے ہو؟ اگر اس عالم میں تم نے ان رحمتوں سے فائدہ نہیں اٹھایا تو یاد رکھو کہ تم اس عالم میں بھی بے بہرہ اور حق تعالیٰ کی لامتناہی رحمتوں اور شافعین کی شفاعت سے محروم رہو گے۔ اس دنیا میں شافعین کی شفاعت کا مظہر ان کی دکھائی ہوئی راہِ ہدایت ہے۔ اور اس عالم میں ہدایت کی باطنی شفاعت ہو گی۔ اگر تم ہدایت سے بے بہرہ رہے تو پھر شفاعت سے محروم رہو گے۔ تم نے جتنی بھی ہدایت پائی ہے، رسول اکرم (ص) کی شفاعت کے بھی اتنے ہی حقدار ہو گے۔ شفاعتِ

رسول (ص) حق مطلق کی رحمت کے مساوی ہے۔ چاہیئے کہ اس سے مناسب موقع پر استفادہ کرو۔ اگر خدانخواستہ شیطان تم سے یہ وسائلِ ایمان چھین لے تو پھر تم رحمت و شفاعت کے قابل نہ رہو گے۔ سچ ہے کہ رحمتِ حق مکمل و سرشار ہے۔ اگر تم رحمت کے طالب ہو تو پھر ان مسلسل نعمتوں کو جو اس نے اس عالم میں مرحمت فرمائی ہیں۔ اور جو دوسری کئی نعمتوں کا سرچشمہ ہیں، کیوں انہیں حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے؟ ان تمام انبیاء اور اولیائے خدا نے خوانِ نعمت تمہیں پیش کیا ہے۔ اور مہمان خانۂ الٰہی میں آنے کی تمہیں دعوت دی ہے۔ تم کیوں انہیں قبول نہیں کرتے؟ کیوں ایک وسوسۂ خناس اور شیطان کی آواز پر تم نے ان سب چیزوں کو نظر انداز کر دیا؟ کتابِ خدا کی محکمات، احادیثِ انبیاء و اولیاء کی متواترات، عقول عقلاء کی ضروریات اور حکماء کے کئی برا ہین، ان سب کو تم نے شیطانی خطرات اور خواہشاتِ نفسانی پر قربان کر دیا! افسوس ہے میرے اور تمہارے حال پر اور ہماری اس غفلت پر، ہمارے اندھے بہرے پن اور جہالت پر!

اہلِ علم کی عصبیتوں کے بارے میں:

ایام جاہلیت کی عصبیتوں میں سے ایک یہ ہے کہ معاملاتِ علمی میں بے لچک اور سخت رویہ اختیار کیا جائے اور اس بات کی پیچ کی جائے جو خود کہی ہے یا اپنے استاد یا شیخ نے بتائی ہے۔ یہ حمایت حق کے اظہار اور باطل کے ابطال کے لئے نہیں۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ اس قسم کی عصبیت، عصبیت کی دوسری شکلوں سے کئی حیثیتوں سے ناروا تر اور زشت تر ہے۔ اوّل اس حیثیت سے کہ شخص متعصّب ایک اہلِ علم ہونے کے ناطے، اُسے بنی نوع بشر کا مربی ہونا چاہیئے۔ اور چونکہ وہ شجرِ نبوت و ولایت کی شاخ سے متعلق ہوتا ہے، ان کے بتائے ہوئے امور کی نزاکت اور اخلاق فاسدہ کے عواقب سے واقف ہونا چاہیئے اگر خدانخواستہ وہ خود جاہلیت کی عصبیت کا شکار ہو اور اپنے آپ کو شیطان کی صفاتِ رذیلہ سے منسوب کر لے تو اس پہ خدا کی حُجت زیادہ سخت ہوگی۔ اور وہ شدید تر مواخذے کا مورد قرار پائے گا۔ وہ جو اپنے آپ کو چراغِ ہدایت اور شمعِ محفلِ انسانی کی شکل میں پیش کرتا ہے،

اپنے آپ کو راہِ سعادت کا رہنما اور آخرت کی راہ دکھانے والا سمجھتا ہے۔ اگر خدانخواستہ اپنے اقوال پر خود عمل پیرا نہ ہو اور اس کا باطن اس کے ظاہر کو جھٹلائے تو وہ اہلِ ریا و نفاق کے زمرے میں شمار کیا جائے گا، علماءِ سوٗ اور عالمِ بے عمل کہلائے گا، جس کی سزا بہت ہی سخت ہے۔ اور جس کا عذاب سارے عذابوں سے زیادہ تکلیف دہ ہے۔ اسی طرح کے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

بِئسَ مثل القوم الّذین کذّبوا بآیات اللّٰہ واللّٰہ لا یھدی القوم الظّٰلمین۔ (سورہ الجمعہ۔ آیۃ ۵)

دردناک ہے ان لوگوں کی مثال جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ظالم قوموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

اس لئے اہلِ علم پر لازم ہے کہ وہ اپنے مقام کا تحفظ کریں۔ اور اپنے آپ کو ان مفاسد سے پوری طرح پاک رکھیں، اس صورت میں جبکہ وہ اپنی اور اپنے معاشرے کی اصلاح کر چکے ہوں گے۔ تب ہی ان کا وعظ مؤثر ہو سکتا ہے۔ اور ان کی پند و نصیحت دلوں میں اتر سکتی ہے۔ عالم کا فاسد ہونا امت کے فساد کا باعث ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ فساد دوسرے فسادوں کو جنم دیتا ہے۔ اور دوسرے تمام گناہوں سے بزرگ تر اور شدید تر دینی نعمت کی نظروں میں چھوٹے فسادوں سے کہیں زیادہ سزا کا مستحق ہے۔

اہلِ علم میں اس خلقِ بد کے اثر کا ایک اور بُرا پہلو خود علم کے حق میں بُرا ہوتا ہے، کیونکہ یہ علم کے ساتھ خیانت اور حق ناشناسی ہے۔ وہ شخص جسے اس امانت کا بار سونپا گیا ہے اور جو اس خلعت سے سرفراز کیا گیا ہے، اس کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس کی حرمت کی حفاظت کرے اور اسے صحیح و سالم حالت میں اس کے حقیقی مالک کے حوالے کرے۔ اگر وہ جاہلانہ تعصب کا مرتکب ہوتا ہے، تو یہ خیانت ہوگی، اور ظلم و گناہِ عظیم۔

یہ خود اپنی جگہ ایک خطائے بزرگ ہے، جس کا ایک اور منفی پہلو اپنے مقابل پر اثر انداز ہو رہا ہے۔ کیونکہ دوسرا شخص جو اس علمی بحث میں ان کے مقابل حصّہ لے رہا ہے، وہ بھی

اہلِ علم میں سے ہے۔ اور ودیعت الٰہی سے سرفراز ہے۔ اس کی حرمت کا لحاظ کرنا لازم ہے اس کی ہتک کرنا حرمتِ الٰہیہ کی ہتک کرنے کے مترادف ہے، اور عظیم گناہ ہے۔ بے موقع عصبیت کبھی کبھی اس امر کا باعث ہوتی ہے کہ انسان حرمتِ اہلِ علم کی ہتک کا ارتکاب کرے۔ میں اس گناہِ عظیم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں۔

اسکا ایک اور برا پہلو خود شخص متعصب سے متعلق ہے۔ جو انسانیت کا شیخ اور استاد سمجھا جاتا ہے۔ اور (پھر بھی) نافرمانیوں کا مرتکب ہوتا ہے۔ کیونکہ مشائخ عظام اور اساطینِ کرام نظر اللہ وجہہم حق کی طرف داری پہ آمادہ اور باطل سے گریزاں رہتے ہیں۔ اور اس شخص سے کراہت رکھتے ہیں جو عصبیت کی بناء پر حق کشی کرتا اور باطل کی ترویج میں آگے آتا ہے۔ البتہ روحانی نافرمانیاں، جسمانی سرکشیوں سے کہیں زیادہ بڑی ہیں۔ روحانی ولادت کا حق جسمانی ولادت سے کہیں بڑھ کر ہے۔ اس لئے اہلِ علم پر خدا ان کے شرف وعظمت میں اضافہ کرے، لازم اور حتمی ہے کہ خود کو مفاسد اخلاقی اور اعمالی سے پاک رکھیں۔ اعمالِ حسنہ اور اخلاق کریمہ سے خود کو مزین کریں اور خود کو اس منصب شریف سے جو حق تعالیٰ نے انہیں مرحمت فرمایا ہے محروم نہ کریں اس لئے کہ اس نقصان کی شدت کو سوائے خدا تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا۔

حدیث ہائے نہم

نفاق اور منافق کی نشانیاں :

"الحدیث التّاسع" بالسند المتصل إلی ثقة الاسلام محمّد بن یعقوب الکلینی، عن محمّد بن یحیٰی عن احمّد بن مُحمّد بن عیسٰی، عن محمّد بن سنان، عن عون بن القلانسی، عن ابن ابی یعفور عن ابی عبد اللّٰہ (ع) قال: من لقی المُسلمین بوجهین ولسانین جاء یوم القیٰمة ولہ لسانان من نار" [1]

مذکورہ بالا محدثین کی سند سے حضرت ابوعبداللہ امام جعفر صادق (ع) سے روایت ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ جو کوئی (شخص) مسلمانوں سے اسطرح ملے کہ اس کے دو چہرے اور دو زبانیں ہوں، قیامت کے دن اس حال میں محشور ہوگا کہ اس کی دو زبانیں آگ کے شعلوں کی ہوں گی۔

مسلمانوں کے درمیان دو چہرے (دورخی) اختیار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ

---

[1] کافی، جلد ۲، صفحہ ۳۴۳، حدیث ۱ (چاپ آخوندی)

انسان اپنی ظاہری صورت اور ظاہری رکھ رکھاؤ کی اس طرح نمائش کرے جو اس کی اندرونی حالت اور دل کی باطنی کیفیت کے برخلاف ہو، مثلاً کوئی ظاہری طور پہ یہ دکھائے کہ وہ تم سے خلوص اور محبت رکھتا ہے اور باطن میں معاملہ بالکل اس کا الٹا ہے۔ وہ لوگوں کے سامنے ان کی دوستی اور محبت کا دم بھرے اور ان کے غیاب میں اس کے برعکس عمل کرے۔

دوزبانی یہ ہے کہ انسان جب کسی سے ملے تو اس کی تعریف کرے اور اس کی مدح وثناء میں رطب اللسان ہو یا اس سے اظہار دوستی اور چاپلوسی کرے اور اس کے غیاب میں اس کو جھٹلائے اور اس کی غیبت کرے۔ اس بناء پہ پہلی صفت "نفاق عملی" کہلائے گی۔ اور دوسری صفت "نفاق قولی"۔ شاید حدیث شریف میں نفاق کی زشت صفت کی طرف اشارہ ہو۔ چونکہ یہ دونوں صفتیں منافقین کی بدترین صفات میں سے ہیں اور سب سے نمایاں خصوصیات ہیں، اس لیئے ان کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

نفاق کے مراتب:

دوسرے تمام اوصاف وملکات خبیثہ یا شریفہ کی طرح نفاق اور دوروئی کے بھی شدت ضعف کے لحاظ سے درجات ومراتب ہیں۔ اوصاف رذیلہ میں سے ہر ایک کے لیئے یہ بات صادق آتی ہے کہ اگر انسان اس کے تدارک وعلاج کی تدبیر نہ کرے اور اس کی پیروی جاری رکھے تو اس میں شدت پیدا ہوتی جاتی ہے۔ رذائل کے درجات بھی فضائل کی طرح لاتناہی ہیں۔ اگر انسان اپنے نفس امارہ کو اپنے حال پر چھوڑ دے تو ذاتی میلان کی بناء پر ان کے فساد اور نفس کے عاجلانہ تاملائمات کے زیر اثر اور شیطان کی مدد اور اس کے وسوسۂ خناس کی وجہ سے اس میں فساد اور رذائل کی طرف میلان مضبوط ہوتا ہے جو روز بروز بڑھتا ہی جاتا ہے۔ اور نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ وہ رذیلہ جس کی اس نے پیروی کی تھی اس کی روح کا اساسی جوہر بن جاتا ہے، اور اپنی انتہا تک پہنچتا ہے۔ اس طرح اس کے ظاہر وباطن کی تمام مملکت اس رذیلے کے زیر فرمان آجاتی

ہے۔ اس لئے اگر کوئی رذیل خصلت، جو شیطان کی صفات میں سے ہے غالب آجائے تو نفس کی تمام مملکت شیطان کے تابع ہوجاتی ہے۔ مثلاً نفاق و دو رُوئی اس ملعون کے خواص میں سے ہیں۔ جیسا کہ قرآن حکیم ہمیں خبر دیتا ہے:

وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّیْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ۔

اور اس نے قسم کھائی تھی کہ میں تمہارے (حضرت آدم اور حوّا[ع]) لئے پُرخلوص ناصح ہوں (سورۂ اعراف آیہ ۲۱) حالانکہ وہ حقیقت میں اس کے برعکس احساسات رکھتا تھا۔ تمہاری مملکتِ باطن و ظاہر شیطان کے آگے سرِ تسلیم خم کرے گی۔ اور تمہاری رُوح کی صورت اخیرہ تمہاری ذات کا باطن اور اس کا جوہر شیطان کی شکل اختیار کرے گا۔ اگرچہ اس دنیا میں تم نے انسانی شکل میں زندگی بسر کی ہے، لیکن امکان ہے کہ دوسری دنیا میں تمہاری ظاہری شکل بھی شیطان کی سی ہوجائے گی۔

اس لئے کہ اگر انسان اس کی روک تھام نہ کرے اور اپنے نفس کو من مانی کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دے تو تھوڑی ہی مدت میں یہ حالت ہوجائے گی کہ صورت حال اس کے قابو سے باہر ہوجائے گی۔ اور اس کے تمام قویٰ اس رذیلے کے زیرِ اثر آجائیں گے۔ وہ جس کسی سے بھی ملے گا دو رُوئی اور دوزبانی سے پیش آئے گا۔ وہ جس کسی سے میل جول بڑھائے گا اس کے تعلقات میں دو رنگی و نفاق کی کدورت اور آلودگی ضرور موجود ہوگی۔ اور سوائے اپنے شخصی منافع، خودغرضی اور خود پرستی کے کوئی اور مقصد اس کے مدِّنظر نہ ہوگا۔ وہ صداقت، صمیمیت، ہمت اور مردانگی کے تمام اصولوں کو پیروں تلے روندے گا، اس کی تمام حرکات و سکنات، اقوال و افعال پر دو رنگی کا ملمع چڑھا ہوگا، اور وہ کسی قسم کے فساد، بدی اور بُرائی سے پرہیز نہیں کرے گا۔ ایسا شخص بشریت اور انسانیت کے زمرے سے دُور ہوجاتا ہے۔ اور اس کا حشر شیاطین کے ساتھ ہوگا۔

اب تک جو کہا گیا وہ نفاق کے جوہر کی شدت اور ضعف کے مراتب کے بارے میں تھا۔ نفاق جن چیزوں سے تعلق رکھتا ہے اس کے لحاظ سے بھی اس کے درجات میں فرق پایا جاتا ہے، کیونکہ کبھی نفاق دینِ خدا کے معاملے میں ہوتا ہے، کبھی ملکاتِ حسنہ اور اخلاقی

فضائل کے تعلق سے، کبھی اعمال صالحہ اور مناسک الٰہیہ کے معاملات میں اور کبھی روزمرہ زندگی کے امور اور عام لوگوں سے برتاؤ کے سلسلے میں، کبھی رسولِ خدا (ص) اور آئمہ ہدیٰ ؑ کے ساتھ، کبھی اولیائے خدا کے ساتھ، کبھی علماء اور مؤمنین کے بارے میں اور کبھی مسلمانوں اور دوسرے ملکوں میں بسنے والے تمام بندگانِ خدا کے ساتھ برتا جاتا ہے۔ البتہ نفاق کی یہ تمام صورتیں جن کا ذکر کیا گیا ہے زشتی اور قباحت کے لحاظ سے فرق رکھتی ہیں۔ اگرچہ کہ ان سب کی جڑ خباثت اور زشتی ہے سبھی ایک ہی شجر خبیثہ کے برگ و بار ہیں۔

نفاق کے آثار و اثرات :

نفاق دو رُوئی خود ایک قبیح اور زشت صفت ہے۔ جس سے کوئی بھی شریف انسان اپنے آپ کو متصف کرنا پسند نہیں کرے گا۔ اس صفت کا حامل شخص نہ صرف انسانیت کے سلک سے خارج ہو جاتا ہے بلکہ کوئی حیوان بھی اس سے مشابہت نہیں رکھتا۔ یہ اپنے آس پاس کے لوگوں میں رسوائی اور سرشکستگی کا سبب بنتا ہے، اور آخرت میں ذلت و دردناک عذاب کا موجب، جیسا کہ حدیث شریف سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ اس عذاب کی صورت اس عالم میں یہ ہوگی کہ انسان دو آتشین زبانوں کے ساتھ محشور ہوگا جو خلقِ خدا کے درمیان اس کی رسوائی اور انبیاء مرسلین و ملائکہ مقربین کے حضور اس کی شرمندگی کا باعث ہوگا اسکو ملنے والے عذاب کی شدت کا بھی اسی روایت سے پتہ چلتا ہے، کیونکہ جو ہر بدن جوہر آتش ہو جائے گا تو عذاب شدید ہوگا۔ اور اذیت بھی بہت زیادہ ہوگی۔ میں خدا سے اس عذاب کی شدت سے پناہ مانگتا ہوں۔

ایک اور حدیث میں وارد ہوا ہے کہ رسولِ خدا (ص) نے فرمایا کہ قیامت کے روز دو رُو شخص اسطرح آئے گا کہ اس کی دو زبانوں میں سے ایک اس کے سر کے پیچھے سے باہر نکلی ہوگی اور دوسری آگے کی طرف سے، اس کی دو زبانیں شعلہ ور ہوں گی، اور اس کے پورے جسم میں آگ لگی ہوگی (عقاب الاعمال، ص ۳۱۹ (چاپ مکتبۃ الصدوق)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص جو دنیا میں دو رُو اور دو زبان تھا، روز قیامت وہ اس صفت کے وسیلے سے متعارف کیا جائے گا۔ اس پر ذیل کی آیتِ شریفہ صادق آتی ہے۔

والّذین ینقضون عھد اللّٰہ من بعد میثاقہ ویقطعونَ ما امر اللّٰہ بہ ان یوصل ویفسدون فی الارض اولئک لھم اللّعنۃ ولھم سوء الدّار۔

اور وہ جو اللہ کی میثاق کو توڑتے ہیں جبکہ اس کی تصدیق کر چکے ہیں۔ اور اس (چیز) کو قطع کرتے ہیں، جسے خدا نے جوڑے رکھنے کا حکم دیا تھا۔ اور زمین پر فساد پھیلاتے ہیں، ان پر لعنت ہے اور ان کے لئے بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے۔ (سورۂ رعد آیت ۲۵)

نفاق بہت سارے مفاسد اور مہلک خرابیوں کی جڑ ہے، جن میں سے ہر ایک بُرائی انسان کی دنیا و آخرت کو فنا کر دینے کے لئے کافی ہے۔ ان ہی میں سے ایک تفتین یعنی فتنہ پھیلانا ہے، جو نصِ قرآن کی رُو سے کسی انسان کو قتل کرنے سے زیادہ بڑا گناہ ہے، اور سرگوشیوں میں غیبت کرنے (نمیمہ) کے مثل ہے۔ جس کے لئے حضرت امام باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے محرّمہ الجنۃ علی القتانین المشائین بالنمیمۃ [1] یعنی حرام ہے جنت سخن چینی کرنے والوں پر، جنکا کام سرگوشیوں میں غیبت کرنا ہے۔ نمیمہ اور سخن چینی بھی غیبت کی طرح، پیغمبر (ص) کے الفاظ میں زنا سے بدتر ہیں۔ کسی مومن کو ایذا پہنچانے اگلی گلوچ کرنے، اس کی پوشیدہ چیزوں کو ظاہر کرنے اور اس کے رازوں کو فاش کرنے کے برابر ہے۔ جن میں سے ہر ایک انسان کی ابدی ہلاکت کا باعث ہو سکتی ہے۔

یہ جاننا چاہیئے کہ جو چیزیں نفاق اور دو رُوئی کے زمرے میں آتی ہیں ان میں اشارات کنایات، غمزہ اور لمزہ یعنی آنکھ مارنا اور کسی کو بدنام کرنا بھی شامل ہیں۔ جن میں سے کچھ چیزیں بعض لوگوں سے متعلق ہوتی ہیں یعنی ان سے جن کے سامنے بظاہر دوستی اور اخلاص کا اظہار

---

[1] کافی، جلد ۲، صفحہ ۳۶۹، حدیث ۹ (چاپ آخوندی)

کیا جاتا ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ اپنے حال اور اعمال و اطوار کے بارے میں چوکنا رہے اور ان کی طرف وقت پر توجہ کرے، کیونکہ نفس کے دھوکے، فریب اور شیطان کے پھیلائے ہوئے جال بہت زیادہ نازک اور باریک ہوتے ہیں۔ اور بہت کم انسان ان سے بچ سکتے ہیں۔ ممکن ہے کہ ایک بے موقع اشارہ یا ایک بے جا کنایہ کسی انسان کو دو رُو اور دو زبان لوگوں کے زمرے میں شامل کر دے۔ اور شاید انسان آخری عمر تک اس رذیلے میں مبتلا رہے، حالانکہ وہ اپنے آپ کو صحیح و سالم اور پاک و پاکیزہ سمجھتا رہے۔ اس لئے ہر انسان کو چاہیئے کہ وہ ایک دلسوز طبیب، ایک شفیق اور سوجھ بوجھ رکھنے والے حکیم اور تیماردار کی طرح اپنے نفس کی حالتوں اور اپنے اعمال و اطوار کی دیکھ بھال کرے اور ایک پل کے لیئے بھی اس کی دیکھ بھال، اور احتیاط سے غافل نہ رہے اور یہ بات ذہن میں رکھے کہ امراض قلبی میں سے کوئی بھی مرض اس مرض سے زیادہ پوشیدہ اور مستور نہیں رہتا۔ جبکہ کوئی مرض اس سے زیادہ ہلاک کرنے والا نہیں۔ کوئی بھی تیماردار انسان کے لئے خود اپنے آپ سے زیادہ مشفق اور دلسوز نہیں ہوتا۔

نفاق کا علاج :

اس خطائے بزرگ اور نقصِ عظیم کا علاج دو طرح سے کیا جا سکتا ہے۔ ایک تو یہ کہ انسان کو اس رذیلے سے مترتب ہونے والے مفاسد کا جائزہ لینا چاہیئے۔ نہ صرف آخرت میں بلکہ اس عالم میں اگر کوئی شخص اس صفتِ زشت کے توسط سے لوگوں میں جانا جائے تو وہ ان کی نظروں سے گر جاتا ہے۔ اور خاص و عام میں اس کی رسوائی ہوتی ہے۔ وہ تمام لوگوں کے سامنے بے آبرو ہو جاتا ہے، اور لوگ اس کی صحبت سے پرہیز کرتے ہیں اور اسکو اپنی محفلوں اور مجلسوں سے طرد کرتے ہیں۔ اس طرح نہ وہ کوئی کمال حاصل کر سکتا ہے اور نہ کسی مقصد کو پا سکتا ہے۔ ایک باشرف اور باضمیر انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس شرمناک و شرف سوز عیب سے پاک کرے تاکہ ان تمام ذلتوں اور خواریوں سے محفوظ رہے، دوسرے عالم کی تو بات ہی کیا ہے۔ وہ اسرار کے ظاہر ہونے کا عالم

ہے کہ وہاں پردہ سب کچھ جو اس عالم میں لوگوں کی نظروں سے چھپائے گا وہاں اُسے پوشیدہ نہ رکھ سکے گا۔ وہاں وہ ایک دوآتشین زبانوں والی عجیب الخلقت کی شکل میں محشور ہوگا۔ اور منافقین و شیاطین کے ساتھ عذاب جھیلے گا۔ اس لئے انسان عاقل جوان مفاسد کو سمجھتا ہے اور جانتا ہے کہ اس بدخلقی سے سوائے بُرائی اور گندگی کے کچھ حاصل نہیں۔ وہ حتمی و ضروری سمجھتا ہے کہ اس صفت سے چھٹکارا حاصل کرے۔

اس کا دوسرا علاج جو عملی حیثیت رکھتا ہے وہ نفسانی علاج ہے۔ وہ اس طرح عمل میں لایا جاسکتا ہے کہ ایک مدت تک انسان انتہائی احتیاط سے اپنے حرکات و سکنات پر کڑی نظر رکھے اور اپنے اعمال کو پوری طرح جانچتا رہے۔ اپنے نفس کی آرزوؤں اور خواہشات کے خلاف عمل کرے، مجاہدہ کرے اور اپنے اعمال و اقوال کے ظاہری اور باطنی پہلوؤں کو درست کرے۔ اسے چاہیئے کہ ظاہرداریوں، دکھاوے اور بناوٹوں سے پرہیز کرے۔ اور ان تمام اعمال و افعال کے دوران خدائے متعال سے اس توفیق کا آرزومند رہے کہ وہ اپنے نفس امارہ اور خواہشات نفسانی کو زیر کر سکے۔ اُسے چاہیئے کہ خدا سے مدد مانگے کہ اس نے علاجِ نفس کے لئے جو قدم اٹھایا ہے اس میں وہ اس کی ہمراہی کرے۔ خداوندِ تبارک و تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمتیں اس کے بندوں پر بے پناہ ہیں۔ جو کوئی اپنی اصلاح کی خاطر اس کی جانب قدم اٹھاتا ہے، وہ ضرور اس کی مدد کرتا ہے، اور اس کی دستگیری کرتا ہے۔ اگر ایک مدت تک اس طرح عمل کرے تو امید ہے کہ ضرور ایک دن اس کا نفس پاک و پاکیزہ ہو جائے گا۔ اور نفاق و دو رُوئی کی کدورت زائل ہو جائے گی۔ اس کی دنیائے باطن اور آئینۂ قلب اس زنگ سے صاف ہو جائے گا۔ اور وہ الطافِ حق و رحمتِ دلی نعمت کا مورد قرار پائے گا۔

کیونکہ یہ بات دلائل سے بھی ثابت ہے اور مسلسل تجربے سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ جب تک انسان اس دنیا میں وجود رکھتا ہے، جو اعمال و افعال اس سے سرزد ہوتے ہیں وہ ضرور اس پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ کیا اچھے اور کیا بُرے اعمال دونوں ہی انسان پر اپنا اثر ضرور چھوڑتے ہیں۔ عمل صالح اور نیک اعمال نورانی اثر پیدا کرتے ہیں جبکہ بداعمال منفی اثر ڈالتے ہیں۔ کسی

انسان کے دل کا منوّر یا تاریک ہونا ہی اس کو شہداء یا اشقیاء کے سلسلے سے منسلک کرنے کا باعث بنتا ہے۔ اس لیے اس وقت تک جب تک کہ ہم اس دارِعمل اور منزلِ زراعت میں ہیں۔ یہ ہمارے اختیار میں ہے کہ ہم اپنے دل کو سعادت کی طرف لے جاتے ہیں یا شقاوت کی طرف۔ ہم خود اپنے اعمال کے مرہونِ منت ہیں، جیساکہ قرآن کریم ہمیں اطلاع دیتا ہے:
فَمَن یعمل مثقال ذرّۃٍ خیرًا یرہ و من یعمل مثقال ذرّۃٍ شرًّا یرہ ۔ جو کوئی ذرہ برابر بھی نیکی کرتا ہے وہ اُسے دیکھے گا اور جو کوئی ذرہ برابر بدی کرتا ہے، وہ اُسے دیکھے گا۔ (سورۂ زلزال، آیت ۷، ۸)

نفاق کی قسمیں:

اے عزیز دوست! یہ جاننا چاہیے کہ نفاق، دورُوئی اور دوزبانی میں ایک مقام ایسا بھی آتا ہے کہ جب انسان خدائے متعال، مالک الملوک اور ولیٔ نعمت سے منافقت اور دورُوئی برتتا ہے۔ ہم اپنی اس دنیا میں اس گناہ میں مبتلا ہوتے ہیں۔ لیکن ہم اس سے غافل رہتے ہیں۔ جہل و نادانی کے دبیز پردے اور خود غرضی حُبِ دنیا اور حُبِ نفس کے تاریک نقاب کچھ اس طرح اس حقیقت کو ہم سے چھپائے رکھتے ہیں کہ یہ ہمارے امکان سے بعید رہتا ہے کہ رازوں کے کشف ہونے اور حجابوں کے دُور ہونے، اس عالم طبیعی سے کُوچ کرتے وقت اور یہاں سے رختِ سفر باندھ کر اس دارِغرور اور عالمِ غفلت سے رخصت ہونے کے وقت تک ہمیں اس کا پتہ چلے اور ہم متنبہ ہوں۔ اس وقت ہم خوابِ غفلت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ مادیت اور ہستی کے نشے نے اور ہماری ہوا و ہوس نے ہمیں غافل کر رکھا ہے۔ اپنی اخلاقی برائیاں اور اپنے اعمال و عادات فاسدہ ہمیں ہنر معلوم ہوتی ہیں۔ اس وقت جبکہ ہم اس خوابِ غفلت سے بیدار ہوں گے، اور اس مستی اور سرگردانی سے ہوشیار ہوں گے اور دو چہرے اور دو زبانوں کے ساتھ محشور ہو کر ایک بدخلقت اور ڈراؤنی شکل اختیار کر چکے ہوں گے۔ چاہے ہم کتنا ہی چیخیں چلائیں

"رب ارجعون" (خدایا ہمیں دنیا میں واپس بھیج دے) جواب آئے گا (کلا) نہیں نہیں)۔

اس دوڑ دھوپ کی صورت یہ ہے کہ ہم اور تم ساری عمر صرف کلمۂ توحید میں یقین رکھنے کا اظہار کرتے اور اسلام و ایمان کا دعویٰ رکھتے ہیں بلکہ اپنی اپنی خواہش کے مطابق خدا کی محبت اور محبوبیت کا بھی دم بھرتے ہیں۔ اگر ہم عوام میں سے ہیں تو ہم اسلام اور ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں اور اپنے زہد اور خلوص کا یقین دلاتے ہیں، اگر ہم اہل علم اور فقہاء میں سے ہیں تو اپنے کمال اخلاص اور ولایت و خلافت رسول (ص) کا ادعا رکھتے ہیں۔ اور رسول اکرم (ص) کے قول "اللھم ارحم خلفائی" (خدایا تو میرے خلفاء پر رحم کر)، حضرت صاحب الامر روحی لہ الفداء "انھم حجتی" (بے شک وہ میری حجت ہیں) اور دوسرے تمام ایسے اقوال کا جو علماء و فقہاء کی شان میں وارد ہوئے ہیں، مصداق جانتے ہیں۔ اگر ہم علوم عقلی کے ماہرین میں سے ہیں تو ہم اپنے ایمان کے حقیقی اور برہانی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین کا مالک گردانتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو ناقص العلم اور ناقص الایمان سمجھتے ہیں۔ ہم اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ آیات قرانی اور احادیث شریفہ ہماری ہی شان میں نازل ہوئی ہیں۔ اور اگر ہم اہل عرفان اور اہل تصوف میں سے ہیں تو ہم اپنے جذبے اور معرفت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور محبت خدا میں "فنا فی اللہ و بقا باللہ" (خدا میں فنا ہونے اور خدا سے باقی رہنے) کا راگ الاپتے ہیں ولایت امر اور اس طرح کے جتنے بھی دلکش الفاظ نظر آئیں سب اپنے آپ سے منسوب کر لیتے ہیں۔

اس طرح ہم میں سے ہر ایک گروہ اپنے اقوال اور اپنی ظاہری حالت کی زبان سے ایک خاص مرتبے اور مقام کا دعویدار بنتا ہے، اور اپنے توہمات کو حقیقت سمجھ کر ان کی نمائش کرتا ہے۔ اگر ظاہر باطن سے موافقت رکھتا ہو اور جو کچھ علانیہ و مخفی ہے اس میں مطابقت ہو تو دعویٰ کرنے والا صادق و مصدق ثابت ہوگا۔ "ھنیئاً لہ ولارباب النعیم نعیمھم" لیکن اگر کوئی اس راقم الحروف کی طرح روسیاہ و بدمنظر ہو تو سمجھ لے کہ اس کا شمار منافقوں اور دوزبانیوں میں ہوتا ہے۔ اُسے چاہیئے کہ اپنے علاج کے لیے جلد از جلد قدم اٹھائے تاکہ موقع ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ اپنے بدنجامانہ حال اور آنے والے ذلت و ظلمت کے دن کی اُسے بھی فکر

کرنی چاہیئے۔

اے اسلام کے مُدعی عزیز دوست! کافی کی حدیث شریف میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ سے منقول ہے کہ: المسلم من سلم المسلمون من یدہ ولسانہ ،، [1]

(مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ رہیں) ہمیں کیا ہوگیا ہے کہ ہم اور تم اپنی تمام طاقتوں کو بروئے کار لاکر جہاں تک ہمارے ہاتھ پہنچ سکیں اپنے ماتحتوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بناتے ہیں۔ اور اس میں کوئی مضائقہ محسوس نہیں کرتے کہ اگر ہم ہاتھ سے انہیں کچھ نقصان نہیں پہنچا سکیں تو اپنی تیغِ زبان سے ان کی موجودگی میں یا ان کے غیاب میں ان کے رازوں کا پردہ چاک کریں اور ان کی پوشیدہ باتوں کو علانیہ کرکے ان کی ہتک کے درپے ہوں، ان کی غیبت کریں، اور ان پر تہمت لگائیں۔ پس معلوم ہوا کہ ہم ایسے مسلمان جن کے ہاتھوں اور زبانوں کے شر سے مسلمان سلامت نہ رہیں۔ ہمارے مسلمان ہونے کے تمام دعوے حقیقت میں ہمارے دل کی حالت کے اور ہمارے اعمال کے بالکل برعکس ہیں اور ہم منافقوں اور دورُوئیوں کے زمرے میں شامل ہیں۔

اے ایمان اور بارگاہِ خدائے ذوالجلال میں خضوعِ قلب کے مدعی! اگر تو کلمۂ توحید میں ایمان رکھتا ہے اور تیرا دل تیرے ظاہر کا آئینہ دار ہے، اور تیرا باطن تیرے دعوے کی تصدیق کرتا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ تیرا دل دنیا والوں کے لیے اس قدر خضوع کیوں کرتا ہے؟ کیوں تو ان کی پرستش کرتا ہے؟ (اس عقیدے سے ہٹ کر) کوئی اور وجہ ہے کہ تو اِس دنیا میں انہیں بااثر سمجھتا، ان کی مرضی اور ارادہ کو زیادہ مؤثر اور کارگزار اور زور و زر کو با اختیار اور کارفرما جانتا ہے، وہ ایک چیز جسے تو اس دنیا میں کارفرما نہیں سمجھتا وہ مرضیٔ خدا ہے۔ تو تمام اسبابِ ظاہری کے آگے تو جھکتا ہے لیکن مؤثرِ حقیقی اور تمام اسباب کو جمع کرنے

[1] اصول کافی، جلد ۲ صفحہ ۳۶۹، حدیث ۹ (چاپ آخوندی)، الحجۃ البیضاء، جلد ۳ صفحہ ۳۵۸ (منقولہ از بخاری، جلد ۱، صفحہ ۱۱ باب رابع، کتاب الایمان)

والے کی ذات سے غافل ہے۔ پھر ان تمام باتوں کے باوجود تو کلمۂ توحید میں ایمان رکھنے کا دعویٰ بھی کرتا ہے۔ تجھے معلوم ہونا چاہیئے کہ تو بھی مؤمنین کے زمرے سے خارج ہے، منافقان اور دورویوں کے سلسلے میں شامل ہے اور ان ہی کے ساتھ محشور ہوگا۔

اے مُدعی زہد و اخلاص! اگر تو سچا اور مخلص ہے اور خدا اور اس کے دار کرامت کی راہ میں زہد اور تقویٰ اختیار کرتا، اور دنیوی خواہشات سے پرہیز کرتا ہے تو پھر کیا بات ہے کہ لوگوں کی زبان سے یہ تعریف سُن کر کہ فلاں فلاں شخص خیر و صلاح کا حامل ہے۔ تیرا دل خوشی سے اس قدر باغ باغ ہو جاتا ہے کہ تو اپنے آپ پر اترانے لگتا ہے؟ ایسا کیوں ہے کہ تو اہل دنیا، اور ثروت مندوں کی ہم نشینی کے لئے جان دیتا ہے، اور فقراء و مساکین سے دُور بھاگتا ہے؟ تجھے یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ تیرا یہ زہد اور اخلاص سچا نہیں ہے بلکہ دنیا کو دکھانے کے لئے ہے اور تیرا دل صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ تو اپنے دعوے میں جھوٹا ہے، اور تو منافقوں اور دو رویوں کے قبیلے سے تعلق رکھتا ہے۔

اے ولی اللہ کی جانب سے ان کی ولایت اور رسول اللہ (ص) کی طرف سے خلافت کے دعوے دار! (اللہ اکبر، کتنا بڑا دعویٰ ہے!) تیری حالت "احتجاج" میں نقل کی گئی حدیث کے مطابق ہے؟

صائناً لنفسه حافظاً لدينه مخالفاً على هواه مُطيعاً لامر مولاه[1]

(وہ لوگ جو) اپنے نفس کی نگہداری کرتے ہیں، اپنے دین کی حفاظت کرتے ہیں، اپنی خواہشات کی مخالفت کرتے ہیں اور اپنے مولا کے احکام کے تابع ہوتے ہیں۔

---

[1]: احتجاج، جلد ۲، صفحہ ۱۰۶، وسائل الشیعہ، جلد ۱۸ صفحہ ۹۹، کافی جلد ۱ صفحہ ۶۸، التہذیب، جلد ۶، صفحہ ۳۰۱، من لایحضرہ الفقیہ جلد ۳، مستدرک الوسائل، جلد ۳ صفحہ ۱۸۷، الجواہر، جلد ۴۰، صفحہ ۳۲۔

اگر تو اپنے آپ کو برگِ شجرِ ولایت و رسالت سمجھتا ہے، تیرا دل نہ ہی دنیا کی طرف مائل ہے۔ اور نہ سلاطین و امراء کی صحبت کی طرف اور نہ ہی غربا اور فقراء کے ساتھ بیٹھنے اٹھنے میں تجھے کوئی تکلف ہوتا ہے، تو تُو مزدر اسم با مسمّٰی اور لوگوں کے درمیان خدا کی حجتوں میں سے ایک کہلانے کا مستحق ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر تیرا شمار علماء سوء میں ہوگا اور تو منافقین کے زمرے میں شمار کیا جائے گا۔ اور اسی طرح کے دوسرے لوگوں سے جن کا ذکر ہو چکا ہے، تیری حالت بدتر، تیرے اعمال زشت تر اور تیرا حشر تباہ تر ہوگا۔ اس لئے کہ علماء کے لیے خدا کی حجت، زیادہ مکمل ہوتی ہے۔

اے حکمتِ الٰہی کے دعویدار اور حقائق و مبداء اور معاد کا علم رکھنے کا مُدعی! اگر تو اسباب و مُسببات کے حقائق کا علم رکھتا ہے اور اگر حقیقت میں تجھے برزخی صورتوں کا علم حاصل ہے اور تو بہشت و دوزخ کے حال سے واقف ہے تو اس دنیا میں ایک پل بھی آرام سے نہ بیٹھتا۔ اپنا تمام وقت عالم باقی کی زندگی کی تعمیر میں صرف کرتا۔ تو یہ جانتا ہے کہ کیسی کیسی مصیبتیں پیش آنے والی ہیں۔ آئندہ کیسی کیسی ظلمتوں، عذابوں اور طاقت فرسائیوں کا سامنا کرنا ہے؟ پھر کیوں ان الفاظ اور مفاہیم کے حجابوں سے باہر نہیں نکلتا؟ ان دلائل اور براہین نے کیوں تجھ پر مکھی کے برابر بھی اثر نہیں کیا؟ اگر تیرا یہی حال ہے تو سمجھ لے کہ تو مؤمنین اور حکماء کے زمرے سے خارج ہے اور تو منافقوں کی صفوں میں محشور ہوگا۔ افسوس ہے اس شخص کے حال پر جس نے اپنی تمام عمر اور طاقت علوم مابعد الطبیعہ کے حصول میں صرف کی لیکن اپنے آپ کو طبیعی زندگی کے نشے سے باہر نہ نکال سکا کہ کم از کم صرف ایک سچائی ہی اس کے دل پر نازل ہو جاتی۔

اے معرفت و جذبۂ سلوک و محبت و فنا کے مُدعی! اگر تو حقیقت میں اللہ والوں، اصحابِ قلوب اور نیک کام کرنے والوں میں سے ہے تو "حَیَّ یا لَکَ" مگر تیری یہ شطحیات (بے ہوشی کے عالم میں کی ہوئی باتیں) تلونیات (رنگ آمیزیاں) اور بڑے بڑے دعوے، یہ سب چیزیں حُبِّ نفس اور وسوسۂ شیطان کی نشانیاں ہیں۔ اور خدا سے محبت اور جذبۂ عشق

کے دعوے کو غلط ثابت کرتی ہیں :

"اِنَّ اولیائی تحت قبابی لا یعرفھم غیری" [1]

" بے شک میرے اولیاء قباب کے اندر ہیں (یعنی ایک قلعہ یا مینار میں پوشیدہ ہیں) اور انہیں کوئی نہیں جان سکتا " اگر تو اولیائے حق، مجتبین اور مجذوبین میں سے ہے تو خدا کو اس کا پورا علم ہے ۔ لوگوں میں اس قدر اپنے مقام و مرتبت کا چرچا نہ کر ۔ بندگانِ خدا کے کمزور دلوں کو ان کے خالق کی جانب سے ہٹا کر اس کی مخلوق کی طرف جذب نہ کر (خانۂ خدا کو غصب نہ کر) (بندگانِ خدا کے دل خدا کا گھر ہیں، انہیں خدا سے چھیننے کی کوشش نہ کر) ۔ یہ جان لے کہ یہ (کمزور) بندے خدا کو عزیز ہیں، ان کے دل قیمت رکھتے ہیں ۔ انہیں خدا کی محبت میں صرف ہونا چاہیئے ۔ خانۂ خدا کو ایک کھیل مت بنا ۔ اور اس کے ناموس پر دست درازی نہ کر : فَاِنَّ لِلبیت رَبًّا " بیشک گھر کا کوئی مالک ہوتا ہی ہے ۔ اگر تو اپنے وعدے میں سچا نہیں ہے تو تو دو روئیوں میں اور اہلِ نفاق میں سے ہے ۔ میں اب ختم کرتا ہوں کہ اس سے زیادہ طول کلامی مجھ ایسے روسیاہ کے لئے سزاوار نہیں ۔

اے راقم الحروف کے نفسِ لئیم ! تو کہتا ہے کہ روزِ سیاہ کے لئے فکر کرنا ضروری ہے اور اس بدبختی سے اپنے آپ کو نجات دلانا چاہیئے ۔ اگر تو سچا ہے اور تیرا دل تیری زبان کے ساتھ ہے اور تیرا باطن اور تیرا ظاہر دونوں ایک جیسے ہیں تو پھر کیوں تو غافل ہے ۔ کیوں تیرا دل سیاہ ہے ؟ اور تجھ پر شہواتِ نفسانیہ کا غلبہ کیوں ہے ؟ تو موت کے پرخطر سفر سے کیوں بے خبر ہے ؟ ایک عمر گزر گئی اور تو ہوس اور ہوائے نفس سے باز نہیں آیا ؟ تو نے شہوت، غفلت اور شقاوت میں اپنی عمر گزار دی ۔ اور عنقریب تجھے اجل کا سامنا کرنا ہے ۔ اگر تو اب بھی بداعمالیوں بداخلاقیوں اور نابکاریوں میں ڈوبا ہوا ہے، تو خود ایک ایسا واعظِ بے عمل ہے (جو وعظ پر عمل نہیں کرتا ۔) اور تیرا شمار بھی منافقوں اور دوروئیوں میں ہوتا ہے ۔ اگر یہی حال رہا تو یہ خدشہ ہے کہ تجھے

---

[1] : حدیث قدسی

قیامت کے دن دو آتشیں زبانوں اور دو آتشیں چہروں کے ساتھ محشور ہونا پڑے گا۔

خداوندا! تو ہمیں اس لمبی نیند سے بیدار کر اور ہمیں اس سستی اور بے خودی سے ہوشیار کر۔ ہمارے دلوں کو ایمان کے نور سے جلا دے اور ہمارے حال پر رحم فرما۔ ہم اس میدان کے مرد نہیں ہیں۔ تو خود ہماری دستگیری کر اور ہمیں شیطان کے چنگل سے اور نفس کی خواہشات سے نجات دلا۔

بحق اولیائک محمدؐ و آلہ الطاہرین صلوات اللہ علیہم اجمعین،

حدیث دہم

ہوائے نفس اور طول امل "درازیٔ امید" کے بارے میں

"الحدیث العاشر" بالاسناد المتصلہ الی رئیس المحدثین محمد بن یعقوب رضوان اللہ علیہم عن الحسن بن محمد عن معلّی بن محمد عن الوشا عن عاصم بن حمید عن ابی حمزہ عن یحیٰی بن عقیل قال، قال امیرالمؤمنین: اخاف علیکم اثنتین: إتباع الھوی وطول الأمل أما إتباع الھوی فانہ یصد عن الحقّ و اما طول الامل فانہ ینسی الآخرۃ۔[1]

حدیث دہم جو رئیس المحدثین محمد بن یعقوب رضوان اللہ علیہ نے متصل اسناد کی رُو سے حسن بن محمد سے روایت کی ہے کہ انہوں نے معلّی بن محمد سے، انہوں نے الوشاء سے، انہوں نے عاصم بن حمید سے، انہوں نے ابی حمزہ سے، انہوں نے یحیٰی بن عقیل سے جو کہتے ہیں کہ امیرالمؤمنین علی علیہ السلام نے فرمایا کہ بے شک میں تم لوگوں کے لئے نہیں ڈرتا مگر دو چیزوں سے: (ایک)

---

[1]: اصول کافی، جلد ۲، ص ۳۳۶، حدیث ۲،

ہوائے نفس کی پیروی سے، جو یقیناً انسان کو حق سے دور رکھتی ہے۔ اور (دوسرے) درازیٔ اُمید سے جو آخرت کی یاد بھلا دیتی ہے۔

لغوی معنی کے لحاظ سے ہوی دوست رکھنے اور اشتہا کو کہتے ہیں، بلا لحاظ اس کے کہ یہ کس چیز سے تعلق رکھتی ہے، خواہ وہ کوئی اچھی یا ممدوح شئے ہو یا زشت اور مذموم، یا فطرت کے تقاضوں کے مطابق ہو۔ اگر عقل و شرع اس کی لگام نہ کھینچیں تو نفس شہوات باطلہ اور ہواہائے نفسانی کی طرف میلان رکھتا ہے۔ لیکن اس پر حقیقت شرعیہ کا اطلاق کرنا بعض محققین کی رائے میں بعید (از قیاس) ہے۔

"صدّ" از شئے" یعنی کسی چیز کا روکنا تین معنے رکھتا ہے) یعنی اعراض، اس سے بچنا اور پرہیز کرنا، صرف یعنی اسے روکنا یا اس سے پھر جانا ــــ یہ تینوں معنے مناسب ہیں۔ لیکن یہاں پر منع اور صرف کے معنی زیادہ موزوں ہیں۔ کیونکہ صدّ اعراض کے معنی میں فعل لازم (غیر متعدی) ہے۔ ہم انشاء اللہ ان دو مقامات کے فساد کے ضمن میں ان دو خصلتوں سے اور پھر منع کی کیفیت سے بحث کریں گے۔ اوّل، حق سے امتناع اور دوم آخرت کی یاد بھلا دینا۔ اس کے لئے ہم خدا سے توفیق کے طلب گار ہیں:

مقام اوّل :- ہوائے نفس کی پیروی کرنے کی مذمّت

جان لو کہ نفسِ انسانی - جس کی ماہیت کی بحث ہمارے مقصود سے خارج ہے توحید اور سچے اعتقادات کو ماننا انسانی فطرت میں شامل ہے لیکن اس دنیا میں پیدا ہوتے ہی اور اس عالم میں قدم رکھنے کے ساتھ ہی انسان کے تمام نفسانی میلانات اور حیوانی شہوتیں بھی اس کے ہمراہ نشوونما پانے لگتی ہیں۔ بجز اس شخص کے کہ جسے خدا کی طرف سے مدد ملی ہو اور جو حافظ قدسی کی محافظت میں ہو، چونکہ ایسے وجود نادر ہوتے ہیں۔ اس لئے اس سے بحث کرنا ہمارا موضوع نہیں۔ اس جگہ ہم بنی نوع

انسان کی (عام) حالت سے بحث کر رہے ہیں۔ یہ چیز اپنی جگہ واضح ہے کہ پیدائش کے وقت ہی سے زندگی کے اوّلین مراحل طے کرنے کے بعد بھی انسان ایک کمزور حیوان سے بڑھ کر نہیں۔ سوائے انسانیت کا درجہ حاصل کرنے کی قابلیت کے وہ دوسرے جانوروں سے کسی بھی لحاظ سے ممتاز نہیں ہوتا۔ انسانیت کی یہ قابلیت بھی حقیقی یا بالفعل انسانیت کا معیار نہیں مانی جاسکتی۔ لہٰذا انسان اس عالم میں وارد ہونے کے ابتدائی مرحلوں میں کسی بھی معیار سے ایک حیوان بالفعل کے علاوہ کچھ بھی نہیں، اور سوائے قوانین حیوانی جو شہوت و غضب کی قوتوں پر مبنی ہوتے ہیں کسی اور قانون کی متابعت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ چونکہ اس مجموعۂ دہر کی ذاتِ جامع میں تمام چیزیں یکجا کی گئی ہیں۔ وہ ان دونوں قوا کی تشفی کے لئے دیگر صفاتِ شیطانی جیسے جھوٹ، جعلسازی، نفاق نمیمہ اور دوسری شیطنتوں کو کام میں لاتا ہے۔ ان ہی تینوں قوا کی پرورش میں جو تمام مفسدات اور مہلکات کی جڑ ہیں، ترقی کرتا اور یہ قوتیں اس کے ساتھ روز بروز نشو و نما پاکر مضبوط ہوتی جاتی ہیں۔ اگر وہ کسی معلم یا مربّی کے زیرِ اثر نہ ہو تو بلوغ کی حد پر پہنچ کر بھی وہ ایک عجیب و غریب حیوان ہی رہتا ہے جو مذکورہ بالا صفات میں سے ہر ایک میں دوسرے جانوروں اور شیاطین سے بھی گوئے سبقت لے جاتا ہے کہ حیوانیت اور شیطنت کے درجوں میں وہ ان سب سے زیادہ قوی اور سب سے کامل ہو جاتا ہے اور اگر وقت اسی طرح گزرتا رہے تو وہ ان تینوں چیزوں میں سوائے ہوائے نفس کی پیروی کرنے کے کچھ اور نہیں کرتا۔ نہ صرف معارف الٰہیہ، اخلاق فاضلہ اور اعمال صالحہ میں سے کوئی بھی خوبی اس میں ظاہر نہیں ہوتی، بلکہ تمام انوارِ فطری اس کے اندر بجھ کر رہ جاتے ہیں۔ تمام مراتبِ حق جو مذکورہ بالا تینوں مقامات یعنی معارفِ الٰہیہ، اخلاق و ملکات فاضلہ و اعمال صالحہ سے جدا نہیں، نفسانی خواہشوں کے پیروں تلے روند دیئے جاتے ہیں۔ نفسانی تمایلات اور حیوانی خواہشات کی متابعت اس چیز کی اجازت نہیں دیتی کہ مراتب حقانی میں سے کوئی بھی اس کے اندر جلوہ افگن ہو۔ ہوائے نفس کی کدورت اور ظلمت عقل و ایمان کے تمام چراغوں کو گل کر دیتی ہے اور ولادتِ ثانویہ جو ولادتِ انسانیہ کے مترادف ہے ان کے لئے ظہور پذیر نہیں ہوتی۔ وہ اسی حالت میں زندہ رہتا ہے اور حق و حقیقت

اس کے لئے ممنوع اور مسدود قرار پاتی ہیں۔ یہاں تک کہ یہ شخص اس حال میں موجودہ عالم سے انتقال کرتا ہے کہ دوسرے عالم میں جو رازوں کے کشف ہونے کا عالم ہے، جب آنکھیں کھول کر اپنے آپ کو دیکھتا ہے تو اپنے آپ کو بجز کسی حیوان یا شیطان کے کسی اور شکل میں نہیں پاتا اپنے انسان ہونے اور انسانیت کی کوئی یاد اس کے دل میں باقی نہیں رہتی۔ وہ اس حال میں بے پایاں عذابوں، ظلمتوں اور وحشتوں میں مبتلا رہتا ہے، اس وقت تک جب تک اللہ تعالیٰ اسے وہاں رکھے۔ یہ حالت ہوائے نفس کی مکمل پیروی یا متابعت کی ہے جو انسان کو حق سے پورے طور پر دور کر دیتی ہے۔

اس سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ حق تعالیٰ سے باز رکھنے کا معیار ہوائے نفس کی پیروی کی مقدار سے متعین ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر انبیاء کی تعلیم اور علماء اور انسانیت کے مربیوں کی تربیت کے زیر اثر اس طرح کا انسان جو ولادت کے ابتدائی لمحوں سے ان تینوں قوتوں سے ہم آغوش رہا ہو اور جو اس کے ساتھ ساتھ پرورش پاتی اور ترقی کرتی ہیں اگر تربیت و تعلیم کا اثر قبول کرلے تو آہستہ آہستہ انبیاء اور اولیاء علیہم السلام کی اس قوتِ مربیہ کے آگے سر تسلیم خم کر دے گا ممکن ہے کہ اس کے ساتھ کوئی واقعہ پیش نہ آئے، سوائے اس کے کہ اس کے قوائے کا ملۂ انسانی جو استعداد اور قابلیت کے طور پر اُسے ودیعت کیے گئے ہیں فعال ہو کر رُونما ہو جائیں اور اس کے تمام شئون اور قواء انسانیت کی شان سے بدل جائیں اور اس کے اندر کا شیطان (یعنی نفس) اس کے ہاتھوں پر ایمان لے آئے۔ جیسا کہ رسول اکرم (ص) کے ہاتھ پر اُن کے نفس نے بیعت کر لی تھی۔ آپ نے فرمایا ہے: "اِنّ شیطانی آمن بیدی" میرے (اندر کے) شیطان نے میرے ہاتھ پر ایمان قبول کیا" اور ان کی حیوانیت کی قوتوں نے انسانیت کے سامنے اس طرح سپر ڈال دی کہ (آپکا نفس) ریاضت و عبادت کے مرکب پر سوار ہو کر عالمِ کمال و ترقی کا راہوار بن گیا اور راہِ آخرت کے آسمان کی بلندیوں کا براق ثابت ہوا۔ اس نے نہ کبھی خودسری کی اور نہ سرکشی کا ارتکاب کیا۔

شہوت و غضب جب عدل اور شرع کے آگے سر جھکا دیتے ہیں تو انسانی وجود کی مملکت

میں عدالت کی صفت ظاہر ہوتی ہے اور سچی عادلانہ حکومت تشکیل پاتی ہے، جس میں حق اور قوانین حقہ کارفرما و حکمراں ہوتے ہیں۔ اب یہاں ایک قدم بھی حق کے خلاف نہیں اُٹھ سکتا۔ ظلم و باطل کا کہیں گزر نہیں ہوتا۔ بس معلوم ہوا کہ جس طرح حق سے دُوری اور راہِ حق میں رکاوٹ کا معیار ہوائے نفس کی پیروی ہے۔ اسی طرح حق کی طرف حرکت کرنے کی میزان شرع کے احکام اور عقل کی تابعداری ہے۔ ان دونوں منزلوں کے درمیان جو ہوائے نفس کی مکمل تابعداری اور عقل کے احکام کی مطلق پابندی سے عبارت ہیں، بے انتہا منزلیں پڑتی ہیں۔ وہ اس طرح کہ ہر قدم جو نفس کی تابعداری کی سمت اٹھتا ہے اتنا ہی فاصلہ انسان اور حق کے درمیان بڑھتا ہے۔ حقیقت اس کی نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے، اور کمال انسانیت کے انوار اور وجودِ آدمیت کے اسرار اُسے نظر نہیں آتے۔ اس کے برعکس، ہر وہ قدم جو میلِ نفس اور اس کی خواہشات کی مخالف سمت میں اٹھتا ہے۔ اسی قدر وہ حق کے نزدیک ہو جاتا ہے۔ اور نورِ حق اس کی مملکتِ وجود میں جلوہ افروز ہوتا جاتا ہے۔

کلامِ خدا میں ہوس کی پیروی کی مذمت:

نفس کی پیروی اور نفسانی خواہشات کی تابعداری کی مذمت میں خداوندِ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: "ولا تتبع الھویٰ فیضلک عن سبیل اللہ"، ہوائے نفس کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہیں راہِ خدا سے بھٹکاتی ہے (سورۂ نساء آیہ ۱۳۵) ایک اور آیہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ومن اضل ممن اتبع ھواہ بغیر ھدی من اللہ۔

کون اس شخص سے زیادہ گمراہ ہے جو اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرتا ہے، بغیر خدا کی رہنمائی کے، (سورۂ قصص۔ آیہ ۵۰)

کافی شریف میں امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ:

قال: قال رسول اللہ یقول اللہ عزّ وجلّ: وعزتی وجلالی

وعظمتی وکبریائی ونوری وعلوی وارتفاع مکانی لم یؤثر عبد هواه علی هوای إلا شتتُ علیه امره ولبست علیه دنیاه و شغلت قلبه بها ،ولم أوته منها إلا ما قدرت له وعزتی وعظمتی ونوری وعلوی وارتفاع مکانی لم یؤثر عبد هوائی علی هواه إلا استحفظته ملائکتی وکفلت السموات والأرضین رزقه وکنت له من وراء تجارة کل تاجر وأتته الدنیا وهی راغمة "[1]

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خدائے عزوجل فرماتا ہے کہ "قسم ہے میری عزت، میرے جلال، میری کبریائی، میرے نور، میری بلندی اور میرے مکان کے ارتفاع کی کہ کوئی بندہ اپنی خواہشات کو میری خواہش پر ترجیح نہیں دیتا مگر یہ کہ میں اس کے کاموں کو متفرق کردوں۔ اور اس کی دنیا کو درہم برہم کردوں اور اس کے دل کو دنیا میں الجھا کر رکھ دوں۔ حالانکہ اس (میں) سے اُسے کچھ نہ دوں گا، سوائے اس کے جو میں نے اس کے مقدر میں (لکھ) دیا ہے۔ اور قسم ہے میری عزت، میرے جلال، میرے نور، میری بزرگی اور میرے مکان کی رفعتوں کی کہ کوئی بندہ میری خواہش کو اپنی خواہش پر ترجیح نہ دے گا مگر یہ کہ میرے ملائکہ اس کی حفاظت کریں۔ زمین و آسمان اس کی روزی کی کفالت کریں اور میں اس کی طرف سے ہر تجارت کی دیکھ بھال کروں، یعنی اس کی طرف سے لین دین کروں اور اُسے روزی پہنچاؤں، اس حال میں کہ دنیا اس کی تابع اور اس کے لئے ذلیل ہو یعنی یہ کہ باوجودیکہ اس کا دل اس کی طرف مائل نہ ہو پھر بھی وہ اس کے اقبال کی فکر کرے، پس دنیا اس کے آگے ذلیل و خوار رہتی ہے)

---

[1] اصول کافی جلد ۲، ص ۳۳۵

یہ حدیثِ شریف احادیث محکمات میں سے ہے جس کا مضمون اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ یہ خدائے تبارک وتعالیٰ کے علم کے سرچشمۂ زلال سے نکلی ہے۔ چاہے سند ضعیف ہی کیوں نہ ہو، جس کی تفصیل سے ہمیں اس وقت مطلب نہیں ہے۔ حضرت مولی امیرالمؤمنین علیہ السلام سے اس حدیث کے علاوہ جس کی ہم شرح کر رہے ہیں یہ بھی منقول ہے کہ حضرت نے فرمایا:

انّی اخوف ما اخاف علیکم اثنتان اتباع الھوی وطول الامل [1]

یقیناً سب سے زیادہ خوفناک چیزیں جن سے میں تمہارے لئے خوف کھاتا ہوں، دو ہیں: خواہشاتِ نفسانی کی پیروی اور آرزو کی درازی (طول امل)

جناب امام صادق (ع) سے کافی شریف میں روایت کی گئی ہے کہ حضرت نے فرمایا:

احذروا اھوائکم، کما تحذرون اعدائکم فلیس شئ اعدی للرجال من إتباع اھوائھم وحصائد السنتھم [2]

"ڈرو اپنی خواہشات سے اس طرح جیسے تم اپنے دشمنوں سے ڈرتے ہو۔ پس لوگوں کے لئے کوئی شئے اس سے بڑھ کر دشمن نہیں جیسی خواہشاتِ نفسانی کی پیروی اور ان کی زبانوں کا مہیا کیا ہوا" یعنی جو کچھ ان کی زبانیں ان کے لئے فراہم کرتی ہیں۔

اے عزیز! یہ جان لو کہ نفس کی خواہشات اور تمنائیں تمام ہونے والی نہیں۔ اور نہ ہی ان کی اشتہا کی کوئی انتہا ہے۔ اگر انسان ایک قدم ان کی طرف بڑھائے تو وہ کئی اور قدم آگے بڑھنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اگر وہ کسی ایک ہوائے نفس کا ساتھ دیتا ہے تو وہ کچھ اور تمناؤں کا پیچھا کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اگر تم ایک دروازہ خواہشِ نفس کے لئے وا کرو گے تو تمہیں اور بھی کئی در باز کرنے پڑیں گے۔ ایک نفسانی خواہش کی پیروی کرنے پر تم کئی مفاسد

---

[1]: اصول کافی۔ جلد ۲۔ ص ۳۳۵، حدیث ۲

[2]: اصول کافی، جلد ۲، ص ۳۳۵، حدیث ۱

کا شکار ہو جاؤ گے۔ اور ہزاروں مہلکات میں مبتلا ہو گے۔ یہاں تک کہ خدانخواستہ، زندگی کے آخری لمحوں میں حق کے تمام راستے تم پر بند ہو جائیں گے، جیسا کہ کتاب کریم میں خداوند تعالیٰ نے ہمیں خبردار کیا ہے اور بے شک جس کے لئے امیر مؤمنان، ولیٔ امر ہمارے مولا و مرشد جو راہِ ہدایت کے متکفل اور قبیلۂ انسانیت کی رہنمائی کے ذمہ دار ہیں، خوفزدہ ہے بلکہ رُوحِ مکرم رسول اکرم (ص) اور آئمہ علیہم السلام بھی مضطرب تھے کہ کہیں درختِ نبوت و ولایت کے برگ و بار جھڑنے نہ لگیں اور اس پر خزاں نہ آ جائے۔ حضرت فرماتے ہیں:

تناکحوا تناسلوا فانی اباھی بکم الامم ولو بالسّقط [1]

"عقد نکاح میں (اپنے آپ کو) باندھ لو کہ نسل بڑھے، بے شک میں فخر کروں گا تم پر دوسری امتوں کے مقابلے میں اگرچہ اس کا نتیجہ ساقط شدہ جنین ہی کیوں نہ ہو"

پس معلوم ہوا کہ اگر انسان اس طرح کے خطرناک راستے پر پڑ جائے تو اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں ہلاکت کی کھائی میں گر کر نابود ہو جائے، اور اس کے حقیقی باپ یعنی رسول اکرم (ص) کی نافرمانی اور ناراضی کا باعث بھی بنے گا۔ وہ سرور جو رحمت للعالمین ہیں اس سے خفا ہو جائیں گے۔ یہ کتنی بڑی بدبختی ہو گی اور اس کے پس پردہ کیسی کیسی مصیبتیں اور گرفتاریاں ہوں گی؟ اس لئے اگر تم رسولِ خدا (ص) سے آشنائی رکھتے ہو، اپنے مولا امیر المومنین (ع) سے محبت کرتے ہو اور اپنے آپ کو ان کی اولاد آئمہ طاہرین علیہم السلام کا دوست سمجھتے ہو تو ان کے قلوبِ مبارکہ کو اس ڈر اور اضطراب و تشویش سے باہر نکالو۔ سورۂ ہود کی آیت شریفہ میں کہا گیا ہے کہ:

فاستقم کما امرت ومن تاب معك ولا تطغوا إنّه بما تعملون بصیر۔ (سورۂ ھود آیہ ۱۱۲)

مستحکم رہو (اپنی جگہ پر) جیسا کہ تمہیں حکم دیا گیا ہے، اور وہ جنہوں نے توبہ کی

---

[1]: وسائل الشیعہ، باب ۱، حدیث ۳

تمہارے ساتھ۔ اور اللہ سے بغاوت نہ کرو۔ وہ دیکھتا ہے کہ تم کیا کرتے ہو۔ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جناب رسول خدا (ص) نے فرمایا:

شیّبتنی سورۃ ھود لمکان ھذہ الآیۃ۔

"مجھے بوڑھا کر دیا سورۂ ہود نے اپنی اس آیت کی وجہ سے"

عارف کامل، شیخ شاہ آبادی روحی فداہ نے فرمایا ہے:

باوجود اس کے کہ یہ آیہ سورۂ شوریٰ میں بھی آئی ہے، لیکن چونکہ بغیر "وَمَن تاب معک" کے ہے، حضرت نے سورۂ ہود کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ خدائے تبارک و تعالیٰ نے ان بزرگوار سے اُمت کی استقامت بھی طلب کی ہے، اور حضرت کو یہ خدشہ تھا کہ یہ ذمہ داری شاید پوری نہ ہو سکے۔ ورنہ وہ بزرگوار خود نہ صرف یہ کہ استقامت رکھتے تھے بلکہ آنحضرت حکیم عدل کے نام کا مظہر بھی تھے[1]

اس لئے اے میرے بھائی! اگر تم اپنے آپ کو ان حضرت کے ماننے والوں میں سے جانتے ہو اور ان کی ذاتِ مقدس کو (اپنی امت پر) مأمور سمجھتے ہو تو ایسا نہ ہونے دو کہ وہ بزرگوار اپنی اس ذمہ داری کے پورا کرنے میں تمہارے زشت کاموں اور ناہنجاریوں کی وجہ سے شرمندگی محسوس کریں۔ تم خود اس بات پر غور کرو اگر تمہاری اولاد یا تمہارے اہلِ خاندان ایسے نامناسب اور بُرے کام کے مرتکب ہوں جو تمہاری قدروں کے مطابق نہ ہوں تو کیا تم لوگوں کے سامنے اپنے آپ کو شرمسار محسوس نہ کرو گے اور تمہارا سر نہ جھک جائے! یہ سمجھو کہ رسول خدا (ص) اور امیر المؤمنین (ع) آنحضرت کے قول کے مطابق تمام امت مُسلمہ کے والدین ہیں۔ آنحضرت (ص) نے فرمایا تھا: "انا و علی ابوا ہذہ الامۃ" (میں اور علی اس امت کے دو باپ ہیں)

اگر ہمیں خدا کے حضور پیش کیا جائے اور ان دونوں بزرگواروں کے سامنے ہمارا حساب کتاب ہو اور ہمارے نامۂ اعمال میں سوائے زشتی اور بدی کے کوئی اچھا عمل درج نہ ہو تو ان بزرگوں کو کتنا گراں

---

[1] مجمع البیان، جلد ۳

گزرے گا۔ وہ حق تعالیٰ کے محضر میں ملائکہ اور انبیاء کے سامنے کس قدر شرمسار و خجل ہوں گے ہم نے ان پر کتنا بڑا ظلم کیا ہے۔ ہم نے اپنے آپ کو کتنی بڑی مصیبت میں مبتلا کر لیا ہے۔ معلوم نہیں خدا تعالیٰ ہمارے ساتھ کس طرح کا سلوک کرے گا۔

اس لئے اے انسانِ جاہل! تو جو خود اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے اور اولیائے خدا کے ساتھ جو اس کی بخشی ہوئی نعمات ہیں، جنہوں نے اپنی جان و مال، راحت و آرام سب تیری راہِ ہدایت میں قربان کر دیئے اور وہ سخت مصیبتیں جھیلتے ہوئے قتل ہوئے، ان کی عورتیں اور بچے قید اور اسیر ہوئے۔ یہ سب مصیبتیں تیری ہدایت اور تیری نجات کی خاطر سہیں۔ ان کے عوض تو بجائے اس کے کہ ان تمام زحمتوں کے لئے شکر گزار ہوتا اور ان کی مرحمتوں کا پاس کرتا، ایسا فاحش ظلم کیا اور پھر تو یہ گمان کرتا ہے کہ تو نے صرف اپنے آپ پر ظلم کیا؟ ذرا تو خوابِ غفلت سے بیدار ہو اور کچھ تو اپنے نفس کے سامنے شرمندہ ہو، جنہوں نے دشمنانِ دین کے مظالم سہے، تو جو اُن کی دوستی کا دعویدار ہے، ان پر ظلم نہ کر۔ اس لئے بھی کہ ایک دوست اور دوستی کا دم بھرنے والے کی طرف سے ظلم کہیں زیادہ ناگوار اور سخت ہوتا ہے۔

خواہشاتِ نفسانی کی تعداد کے بارے میں:

معلوم ہونا چاہیئے کہ خواہشاتِ نفسانی ان کے مراتب اور متعلقات کے مطابق مختلف طرح کی اور گوناگوں ہوتی ہیں۔ کبھی وہ اتنی باریک و مخفی ہوتی ہیں کہ جب تک اُسے تنبیہ نہ کی جائے اور اُسے غفلت سے نہ چونکایا جائے خود وہ شخص بھی یہ سمجھ نہیں پاتا کہ یہ شیطان اور اس کی پھیلائی ہوئی نفسانی خواہشات کے جال ہیں۔ اپنے تمام اختلافات کے باوجود خواہشاتِ نفسانی راہِ حق میں رکاوٹ پیدا کرنے اور طریقِ خدا سے انسان کو دُور رکھنے کی حد تک یکساں طور پر شریک ہوتی ہیں۔ اگرچہ ان کے مراتب آپس میں فرق رکھتے ہیں، جیسا کہ ہوائے باطلہ کا شکار ہو کر سونے چاندی سے خداؤں کے بت بنانے والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

أفرءيت من اتخذ الٰهه هواه ۔

"کیا تم نے انہیں (نہیں) دیکھا جو ڈھال لیتے ہیں خدا اپنی خواہش (نفسانی) سے"
(سورۂ فرقان، آیہ ۴۳)

آیاتِ قرآنی اور روایاتِ شریفہ کے مطابق ایسے لوگ ایک طرح خدا سے دُور ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح نفسانی خواہشوں اور شیطانی وسوسوں کی پیروی کرنے والے دوسرے تمام باطل عقائد میں ایمان رکھنے والے اور اخلاقِ فاسدہ کے حامل دوسرے طریقے سے حق سے خود بخود دُور ہو جاتے ہیں۔ گناہانِ کبیرہ اور صغیرہ کا ارتکاب کرنے والے اور موبقات و مہلکات میں فرق کرنے والے ان کی کراہتوں کے درجوں کے مطابق ایک طرح سے حق تعالیٰ کی راہ سے باز رہتے ہیں۔ جبکہ مباح خواہشاتِ نفس اور نفسانی شہوات میں اپنے آپ کو حد سے زیادہ مشغول رکھنے والے اپنی اس افراط کی بنا پر دوسری طرح حقیقت کے راستے سے دُور رہتے ہیں۔ عالمِ آخرت کی تعمیر کے لئے مناسک اور ظاہری عبادات میں ہر وقت ڈوبے رہنے والے لذاتِ روحانی کو پانے کے لئے خواہشاتِ نفسانی کو قابو میں رکھتے ہیں یا عذاب کے خوف سے اور جہنم کے اندیشے سے چھٹکارا پانے کے لئے اطاعت کرتے ہیں، ایک اور راستے پر چل کر خدا کی بتائی ہوئی راہ سے منحرف ہو جاتے ہیں۔ یہ لوگ بھی تہذیبِ نفس اور ریاضتِ شاقہ کے ذریعے نفس کے مخصوص کمالات حاصل کرنے اور بہشتی صفات سے خود کو مزین کرنے والوں کی طرح ہیں کہ وہ بھی کسی نہ کسی طرح حق اور اس کی ہدایت سے فیض یاب نہیں ہو سکتے۔ اہلِ معارف، اصحابِ سلوک، جذب اور عرفان کی بلندیوں پر پہنچے ہوئے لوگ بھی جو لقائے خداوندی کے اور اس کے قرب کے حصول کی تمنا کے علاوہ کوئی دوسری خواہش نہیں رکھتے، وہ بھی ایک دوسرے طریقے سے اللہ سے دُور اور اس کی خاص تجلیوں سے محروم رہتے ہیں۔

ان مراتب کے علاوہ کچھ اور مراتب آتے ہیں جن کی تفصیل کا یہ مناسب موقع نہیں۔ مذکورہ بالا مراتب میں سے ہر ایک کے حامل اصحاب کو چاہیئے کہ وہ اپنی حالت کا جائزہ

لیں اور اپنے آپ کو ہوائے نفسانی سے پاک کریں تاکہ سبیل حق سے دُور نہ ہوں، اور حقیقت تک پہنچنے کی راہ سے نہ بھٹکیں، رحمت و برکت کے دروازے ہر مقام کے لوگوں پر کھلے ہوئے ہیں۔ واللہ ولیّ الہدایہ۔ بے شک اللہ ہدایت دینے والا ہے۔

مقام دوم:

طولِ امل (اُمید کو دراز کرنے) کی مذمت:

اس کی بھی دو فصلیں ہیں:

فصل (۱) آرزوؤں کی درازی:

انسانیت کی پہلی منزل ہوش (یقظہ) اور بیداری ہے، جیسا کہ مشائخ اہلِ سلوک نے منازل سالکان کے ضمن میں ذکر کیا ہے۔ اس منزل تک پہنچنے کے لئے شیخ عظیم الشان، شاہ آبادی دام ظلہ، کے کہنے کے مطابق دس سیڑھیاں ہیں، فی الوقت ہم ان کی تفصیل بیان کرنے کے موقف میں نہیں ہیں۔ یہاں پر قابلِ ذکر چیز یہ ہے کہ جب تک انسان یہ چیز ذہن نشین نہ کرے کہ وہ ایک مسافر ہے اور اس کے لئے سفر کرنا اور منزل مقصود کی طرف بڑھنا ضروری ہے، اور یہ کہ اس کے لئے مقصد کو سامنے رکھنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔ وہ مجبور ہے کہ اس مقصد کی سمت حرکت کرے، کیونکہ اس کا امکان ہے کہ اس کا عزم پکا نہ ہو اور وہ صاحبِ ارادہ نہ بنے۔ ان امور میں سے ہر ایک تفصیل اور شرح کا محتاج ہے، لیکن ہم اگر اس ذکر کو لے بیٹھیں تو گفتگو طول پکڑ جائے گی، یہ جاننا ضروری ہے کہ اس ہوش (یقظہ) اور بیداری کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ کیا ہے جو مقصود کو فراموش کرنے اور مقصد کے لوازم کو بھلا دینے کا سبب بنتی ہے اور انسان کے ارادے اور عزم کو اس طرح مار دیتی ہے، وہ عظیم رکاوٹ یہ ہے کہ انسان اس دھوکے میں رہے کہ اس کے لئے اس سفر کی تیاری کرنے کا ابھی کافی وقت باقی ہے۔ اگر وہ آج اپنے مقصد کی طرف حرکت کرنے کے لئے

آمادہ نہیں تو کل حرکت کر سکتا ہے۔ اگر اس مہینے سفر شروع نہ کر سکا تو اگلے مہینے شروع کر سکتا ہے۔ یہ طولِ امل (امید کی درازی) رجاء بقاء کا جھوٹا بہلاوا، زندہ رہنے کی اُمید اور یہ خیال کہ ابھی ہمت اور وقت باقی ہے، انسان کو اپنے مقصد کی طرف سفر کرنے سے جو آخرت ہے، باز رکھتا ہے۔ وہ اس کی طرف بڑھنے اور سفر کے لئے زادِ راہ اور رفیق فراہم کرنے کی ضرورت کو بُھلا بیٹھتا ہے۔ وہ آخرت کو پُوری طرح فراموش کر دیتا ہے اور یہ عمل انسان کے ذہن سے مقصودِ اصلی کو محو کرنے کا باعث بنتا ہے۔ خدا نہ کرے کہ ایسا ہو کہ کسی کو دُور دراز کے پُرخطر سفر پر روانہ ہونا ہو، وقت بھی بہت تنگ ہو اور لوازمِ سفر بھی اس کے پاس نہ ہوں، وہ بالکل خالی ہاتھ ہو اور ان تمام چیزوں سے بالاتر یہ کہ وہ اپنی منزلِ مقصود کو بھی بھول چکا ہو، ظاہر ہے کہ اگر کوئی اس طرح کی بھول میں پڑ جائے تو اُسے زادِ راہ اور توشے کی بھی کوئی فکر نہ ہوگی اور نہ وہ اسبابِ سفر فراہم کرنے کے بارے میں غور کرے گا۔ جب مجبوراً اُسے سفر پر نکلنا پڑے گا تو وہ یقیناً لاچار اور بے بس ہوگا۔ وہ اس سفر میں پیچھے رہ جائے گا، راستے ہی میں ہلاک ہو جائے گا، اور اپنی منزل پہ نہ پہنچ سکے گا۔

فصل دوم:-

زادِ راہ:

اس لئے اے عزیز دوست! یہ سمجھ لو کہ ایک پُرخطر اور ضروری سفر درپیش ہے اور نفع بخش علم و عمل ہی اس کا زادِ راہ ہے۔ سفر کا وقت بھی معلوم نہیں کہ کس وقت چل کھڑا ہونا ہے۔ ممکن ہے کہ وقت بہت کم ہو اور فرصت نہ مل سکے۔

کوئی نہیں جانتا کہ کس وقت کوسِ رحیل آواز دے اور اُسے ناچار کُوچ کرنا پڑے۔ یہ طولِ امل جس میں ہم تم سبھی مبتلا ہیں دراصل حُبِ نفس اور شیطان کے دھوکے میں سے ہے بلکہ اس ملعون کی سب سے بڑی کرشمہ سازی ہے..... وہ اس طرح ہماری توجہ عالمِ آخرت سے ہٹا دیتا ہے کہ ہم کسی چیز کی فکر اور تدبیر نہیں کرتے۔ وہ چاہتا ہے کہ اگر سفر کی فکر ہماری دامن گیر رہے اور ہم سفر کی مشکلات اور رکاوٹوں کا پہلے سے خیال بھی رکھیں، تب بھی

انہیں دُور کرنے کی تدبیر نہ کریں، توبہ اور پشیمانی (انابت) کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رُجوع نہ کریں اور نہ زادِ راہ اور توشۂ عاقبت مہیا کرنے کی فکر کریں، تاکہ ایک دن اچانک موت کا وقتِ موعود آ پہنچے اور ہمیں بغیر کسی زادِ راہ کے اور بغیر کسی تیاری کے سفر پر اٹھا لے جائے، نہ ہمارے پاس عملِ صالح ہے اور نہ علمِ نافع، ان دو چیزوں پر ہی اس عالم کی فطرت و خاصیت کا دارومدار ہے۔ ہم نے ان میں سے کوئی ایک بھی اپنے لئے فراہم نہیں کی۔ اگر ہم نے کچھ عمل انجام بھی دیئے ہیں تو وہ خالص اور بے غل وغش اور بے لوث نہ تھے، بلکہ ہم نے انہیں اس طرح انجام دیا کہ ان کے قبول ہونے کی راہ میں ہزاروں رکاوٹیں کھڑی کردیں۔ اگر ہم نے کوئی علم حاصل بھی کیا وہ یا تو فضول اور باطل تھا یا راہِ آخرت میں ایک رکاوٹ بننے کا سبب بنا۔ اگر ہمارے علم و عمل کے ساتھ یہ موانع نہ ہوتے تو وہ ہمارے اندر سالہا سال کی مشق و ریاضت کے بعد کوئی واضح اثر چھوڑتے اور ہمارے اخلاق و اطوار میں کوئی تبدیلی تو لاتے۔ کیا بات ہے کہ ہماری چالیس پچاس سال کی ریاضت نے ہمارے دلوں پر الٹا اثر کیا ہے۔ اور انہیں سنگِ خارا سے بھی زیادہ سخت بنا دیا ہے؟ نماز جو مؤمنوں کی معراج ہے، سے ہمیں کیا حاصل ہوا؟ کہاں گئے وہ خوف و خشیت جو علم کا لازمی نتیجہ ہیں؟ اگر خدا نخواستہ ہمیں اس موجودہ حالت میں سفر کے لئے کوچ کا حکم دیا جائے تو ایسے بہت سارے خسارے و حسرتیں ہمارے سامنے ہوں گی جو زائل ہونے والی نہیں۔

اسی لئے نسیانِ آخرت (یا عقبیٰ فراموشی) ان امور میں سے ہے کہ اگر اس کی وجہ سے ولی اللہ اعظم امیر المؤمنین علی علیہ السلام کو ہماری طرف سے خوف اور پریشانی ہے۔ تو درست ہے، اس لئے کہ یہ فراموشی ہی طولِ امل کا موجب ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ یہ کتنا پُرخطر سفر ہے، جس سے انسان کو پل بھر کے لئے بھی غافل نہیں رہنا چاہیئے اور ہر حال میں زادِ راہ فراہم کرنے کی فکر کرنی چاہیئے اور ایک لمحے کے لئے بھی چین سے نہ بیٹھیں۔ اگر وہ فراموشی کا شکار ہوگیا، دوسرے عالم کو بھول گیا اور یہ نہ سمجھا کہ وہ کس طرح کی دنیا ہے اور کس طرح کا سفر درپیش ہے تو اس کے سر پر کیسی آفتیں ٹوٹیں گی اور وہ کیسی بدبختیوں

میں گرفتار ہوگا؟ ہمارے لئے بہتر ہوگا کہ ہم حضرت علی علیہ السلام اور حضرت رسول اکرم (ص) کے متعلق جو اخلاق میں سب سے اشرف اور خطائے نسیان اور لغزش سے معصوم ہیں، غور و فکر کریں اور سمجھنے کی کوشش کریں کہ ان کا کیا حال تھا اور ہماری کیا حالت ہے۔ اس سفر کی اہمیت اور اس کے خطرات کے علم نے ان سے ان کا چین اور آرام چھین لیا تھا اور ہمارے جہل نے ہمارے اندر نسیان و فراموشی کو جنم دیا ہے۔

حضرت خاتم المرتبتؐ نے اس طرح ریاضتیں کیں اور حق کے سامنے اپنے آپ کو کھڑا رکھا کہ آپ کے پائے مبارک متورم ہو گئے تھے، اور ذاتِ مقدس جل جلالہٗ کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی:

طٰہٰ ما انزلنا علیک القرآن لتشقی،

طٰہٰ۔ ہم نے قرآن اس لئے نازل نہیں کیا (اے محمدؐ) کہ آپ تکلیف اٹھائیں۔

(سورۂ طٰہٰ، آیہ ۱، ۲)

جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کے حالات، ان کی عبادتیں اور حق تعالیٰ سے ان کے خوف کے بارے میں تو ہم جانتے ہی ہیں:

یہ سمجھ لیں کہ یہ سفر بہت پُرخطر ہے۔ ہماری یہ فراموشی اور نسیان ہمارے نفس اور شیطان کی جلسازیوں کا نتیجہ اور یہ بڑی بڑی اور دراز اُمیدیں بھی ابلیس کے پھیلائے ہوئے دام اور اسی کے حیلے اور کید ہیں۔ اس لئے اس نیند سے بیدار ہوں، ہوش میں آئیں اور خود کو تنبیہ کرتے رہیں (تاکہ آپکا نفس جان لے) کہ آپ ایک مسافر ہیں اور آپ کے سامنے ایک منزل ہے۔ آپ کی منزل عالم آخرت ہے۔ اور یہ کہ آپ ایک نہ ایک دن ضرور اس دنیا سے اٹھا لئے جائیں گے۔ اگر آپ سفر کے لئے آمادہ رہیں گے اور زادِ راہ تیار رکھیں گے تو اس سفر میں پیچھے نہ رہیں گے۔ اور نہ لاچاری محسوس کریں گے۔ وگرنہ آپ اپنے کو حقیر و لاچار اور بے زادِ سفر پائیں گے اور ایسی شقاوت کی طرف لے جائیں گے جس کے بعد سعادت نصیب نہیں ہوتی، اور ذلت جو کبھی عزت کا منہ نہیں دیکھتی، ایسی فقیری جس کے بعد غنا نہیں، وہ

عذاب جس کے پیچھے راحت نہیں، ایسی آتش جو کبھی بجھنے والی نہیں، وہ فشار جو کبھی ختم ہونے والا نہیں، ایسا غم واندوہ جو خوشی کا اجالا ساتھ نہیں لاتا، اور ایسی حسرت وندامت کہ جس کی چھوٹ اور خاتمہ نہیں۔

اے عزیز دوست! دیکھو مولائے متقیان دعائے کمیل کی مناجات کے حصے میں کس طرح خدائے تعالیٰ سے گڑگڑا کر عرض کر رہے ہیں:

انت تعلم ضعفی عن قلیل من بلاء الدّنیا وعقوباتها وما یجری فیها من المکاره علی اهلها علی انّ ذلک بلاءٌ ومکروه قلیلٌ مکثهُ یسیرٌ بقائهُ قصیرٌ مُدّتهُ فکیف احتمالی لبلاء الآخرة وجلیل وقوع المکاره فیها وهُو بلاءٌ تطولُ مُدّتهُ ویدُوم مقامهُ ولا یخفّف عن اَهلِه لانّه لا یکون الّا عن غضبک وانتقامک وسخطک وهٰذا ما لا تقوم لهُ السّموات والارض۔

اے مالک! تو جانتا ہے میری کمزوری دنیا کی معمولی بلاؤں کے مقابل، دنیا کی سختیوں کے مقابل اور دنیا میں جو ناخوشگوار واقعات یہاں کے رہنے والوں کو پیش آتے رہتے ہیں، ان کے مقابل، حالانکہ یہ سختی ناپائدار ہے اور اسے جھیلنا بھی سہل ہے، اس کی مدت بھی نہایت مختصر ہے لیکن آخرت کو میں کیسے جھیل سکوں گا اور وہاں کی سختیوں اور زبردست آفتوں کو کیسے برداشت کروں گا، جبکہ وہ مصیبت (آخرت کی) طویل مدت کے لئے ہوگی، اور دائمی ہوگی۔ اس کی زد میں آنے والوں کے لئے وہ کبھی گھٹتی نہیں۔ اس لئے کہ وہ اور کچھ نہیں سوائے تیرے غضب کے، تیرے انتقام اور تیرے عتاب کے۔ اور یہ وہ "چیز" ہے جس کے زمین وآسمان بھی متحمل نہیں ہو سکتے" (دعائے کمیل)

یہ کیسا عذاب ہوگا جس کی تاب لانے کی طاقت زمین وآسمان بھی نہیں رکھتے اور وہ تمہارے لئے مہیا کیا گیا ہے۔ اس کے باوجود تم متنبہ نہیں ہوتے اور تمہاری

غفلت و نسیاں میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے۔ اے دلِ غافل! غفلت سے بیدار ہو جا اور سفرِ آخرت کے لئے تیاری کر۔ قزاقِ اجل موت کا نقارہ بجا چکا ہے۔ (فقد نودی فیکم بالرحیل) کوچ کے لئے صدائے رحیل بلند ہو چکی ہے۔ حضرت عزرائیل کے کارندے اپنا کام انجام دینے والے ہیں اور تجھے ہر آن موت کی طرف کھینچ رہے ہیں۔ پھر بھی تو غافل ہے اے نادان!

اللّٰھُمَّ انّی اسئلک التجافی عن دار الغرور والانابہ الی دار السرور والاستعداد للموت قبل حلول الفوت۔

بارالٰہا میں تیرے در پر سوالی ہوں کہ تو مجھے اس خانہ غرور و مستی سے نکال، اور پھیر دے میرا رخ دارِ سرور اور موت کی آمادگی کی طرف۔ قبل اس کے کہ یہ فرصت کے لمحات ختم ہو جائیں مجھ پر یہ عنایت فرما۔

والعاقبۃ للمتقین
والحمد للہ رب العٰلمین